مولوی محمد عزیز مرزا صاحب

حالات

قسطنطنیہ

۱۸۹۷ء — ۱۳۱۵ھ

جزو اول و دوم

جس میں اسلامی دار الخلافہ قسطنطنیہ کی بنا کی مختصر تاریخ کے بعد انگلستان کے مشہور زن عالم پروفیسر میکس مولر اور انکی لیڈی صاحبہ اور زن سیاح مس ین کیم فورڈ کی کتابوں کا جن میں انہوں نے چشم دید حالات سلطانی نوازشات اور اپنی سیر کے واقعات تحریر کئیے ہیں ترجمہ دیا گیا ہے

اور

جا بجا مناسب موقع مفید حواشی اور فٹ نوٹ بھی ایزاد کردیے گئے ہیں

مترجمہ و مؤلفہ مولوی **محمد انشاء اللہ** صاحب زمیندار انعام آباد ضلع گوجرانوالہ

(ایڈیٹر وکیل امرتسر)

منشی فاضل شیخ **غلام محمد** مختار عدالت ڈسٹرکٹ کے اہتمام سے

مطبع روز بازار امرتسر

(اجنرل لائبریری الحبیبی)

طبع اول — میں چھپا — قیمت مجلد عہ

ٹرکی اور خلافت عظمیٰ عثمانیہ کے متعلق چند مفید کتابیں

بست سالہ عہد حکومت اعلیحضرت خلیفۃ المومنین سلطان عبد الحمید خان شہنشاہ روم

انگلستان کی ایک شاہزادی نے قسطنطنیہ میں مدت تک رہکر اپنے ذاتی تجربہ اور چشم دید واقعات کی بناء پر سلطان اعظم کی حکومت کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی مولوی محمد انشاء اللہ نے اس کتاب کا اردو ترجمہ پہلی دفعہ مطبع خادم التعلیم پیسہ اخبار میں چھپوایا تھا جو عام پسند ہونیکی وجہ سے ایک ہی سال میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا اور ملک کے مشہور اور قابل آدمیوں نے اپنی قیمتی رائیں لکھکر نہایت تعریف کی پہلے ایڈیشن میں صرف ۱۵ سال کے واقعات تھے لیکن اس دوسرے ایڈیشن میں اس سے بعد کے سات سال کے آجتک کے حالات بھی بڑی وضاحت اور عمدگی سے درج کر دیئے گئے ہیں حسب موقعہ نہایت خوبصورت اور صاف تصویریں اضافہ کیگئی ہیں اسطرح ۵۰-۴۰ صفحے زیادہ ہوگئے ہیں چھپائی نہایت عمدہ اور کاغذ نفیس ڈمی۔ بایں ہمہ قیمت وہی جو پہلے تھی یعنے صرف عہ دفتر پیسہ اخبار سے جس کتاب کا اشتہار دیا جارہا ہے وہ اُسی پہلی ایڈیشن کی نقل ہے اسمیں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔

سفر و قصہ مظالم آرمینیا۔ یہ کتاب بھی مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار انعام آباد کی تالیف ہے اس میں عالی دماغ اور فاضل مولف نے معاملات متعلقہ ٹرکی اور مسئلہ آرمینیا کے مختلف پہلوؤں پر بدلائل شائستہ و براہین بائستہ بحث کی ہے تمام صاحبان نے جنہوں نے اس کتاب کے مضامین کو پڑھا ہے نہایت زور سے اون کے جامع اور بسیط ہونے کی تعریف کی ہے اردو زبان میں ایسی جامع کتاب جو روم کے متعلق حالات سے کامل آگاہی دے سکے اب تک تالیف نہیں ہوئی عہدنامہ برلن۔ عہدنامہ سین سٹفنی قانو خطوط نپولین بونا پارٹ تقریر گلیڈسٹون وغیرہ کے علاوہ آرمینیا کا نقشہ بھی شامل کر دیا ہے ہر انصاف پسند کو علی العموم اور مسلمانوں کو علی الخصوص یہ کتاب ضرور دیکھنا چاہیئے۔ قیمت عہ۔

واقعات روم۔ یہ کتاب ایک ایماندار امریکن انگریز کی تصنیف ہے جسکو مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار انعام آباد نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب میں مجملاً وہ تمام ترقیاں درج ہیں جو موجودہ سلطان کے عہد میں ہوئیں ہیں اس میں لائق مصنف نے کوئی صیغہ بغیر ذکر کیئے نہیں چھوڑا۔ ریلوے کا حال ہی شروع کیا ہے اور تمامی ضروری محکموں کی کیفیت نہایت فصاحت سے سمجھائی ہے۔ اس میں فاضل مترجم کے نوٹ اصل کتاب کی لطف کو دوبالا کیئے دیتے ہیں اس کتاب کو دیکھنے کے وقت غور سے پڑھنے والا ایسا محو ہوجاتا ہے کہ وہ خود ٹرکی میں بیٹھا ہوا ہر صیغہ و محکمہ کی پڑتال کر رہا ہے اس کتاب اور سفر و قصہ مظالم آرمینیا کے دیکھنے کے بعد روم کے متعلق بہت ہی کم معلوم کرنا رہجاتا ہے جو ہمیں خود جاکر دیکھنے سے تعلق ہے قیمت ۱۲

ٹرکی کی موجودہ حالت اور اُسکی باجگذار ریاستیں۔ مرتبہ مولوی محمد انشاء اللہ۔ سویز۔ ٹیونس۔ بلغاریا۔ بوسینیا

قسطنطنیہ حصّہ دوم جزو اوّل

دیباچہ

قسطنطنیہ کی بنیاد پڑنے کی وجہ

(۱) سلطنت روستہ الکبریٰ میں آئے دن کی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں سے جب سخت ابتری پھیل گئی فوجیں دن بدن کمزور ہوتی چلی گئیں۔ اور جلد ہی لوگ انکی کمزوری سے فایدہ اٹھاکر زور پکڑتے گئے اور امرا اور سینیٹ کے عیش و عشرت میں پڑ جانے سے تمام ملکی کاروبار فوج کے ہاتھوں طے ہونے لگے تو رفتہ رفتہ فوج کو سلطنت کے اندرونی معاملات میں یہاں تک دسترس ہوگئی۔ کہ کوئی بادشاہ جسکو سینیٹ نے تخت نشین کیا ہو تخت و ملک کا سچّا حقدار نہ سمجھا جاتا تھا جب تک کہ فوج اُسے منظور نہ کرتی۔ فوج جس بادشاہ کو چاہتی تخت نشین کرتی اور جسے چاہتی معزول کردیتی۔ آخر نوبت باینجا رسید کہ سینیٹ کے انتخاب کردہ بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل اور معزول ہونے لگے اور فوج کے جنرل اور سالار فوج کی رائے اور انتخاب سے بادشاہ بنائے جانے لگے جنہیں (اگر وہ فوج کی خلاف مرضی کوئی کام کرتے) فوج قتل کردیتی اور اُسکی جگہ نیا سپہ سالار بادشاہ منتخب کیا جاتا۔

(۲) انہیں دنوں میں ڈائیوکلیشین جسکو والدین دکھا جاتا ہے روم میں غلام تھے اور اپنی اعلیٰ قابلیتوں اور لیاقتوں کی وجہ سے فوج کا سپہ سالار ہوگیا۔ اور فوج نے اسے اپنا بادشاہ منتخب کیا اور یہہ فوج کی مدد سے روم کے تخت پر تمکین ہوا۔ یہہ بادشاہ عقلمند و دوراندیش تھا۔ اسی اچھی طرح سے معلوم تھا کہ کس طرح

روم کے پہلے بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل اور معزول کئے گئے ہیں اور کس طرح فوج کی طاقت اور زور بڑھ گیا ہے۔ پس اُس نے ارادہ کر لیا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے فوج کے اِس زور کو توڑنا چاہیے اور اُس کو بخوبی بادشاہ کی تحت میں لانا چاہیے۔ اِس ارادے کو سرانجام تک پہونچانے کیلئے اُس نے سلطنت کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔

ا۔ تھریس، مصر اور ایشیا پر وہ خود حکمران ہوا۔

ب۔ اٹلی اور افریقہ میکسی میئن کے سپرد ہوئے۔

ج۔ فرانس، ہسپانیہ اور برطانیہ قسطنطیس کے ماتحت کئے گئے۔

د۔ صوبجات ملحقہ دریائے ڈینوب پر گلیریئس حکمران کیا گیا۔

اس طرح سے فوج کی طاقت بالکل زائل ہو گئی۔ کیونکہ اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کی فوج بغاوت کرتی یا باغی ہو جاتی تو دیگر تینوں اُسکی سرکوبی کر دیتے۔ روم فوجیوں نے یہہ خیال کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو قتل کرنا محض فضول ہے کیونکہ دوسرے تینوں اُسکی سرکوبی کر دینگے اور اسلئے انہوں اپنے حاکم کو قتل کرنا یا معزول کرنا بے حصول سمجھا۔ اور بالآخر زیر ہو گئیں اور بادشاہ کا سکہ اُنکے دلوں میں بیٹھ گیا۔

(۳) سینیٹ کا زور بالکل ٹوٹ گیا اور آیندہ کیلئے روم دنیا کا پایہ تخت نہ رہا۔ بلکہ ان چاروں نے دوسرے مقام رہنے کو پسند کئے۔ جہاں سے وہ سرحدی لوگوں کی سرکوبی کر سکیں اور سلطنت کو بیرونی حملوں سے بچا سکیں۔ بادشاہوں کی شان و شوکت حد سے بڑھ گئی۔ اور وہ فوج میں بہت کم آنے جانے لگے۔ وہ بڑے بڑے قیمتی لباس زیب تن کرتے اور کروڑوں روپیے اُنکی تیاری پر صرف کر دیتے۔ ان کے شان و شوکت کو دیکھ کر فوج اُنہیں انسان کی ایک اعلیٰ قسم خیال کرنے لگی اور اُن سے خوف کھانے لگی۔

(۴) ڈایوکلیشین نے ۳۰۵ء میں تخت و تاج چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ لیکن نو سال کے بعد اُسے اپنے گوشے سے باہر نکلنا پڑا کیونکہ اوگسٹوں اور قیصروں میں خانہ جنگی ہو پڑی جو ۳۲۳ء میں ختم ہوئی اور فلیویئس ویلیریئس کانسٹن ٹائن یا قسطنطین اعظم تمام دنیا کا مالک ہو گیا۔ قسطنطین اعظم قسطنطیس قیصر کا بیٹا تھا اور اپنے باپ کی وفات پر ۳۰۶ء میں برطانیہ کا قیصر ہوا۔ وہ بڑا بہادر اور دانا تھا۔ ۳۱۴ء کی خانہ جنگی میں وہ دوسرے آگسٹس اور قیصر پر غالب آیا۔ اور ۳۲۳ء میں تمام رومن دنیا کا خودمختار حکمران ہو گیا۔

۱؎ ڈایوکلیشین اور میکسی میئن۔ اوگسٹس کہلانے لگے۔ اور قسطنطیس اور گلیریئس قیصر کے لقب سے ملقب ہوئے

دین عیسوی کی اشاعت

اس ابتری اور خانہ جنگیوں کے دوران میں دین عیسوی رومن سلطنت میں آہستہ آہستہ پہیلتا گیا۔ گرجوں اور معبدوں کی تعداد ہر ایک شہر میں دن بدن بڑہتی گئی۔ گو روم کی شہنشاہ عیسائیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکہتے تہے اور بہت سے قیصر نیرو[1] کے ہاتہوں قتل بہی کئے گئے تہے۔ اور وقتاً فوقتاً دین عیسوی کی اشاعت جبراً بند بہی کر دیجاتی تہی۔ کیونکہ وہ یہہ خیال کرتے تہے کہ عیسائی لوگوں کو نافرمانبرداری اور فتنہ پردازی سکہلاتے ہیں۔ اور یہہ کہ عیسائی فرمانبردار رعایا نہیں ہوتے۔ عیسائی لاکہوں اور ہزاروں کی تعداد میں ٹراجان[2]۔ ڈیسی اَس[3] اور ولیریَن[4] کے ہاتہوں قتل کئے گئے تاہم وہ اپنی استقلال کی بدولت دن بدن بڑہتے گئے اور قسطنطین اعظم کے زمانے میں اُنہوں نے یہاں تک زور پکڑا کہ قسطنطین کو اُنکی بغاوت اور فساد کے خوف سے مجبوراً عیسوی مذہب اختیار کرنا پڑا اور ساتہہ ہی اُس نے سلطنت کا مذہب عیسوی کر دیا۔

(۵) قسطنطین اعظم نے معلوم کر لیا کہ نئے مذہب کے خیالات اور عیسوی مذہب کو قوم میں ہر دلعزیز کرنا قریباً ناممکن ہے۔ وہ ہنوز اپنے پرانے خیالات اور پرانے مذہب پر ثابت قدم رہینگے۔ اور صدیوں کی تیار شدہ بنیاد کا دنوں اور ہفتوں میں توڑنا ناممکن ہے۔ اسلئے اور نیز چونکہ قسطنطین ایشیائی بادشاہوں کی طرز پر رہنا چاہتا تہا اور یہہ بات اسی خاص قوم میں نصیب نہیں ہوسکتی تہی۔ اُس نے ایک مقام جو ایشیا اور یورپ کے نزدیک ہو اپنی رہائش کیلئے پسند کیا اور وہاں ایک نئی روم کی بنیاد ڈالی جو اُسکے نام پر قسطنطنیہ کے نام سے موسوم ہوا اور عیسوی مذہب کا مرکز قرار پایا۔

توضیح بعد البیان

قسطنطنیہ کی بنیاد پڑنے کی وجہ مختصر طور پر بیان ہو چکی ہیں لیکن اسکا مزید بیان کر دینا بعید از دلچسپی نہ ہوگا۔ وہ امورات جن پر اب خامہ فرسائی کیجائیگی حسب ذیل ہیں:۔

---

[1] اسکا پورا نام لوسی اس ڈومی ٹیئس نیرو ہے ۳۷ء میں پیدا ہوا ۶۸ء میں فوت ہوا۔ یہہ شخص اس درجہ کا سفاک اور ظالم تہا کہ چنگیز خاں کو بہی اسکا ثانی نہیں کہہ سکتے۔ اُسنی ایک دفعہ آدمیوں سے بہرے ہوئے تھیٹر کو جلوا دیا تہا کہ انسانوں کو اپنی آنکہہ سے مرتا ہوا دیکہے۔

[2] مارکس اپی الیس نروا ٹراجانیس رومی قیصر ۵۲ء میں پیدا ہوا ۱۱۷ء میں فوت ہوا۔

[3] یہہ ۲۴۹ء میں قیصر ہوا اور پچاس برس کی عمر میں وحشی قوم گوتہہ کے ساتہہ لڑائی کرتا ہوا میدان جنگ میں قتل ہوا۔ گبن اسکی بہت تعریف کرتا ہے

[4] پبلیس لوسی نی اس ولیریانس رومی قیصر سنہ پیدائش غیر محقق سنہ وفات ۲۶۹ء

(۱) بائی زنطیم کی جائے وقوع۔ جب قسطنطین بستی نی اس سے جنگ ختم کر چکا تو اُس نے اپنی حکمت وتدبیر کی بھی ویسی ہی شہرت چاہی جیسی کہ اُسے فن سپاہگری میں حاصل ہو چکی تھی۔ اُس نے خیال کیا کہ بائی زنطیم کی جائے وقوع قدرتی طور سے محفوظ ہے۔ اور وہاں کسی دشمن کے حملہ کا خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اور نیز وہ تجارتی آمد ورفت کے فوائد کیلئے بڑی کارآمد ہے قسطنطین کے زمانہ سے بہت پہلے کے ایک یونانی مورخ نے اس جائے وقوع کے فوائد بیان کئے ہیں جہاں سے ایک کمزور یونانیوں کی نوآبادی سمندر کی مالک ہو گئی اور اُس نے ایک آزاد جمہوری ریاست کی مستحکم بنا ڈال دی۔

۲ قسطنطنیہ کی قطع وضع۔ بائی زنطیم جس کا مبارک نام قسطنطنیہ ہے ایک مثلث کی شکل میں ہے۔ اس کا ایک ضلع مشرق اور ایشیا کے کناروں کی طرف بڑھتا چلا گیا ہے اور اس ضلع سے تھریشین باسفرس کی لہریں ٹکراتی ہیں۔ شہر کی شمالی جانب بندرگاہ سے گھری ہوئی ہے اور جنوبی جانب بحیرہ مارمورا واقع ہے لیکن اُسکی گرد ونواح کی زمین اور پانی کی قابل تعریف قدرتی ہیئت اور تقسیم واضح بیان کے بغیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔

(۳) باسفرس۔ وہ پیچیدا آبنائے جس میں بحیرہ اسود کا پانی بڑی عسرت سے ہو کر بحیرہ روم میں گرتا ہے باسفرس کے نام سے نامزد ہے۔ اسکی ڈھلوان اور پُر از سبزہ زار کناروں پر بہت سے مندر اور معبد بنے ہوئے تھے جن سے یونانی ملاحوں کی تباہی خطرات اور بے ہنری کی شہادت ملتی ہے۔ ان لوگوں نے ارگونات[۱] والوں کی پیروی کر کے بحیرہ اسود کے خطروں کو معلوم کرنے کیلئے اپنی جان جوکھوں میں ڈالدی تھی۔ روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ اسکے کناروں پر فاینوز کا محل جسمیں محبوب پریاں بھری پڑی تھیں بنا ہوا تھا۔ اور یہیں ایمی کس جس نے سیس ٹس کی لڑائی میں لیڈا کے بیٹے کو پچھاڑا تھا حکومت کرتا تھا۔ آبنائے باسفرس کے اختتام پر سینیس گھاٹیاں آباد ہیں۔ ان گھاٹیوں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سطح آب پر تیرا کرتی تھیں اُنکو لوگوں کی تعجب بھری آنکھ سے بچانے کیلئے دیوتاؤں نے بحیرہ اسود کے راستہ کی حفاظت کے لئے انہیں ٹھہرا دیا۔ سینیس گھاٹیوں سے لیکر بائی زنطیم کے بندرگاہ تک باسفرس کا پیچیدہ راستہ قریبًا سولہ میل لمبا ہے اور اُسکی زیادہ سے زیادہ چوڑائی ½ ۱ میل ہے۔ یورپ اور ایشیا کے نئے قلعے سکریپس اور جیوپیٹر یوری اس کے مشہور مندروں کی بنیادوں پر بنے ہوئے ہیں۔ یونانی شہنشاہوں کے پرانے قلعے

---

[۱] یونان کے جزیرہ تھاموریا کے شہر ارگوس کے رہنے والے۔ [۲] یونانی قدیم افسانوں کا ایک دیوتا۔

[۳] یونانی میتھالوجی کی ایک خوبصورت شہزادی جس پر دیوتا مشتری اسے غسل کرتے دیکھ کر عاشق ہو گیا اور ہنس کی شکل میں

آبنائے کے اس تنگ مقام پر بنے ہوئے تھے جہاں سے بالمقابل کناروں کا فاصلہ پانچسو قدم ہے۔ محمد ثانی نے جب قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو اُن قلعوں کو گروا دیا اور انکی جگہ نئے قلعے بنائے۔ لیکن ترکی فاتح کو غالباً اس امر کی خبر نہ تھی کہ اسکی سلطنت سے دو ہزار سال پیشتر دارا نے بھی ۔ ۔ کو کشتیوں کے پل سے باہم ملا دینے کیلئے یہی مقام پسند کیا تھا۔ پرانے قلعوں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر کریسوپولیس یا سقوطری[۱] کا شہر آباد ہے جسے قسطنطنیہ کا ایشیائی حصہ خیال کرنا چاہئے۔ باسفرس جب پروپونٹس سے ملنے لگتی ہے تو بائی زنٹیم اور کالسیڈن کے درمیان گذرتی ہے۔ کالسیڈن کو یونانیوں نے بائی زنٹیم سے چند سال پیشتر آباد کیا تھا اور اُسکے بانیوں کے اندھے پن پر جنہوں نے ساحل مقابل کے فواید کو نظر انداز کر دیا تھا۔ عام نفرت ظاہر کیجاتی ہے۔

۴۔ بندرگاہ قسطنطنیہ کا لنگر گاہ جسے باسفرس کا بازو سمجھنا چاہئے قدیم زمانے سے شاخ زرین کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا خم کسی قدر بارہ سنگا کے سینگ سے مشابہ ہے لیکن زیادہ تر بیل کے سینگ سے مشابہت رکھتا ہے۔ زرین کا لقب ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ ہوا دور دراز ملکوں سے قسطنطنیہ کے وسیع اور محفوظ بندرگاہ میں کیا کیا دولتیں لاتی تھی۔ دریائے لائیکس جو دو ندیوں کے ملنے سے بنتا ہے بندرگاہ میں تازہ پانی متواتر ڈالتا رہتا ہے جس سے تہ صاف ہو جاتی ہے اور مچھلیاں اس آرام دہ مقام میں جمع رہتی ہیں۔ کیونکہ لہریں ان سمندروں میں اکثر بےحس و ساکن رہتی ہیں۔ بندرگاہ کی گہرائی اس قدر ہے کہ جہاز اسباب کو کشتیوں کے بغیر ہی لنگر گاہ میں اُتار سکتے ہیں۔ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض بعض مقامات پر بڑے بڑے جہاز مکانوں کی دیواروں تک آ سکتے ہیں۔ دہانہ لائیکس سے لیکر دہانہ لنگر گاہ تک باسفرس کا یہ بازو سات میل لمبا ہے۔ داخل ہونے کا راستہ پانچسو گز چوڑا ہے اور اکثر اوقات بندرگاہ اور شہر کو دشمن کے بحری حملے سے بچانے کیلئے ایک مضبوط زنجیر اُسکے آر پار ڈال دی جاتی تھی۔

۵۔ پروپانٹس۔ باسفرس اور ہیلس پانٹ کے درمیان اور ایشیا اور یورپ کے کناروں کے مابین بحیرہ مارمورہ جو زمانہ قدیم میں پروپانٹس کے لقب سے ملقب تھا واقع ہے۔ باسفرس کے دہانہ سے لیکر ہیلس پانٹ کے آغاز تک جہازرانی کا راستہ قریباً ایک سو بیس میل ہے۔ اُن جہازوں کے سوار جو بحیرہ مارمورا کے وسط سے مغرب کی جانب چلتے ہیں۔ تھریس[۲] اور بی تھنیا[۳] کی سطح آب سے بلند قطعات زمین اور کوہ اولمپس کی بلند

[۱] ترک اسے اسکودار کہتے ہیں۔

[۲] یورپین ترکی کا صوبہ واقع برلب بحیرہ مارمورہ۔ [۳] ایشیائی کوچک کا صوبہ واقع برلب بحیرہ مذکورہ۔

چوٹیوں کو جو ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں دیکھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ انکی داہنی جانب ایک گہری خلیج پڑیگی جسکی سرے پر ڈاسیو کلیشین کی شاہی رہائش گاہ شہر کو میڈیا آباد تھا۔ اور گالی پولی ہیں جہانکہ سمندر جو ایشیا اور یورپ کو علیحدہ کرتا ہے پھر ایک تنگ آبنائے سی ہو جاتا ہے لنگر زن ہونے سے پیشتر سنہری کس اور یہ وکوئی سس کے چھوٹے چھوٹے جزیرے انکے رستے میں پڑینگے۔

ہلیس پانٹ جغرافیہ دان جنہوں نے نہایت ہوشیاری سے تحقیق کی ہے بیان کرتے ہیں کہ ہلیس پانٹ کا پیچدار راستہ ساٹھ میل لمبا ہے اور اس آبنائے کی معمولی چوڑائی قریبًا تین میل ہے لیکن آبنائے کا نہایت ہی تنگ رستہ پرانے ترکی قلعوں کے شمال کی طرف سیس ٹس اور ابی دس شہروں کے درمیان پایا جاتا ہے یہہ وہی مقام ہے جہاں بہادر لی اینڈر نے اپنی معشوقہ کو ہاتھ میں لانیکی خاطر دریا کی بلا خیز موجوں کا مقابلہ کیا تھا اور یہی وہ مقام ہے جہاں خسرو نے بالمقابل کناروں کے درمیان جو پانچسو قدم کے فاصلہ پر ہیں اپنی ستر لاکھ فوج کو یورپ میں داخل کرنیکے لیے کشتیوں کا پل بنوایا تھا۔ جو سمندر اس حد تک تنگ ہو اسے فراخ نہیں کہہ سکتے جیسا کہ ہومر اور آرفیوز نے ہلیس پانٹ کو فراخ بیان کیا ہے لیکن بڑائی اور چھوٹائی نسبتًا قیاس کیجاتی ہے۔ وہ مسافر اور خاصکر شاعر جو کہ ہلیس پانٹ میں سے گذرتے ہیں اسکے پیچدار رستوں کے خیال اور اس قدرتی دہقانی نظارہ کے جو دونوں طرف برابر برابر چلا گیا ہے دیکھنے میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں یہاں تک خبر نہیں ہوتی کہ وہ سمندر میں ہیں اور انکا خیال اس مشہور آبنائے کو ایک تند اور تیز رفتار دریا قیاس کر لیتا ہے۔ جو کہ درخت دار اور اندرونی ملک سے بہہ کر آخرش ایک فراخ دہانہ کی راہ ایجین[۵] یا آرکی پلیگو میں جا گرتا ہے۔ قدیم شہر ٹرائے سی جو کوہ ایڈا کی ایک چوٹی پر واقع تھا ہلیس پانٹ کا دہانہ جس میں سیمواس اور سکامنڈر کی وادی اور ابدی ندیاں گرتی ہیں بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔ یونانی فوج محافظ کا لشکر گاہ سیجین سے لیکر ریٹین کی پہاڑی تک کنارہ کے ساتھ ساتھ بارہ میل میں پھیلا ہوتا تھا۔ بائی زنٹیم کے موقع کے پسند آنے سے پیشتر قسطنطین نے اُس وسیع میدان کو جو قدیم ٹرائے کے پاس ریٹین پہاڑی اور ایجکس کی قبر کی طرف واقع ہے اپنے نئے دار السلطنت کیلئے پسند کیا تھا۔ اور تعمیر کا کام بھی شروع ہو گیا تھا مگر اسے جلد ہی ترک کر دیا گیا۔ تاہم نامکمل دیواروں اور برجوں کے شاہانہ نقش ان لوگوں کی توجہ کو جو ہلیس پانٹ کی آبناؤں سے گذرتے تھے صدیوں تک اپنی طرف کھینچتے رہے۔

سلہ۵ بحیرہ مجمع الجزائر۔

۷۔ فوائد قسطنطنیہ۔ قسطنطنیہ قدرتاً ایک ایسے مقام پر واقعہ ہے کہ اس کیلئے ایک بڑی سلطنت کا دار الخلافہ یا مرکز ہونا ضروری ہے۔ اسکی جائے وقوع سے بڑے بڑے فوائد ملحق ہیں۔ یہہ شاہی شہر سات پہاڑیوں پر بنا ہوا ہے۔ یہاں کی آب ہوا خوشگوار و معتدل ہے۔ زمین سرسبز اور بندرگاہ محفوظ اور وسیع ہے۔ خشکی کے رستہ اسکی طرف بڑہنا بہت مشکل اور اسکی حفاظت بہت آسان تہی۔ باسفرس اور ہلیس پانٹ قسطنطنیہ کے دو دروازے خیال کرنے چاہئیں۔ یہاں کے بادشاہ ہمیشہ انکو دشمن کے جنگی بیڑہ جہازات کے برخلاف بند کر دیتے اور تجارتی جہازوں کی آمد و رفت کیلئے کھلا رکہا کرتے تہے۔ قسطنطین کی یہہ پالیسی تہی کہ مشرقی صوبجات کو محفوظ رکہے چنانچہ یوکسائین کے باشندے جو زمانہ گذشتہ میں بحیرہ روم میں اپنی فوجیں لے آتے تہے لوٹ مار سے باز آ گئے اور ناقابل فتح حد پر حملہ کرنیمیں مایوس ہوگئے۔ جب باسفرس اور ہلیس پانٹ کے دروازے بند کئے جاتے تہے تو دار الخلافہ کے وسیع احاطہ میں ہر ایک پیداوار مہیا ہوتی تہی اور وہ اسکی بیشمار باشندوں کی ضروریات اور سامان عیش کیلئے کفایت کرتی تہی۔ تہریس اور بی تھنیا کے سواحل بحر گو بد نسقی سے بہت کچہہ برباد ہوگئے ہیں تاہم ابہی تک وہاں انگورستان۔ باغیچے اور فصلیں بہت اچہی حالت میں دیکہی جاتی ہیں۔ اور مشہور ہے کہ پروپانٹس میں اس کثرت سے مچہلیاں موجود ہیں کہ انکو موسم بہار میں بغیر کسی مشکل یا محنت کے پکڑ سکتے ہیں اور پہر بہی انکا ذخیرہ ختم نہیں ہوتا۔ لیکن جبکہ تجارت کا رستہ کہولدیا جاتا ہے قسطنطنیہ پہر یوکسائین اور بحیرہ روم کے جنوب اور مشرق کی قدرتی اور مصنوعی دولتوں سے مالامال ہو جاتا تہا اور وہ ذخائر وغیرہ جو جرمنی اور سیدیا کے جنگلوں میں تینی آس اور بورس تھنیز کے منبعوں تک اکٹہے کئے جاتے تہے۔ جو کچہہ یورپ اور ایشیا کے کاریگر تیار کرتے تہے مصر کا غلہ اور دور دراز ہندوستان کے جواہر موتی قسطنطنیہ کے بندرگاہ میں جس نے کئی زمانوں تک قدیم دنیا کی تجارت کو اپنی طرف کہینچ رکہا تہا لائے جاتے تہے۔

۸۔ شہر کی بنا۔ خوبصورتی مضبوطی اور دولت کا ایک مقام پر جمع ہونا قسطنطین کی پسند کی کافی تصدیق ہے۔ ہر ایک زمانہ میں رواج چلا آیا ہے کہ جب کسی بڑے شہر یا قصبہ کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ تو اسکے بارے میں بہت سے قصے اور کہانیاں بنالی جاتی ہیں۔ اسی طرح قسطنطین نے قسطنطنیہ کی بنیاد ڈالتے وقت یہہ اظہار کیا کہ مجہے اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اسلئے میں خدا کے احکام کی فرمانبرداری میں اس شہر کی ہمیشہ تک قائم رہنے والی بنیاد ڈالتا ہوں۔ لیکن اس نے یہہ کبہی بیان نہیں کیا تہا۔

کہ اُسے الہام کس طریقہ سے ہوتا ہے۔ اس امر میں خاموشی اختیار کرنے سے مورخین یہہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اُسکو الہام نہ ہوا کرتا تھا۔ بلکہ جب وہ بائی زنٹیم کی دیواروں کے اندر سویا کرتا تھا تو اُسکو وہم خوابوں میں اُسکے خیالات کی مجسم تصویر اُسکے روبرو پیش کر دیا کرتے تھے۔ خواب میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ پیرانہ سالی و کمزوریوں کے بوجھہ سے دبی ہوئی معزز بوڑھی عورت جو شہر کی نگہدار چیل تھی دفعتہً ایک نوجوان دوشیزہ نازنین کی شکل میں بدل آئی ہے جس کو خود اُس نے اپنے ہاتھوں سے تمام شاہانہ عظمت کے نشانوں کے ساتھہ ہار سنگار کیا ہے۔ یہہ دیکھہ کر وہ چونک پڑا اور یہہ خواب اوروں کو سُنایا اور بغیر کسی تاخیر کے خدا کی مرضی کی تعمیل کی۔ رومنز میں یہہ رسم مدتوں سے چلی آتی تھی کہ جب کسی نئے شہر یا نوآبادی کی بنیاد ڈالی جاتی تو وہ بڑی خوشی مناتے اور جلسے کرتے۔ گو قسطنطین عام لوگوں کی رسموں کے ادا کرنیکا زیادہ خواہشمند نہ تھا لیکن پھر بھی اُس نے عوام کے دلوں پر اپنا کچھہ اثر جمانے کیلئے چند رسومات کو بڑی دہوم دہام سے ادا کیا۔ ایک جلوس شاہانہ کو ساتھہ لیکر شہنشاہ پیادہ پا اُنکے آگے آگے چلا۔ اُسکے ہاتھہ میں ایک نیزہ تھا جس سے وہ نئے دارالسلطنت کے حدود کو نشان کرتا ہوا چلا گیا اور اُسکا محیط یہاں تک بڑہ گیا کہ اُسکے نائبین دیکھہ کر حیران ہو گئے۔ لیکن شہنشاہ ابھی تک نشان کئے جا رہا تھا۔ آخر اُن سے نہ رہا گیا اور یہہ کہنے سے باز نہ رہ سکے کہ حضور بس فرمایئے شہر کی حدود بہت بڑہ گئی ہیں۔ قسطنطین نے جواب دیا۔ میں ابھی اور آگے بڑہونگا جب تک کہ میرا رہنما جو کسی کو نظر نہیں آتا اور جو میرے آگے آگے چل رہا ہے ٹھیرنا مناسب خیال نہ کرے۔ ہم اس عجیب رہنما کی خود کوئی تحقیقات کرنا نہیں چاہتے۔ اور اُسکو یہیں چھوڑ کر قسطنطنیہ کی حدود اور وسعت کو بیان کرتے ہیں۔

۹۔ وسعت بقول گبن۔ شہر کی اصلی جا الفیں سراگلیو کے باغات اور محلات جو سات پہاڑیوں میں سب سے پہلی پہاڑی پر بنے ہوئے ہیں ایکسو پچاس ایکڑ رقبہ پر ہیں۔ ترکی عبرت اور مطلق العنانی کی نشستگاہ گریشیئن جمہور کی بنیادوں پر بنی ہوئی ہے۔ لیکن یہہ بتا دینا مناسب ہے کہ باشندگان بائی زنٹیم بندرگاہ کی راحت و آرام کو مدنظر رکھہ کر سراگلیو کی موجودہ حدود سے (جہاں اپنے قدیم محل شاہی) پرے آباد تھے۔ قسطنطین کی نئی دیواریں پرانی فصیلوں سے پندرہ سٹیڈیا [عا] کے فاصلہ پر بندرگاہ سے لیکر پروپانٹس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اور شہر بائی زنٹیم اور سارے میں سے پانچ پہاڑیوں کے گرد جو ایک ناظر کی نظر میں نہایت ہی خوبصورت ترتیب سے اٹھتی چلی گئی ہیں بنی ہوئی تھیں۔ بانی کی وفات سے ایک صدی بعد بندرگاہ اور پروپانٹس کے اطراف میں اور بہت سی عمارات بن گئیں اور چھٹی پہاڑی کا تنگ کنارہ اور ساتویں پہاڑی کی فراخ چوٹی بھی اُنہیں گھیر گئی

عا۔ ایک سٹیڈیا = ۲۰۲ گز ۹ انچ

شہر اور اسکی نواحیات کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کیلئے تھیوڈوسیس نے اپنی دار السلطنت کے گرداگرد ایک بڑی مضبوط فصیل بنوائی مشرقی پہاڑی سے لیکر زرین دروازہ تک قسطنطنیہ کی زیادہ سے زیادہ لمبائی تین و نصف میل تھی۔ محیط دس اور گیارہ میلوں کے مابین تھا اور اسکی سطح قریباً دو ہزار انگریزی ایکڑ کے برابر تھی۔ موجودہ زمانے کے سیاح جو یورپ اور ایشیا کے متصلہ دیہات کو قسطنطنیہ کی حدود میں شامل بتاتے ہیں مبالغہ آمیز تحریر ہیں جنکی تصدیق کرنی ناممکن ہے۔ لیکن پیرا اور گلاٹا کے محلے کو جو بندرگاہ سے پرے واقع ہیں شہر کا ایک حصہ خیال کئے جا سکتے ہیں۔ اور یہ زیادتی بائیزنٹیم کے اس مورخ کی تصدیق کریگی جس نے قسطنطنیہ کے محیط کو سولہ یونانی میل بتایا ہے۔ اتنی بڑی وسعت ایک شاہی رہائشگاہ کیلئے کچھ کم نہیں ہے۔ تاہم قسطنطنیہ قدیم بابل اور تھیبز قدیم روم۔ لندن اور نیز پیرس سے نسبتاً چھوٹا شہر ہے۔

۱۰ صنعت و حرفت کی ترقی۔ رومن دنیا کے مالک نے جب اپنی سلطنت کی سطوت و شوکت قائم رکھنے کیلئے ایک یادگار بنانیکی تجویز کی تو اس نے زر محنت اور اپنی لاکھوں رعایا کی ہنر و فنون سے پورا پورا کام لیا۔ قسطنطنیہ کی دیواریں محراب اور حوض بنانے پر پچیس لاکھ پونڈ کی لاگت آئی۔ یوکسائین کے جنگلوں اور جزیرہ پروکونیسس کی سفید سنگ مرمر کی کانوں سے مصالحوں کا ذخیرہ سہولیت کیلئے کشتیوں پر لاد کر بائزنٹیم سے بندرگاہ میں لایا گیا۔ کام کو انجام تک پہونچانے کیلئے بیشمار مزدور اور کاریگر لگائے گئے جنہوں نے بڑی جانفشانی سے کام کو تمام کیا لیکن قسطنطنیہ کو اس وقت معلوم ہو گیا کہ صنعت و حرفت کے تنزل سے اسکی تجاویز عالیشان و شوکت میں اسکو حسب منشا پوری نہیں ہوئیں۔ اور یہ کہ عمارت کی خوبصورتی و زیبائش میں نسبتاً بہت ہی کم ہے جو اس نے خیال کر رکھی تھی۔ اسلئے صوبجات کے اعلیٰ احکام کے نام حکم نافذ ہوئے کہ ہر ایک جگہ سکول بنائے جاویں معلم مقرر کئے جاویں اور انعام و اکرام اور حقوق کی امید دلا کر ذہین طلبا کی ایک کافی جماعت کو جنہوں نے معقول کتابی تعلیم پائی ہو صنعت و حرفت کی طرف مشغول کیا جاوے۔ نئے شہر کی عمارات انہی کاریگروں نے بنائیں جنہیں قسطنطین اسوقت مہیا کر سکا۔ لیکن انکی زیبائش کا کام پیریکلیز اور سکندر کے زمانہ کے لوگوں کے ہاتھوں سے تمام پایا قدیم صناع ہوئے فیڈیاس اور لسی پس کی ذہانت کو از سر نو تازہ کرنا تو رومن شہنشاہوں کی حد قدرت سے اعلیٰ و برتر تھا۔ لیکن اعلیٰ فنون و ہنر کی یادگاریں جو وہ پیچھے چھوڑ گئے تھے بعضے کبھی حفاظت کے ظالم پنجہ کیلئے

کھولدی گئیں۔ اُسکے حکم سے یونان اور ایشیا کے شہروں سے قیمتی زیور و جواہرات لوٹ لئے گئے
قابل یادگار جنگوں کی نشانیاں۔ مذہبی عزت کی اشیاء۔ اور قدیم زمانے کے دیوتاؤں۔ بہادروں
رشیوں اور شاعروں کے نہایت ہی خوبصورت بت قسطنطنیہ کی نذر کر دیئے گئے۔

١١۔ عمارات۔ بائی زنطیم کے محاصرہ میں فاتح نے اپنا خیمہ دوسری پہاڑی کی چوٹی پر نصب کیا تہا۔ اپنی فتح کی یادگار قائم رکھنے کیلئے اُس نے بڑے بہاری فورم (چبوترا) کیلئے جو دائرہ کی شکل میں یا کسی قدر بیضوی صورت میں تہی یہی کارآمد مقام پسند کیا۔ بالمقابل کے دو دروازوں پر بڑی بڑی عالیشان محرابیں بنی ہوئی تہیں۔ اور دالانوں میں جو چبوترہ کے چاروں طرف بنے ہوئے تہے بت بہرے پڑے تہے اور اُسکے وسط میں ایک بلند مینار بنا ہوا تہا۔ اس کا بدنما بچا کھچا حصہ اب برنٹ پلر (جلا ہوا ستون) کے نام سے مشہور ہے۔ یہہ مینار ایک سو بیس فیٹ بلند سنگ مرمر کے پائے ستون پر بنا ہوا تہا۔ اور اس میں سنگ سماق کے دس ٹکڑے جن میں سے ہر ایک کی لمبائی دس فیٹ اور محیط قریباً تینتیس فیٹ تہا لگے ہوئے تہے۔ مینار کی چوٹی پر جو زمین سے ایک سو بیس فیٹ بلند تہی اپولو کا ایک بہت بڑا بت نصب تہا یہہ پیتل کا بنا ہوا تہا اور ایتھنز یا فریجیا کے کسی شہر سے یہاں لایا گیا تہا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ فیڈیاس نے اسے بنایا تہا۔ یہہ بت دن کے دیوتا کی تصویر تہی۔ یا جیسا کہ بعد ازاں بیان کیا گیا ہے خود شہنشاہ قسطنطین کی تصویر تہی جس کے بائیں ہاتھ میں ایک عصا تہا اور دائیں میں کرہ زمین اور سر پر ایک روشن تاج جگمگا رہا تہا۔ سرکس یا ہپوڈروم ایک عالیشان عمارت تہی جسکی لمبائی چار سو قدم اور چوڑائی ایکسو قدم تہی۔ دونوں نشانوں کے درمیان کی جگہ میں بت اور مربع مینار بنے ہوئے تہے اور ابہی تک قدیم زمانے کا بچا ہوا ایک حصہ موجود ہے یعنی تین سانپوں کے جسم جو ایک تانبے کے مینار کی شکل میں لپٹے ہوئے ہیں۔ کسی زمانے میں اُنکے تین سروں پر ایک طلائی تپائی رکہی ہوئی تہی جسے فتحمند یونانیوں نے خسرو کی شکست کے بعد ڈیلفی کے مندر میں نذر کر دیا تہا۔ ہپوڈروم کی خوبصورتی کو ترک فاتحوں کے سخت ہاتھوں نے بالکل بدنما کر دیا ہے۔ یہہ آت میدان (میدان اسپاں) کے نام سے ابہی تک اُن کے گھوڑوں کی مشق کا مقام ہے۔ تخت سے جس پر شہنشاہ بیٹھ کر سرکس کے کرتب دیکہا کرتا تہا۔ ایک پیچدار زینہ ایک عالیشان محل کو جو سامنے ایوانوں اور دالانوں کے پیاسش کے کنارے پر ہیں اور گرجا سینٹ صوفیا کو دنیا کے ایک بہتر

احاطہ زمین پر بنا ہوا تہا جاتا تہا۔ اسی طرح وہاں غسلخانے بہی تہے۔ جو ابہی تک زیوکسی پس کے نام سے مشہور ہیں انکو قسطنطین نے اپنے مال خیرات سے تیار کروایا تہا اور ان میں مختلف قسم کے پتھروں کے بلند مینار اور بیسیوں سے اوپر پیتل کے بت بنے ہوئے تہے۔ اگر شہر کی ہر ایک عمارت کا مفصل ذکر کیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب تیار ہو جائیگی اسلئے یہہ کہہ دینا کافی ہے کہ ایک بڑے دار السلطنت کے زینت و زیبایش اور اسکے باشندوں کے تفریح گاہ کیلئے جو کچھہ ضروری ہے وہ سب قسطنطنیہ کی دیواروں کے اندر موجود تہا۔ اسکی بنیاد سے سو برس بعد جو حالات لکہے گئے ہیں اُنکے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت قسطنطنیہ میں۔ ایک تعلیم و تربیت کا سکول ایک سرکس۔ دو تھیٹر۔ آٹھہ حمام اور ایک سو پچپن پرائیوٹ غسل خانے۔ باون رواق۔ پانچ غلہ کے کھتے۔ آٹھہ تالاب۔ سینیٹ یا عدالت کے اجلاس کیلئے چار وسیع کمرے۔ چودہ گرجے۔ چودہ محل اور چار ہزار تین سو اٹہاسی عالیشان اور خوبصورت مکانات تہے۔

۱۲۔ آبادی قسطنطین کی دوسری بڑی خواہش یہہ تہی کہ اُسکے پیارے شہر میں آبادی کی خوب رونق ہو۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ روم کے شریف خاندان ممبران سینیٹ حکام اور اُنکے بیشمار نوکر چاکر سب اپنے بادشاہ کے پاس پروپانٹس کے کناروں پر چلے آئے۔ اور یہاں نئے دار الخلافہ میں صرف ذیل قومیں ہی آباد ہو گئیں۔ اٹلی کی زمینیں جن پر اب تک باغات لگے ہوتے تہے خوب کاشتکاری کیجاتی تہی فوراً زراعت اور آبادی سے محروم ہو گئیں۔ یہہ خیال نہ کرلینا چاہئے کہ قسطنطنیہ کی آبادی انسان کی تعداد اور محنت میں اضافہ ہو جانے سے بڑھ گئی تہی بلکہ یہہ سلطنت کے دیگر شہروں کی تباہی سے بڑہی تہی۔ روم اور مشرقی صوبجات کے دولتمند سینیٹرز کو قسطنطین نے مدعو کیا اور یہیں رہنے اور اپنی قسمت آزمائی کرنیکی فہمایش کی۔ تمام لوگوں نے اسے قبول کر لیا اور سب کو رہنے کیلئے محلات۔ زمینیں۔ وظیفے اور پونٹس اور ایشیا میں جاگیریں عطا کیں۔ لیکن تہوڑے ہی عرصہ کے بعد یہہ سب کچھہ بند کر دیا گیا۔ کیونکہ جہاں کہیں بادشاہ رہے وہیں وزرا۔ امرا اور دیگر باشندوں کو رہنا پڑتا ہے اور اس طرح دار السلطنت میں بہت ترقی ہو سکتی ہے اور وہاں مزدوروں سوداگروں اور کاریگروں کی بہت مانگ رہتی ہے۔ اس طرح قسطنطنیہ میں ہر قسم کا آدمی موجود پایا جاتا تہا اور یہی اسکی آبادی میں ترقی ہونیکی وجہ تہی۔ باشندوں کی روز افزونی کے باعث پہلا احاطہ زمین کم ہو گیا اور اس میں اور بہت سا قطعہ زمین شامل کر لیا گیا۔

قسطنطین اور شاہان روم کے زمانے میں قسطنطنیہ کی یہہ حالت تہی جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کئی

ایک بادشاہ گردیوں اور انقلابوں کے بعد ترکوں نے اُس پر حملہ کیا لیکن کئی دفعہ اُنہیں منہہ کی کھانی پڑی - بایزید یلدرم سا بہادر بادشاہ جس نے ایشیا اور یورپ میں اپنا سکہ بٹھالیا تھا اس پر حملہ کرنے سے جھجکتا رہا اور آخرش جب اس نے فتح کر لیا تو تیمور کی پیشقدمی نے اُسے روک دیا - بالآخر سلطان محمد ثانی نے اسے فتح کیا اور ترکی گورنمنٹ کا دارالخلافہ قرار دیا - اُس زمانے سے لیکر یہہ آجتک خاندان عثمانیہ کا پایہ تخت چلا آتا ہے - قسطنطنیہ کی فتح کے بعد بھی اس میں بہت سے تغیر واقع ہوئے اور اس نوجوان دوشیزہ نازنین نے آخرش آجکل وہ روپ اختیار کیا جسکی کیفیت بیان کرنے کیلئے سینکڑوں جادو نگاروں نے زور قلم دکھایا اور ہزاروں آتش دیدہ دکھانے میں لگے - قسطنطنیہ کی بنا ایام گذشتہ کی تاریخ یہاں کی قدیم عمارات اور موجودہ شاہی محلات کا مفصل بیان حصہ اوّل میں درج کیا جائیگا - جو کافی مصالح بہم نہ پہونچنے کی وجہ سے اب تک تیار نہیں ہوسکا تھا مگر مخدوم منشی عزیز احمد صاحب لکھنوی مقیم گلاسگو کی امداد اور نوازش سے یہہ کمی تقریباً اب پوری ہوگئی ہے - اس حصہ میں صرف موجودہ نقشہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے - اور اس غرض کیلئے لیڈی ہیکیس ہولر اور ایف موین کرافورڈ کی کتابوں کا بجنسہ ترجمہ دیدینا کفایت کریگا - قسطنطنیہ پر یہہ تازہ ترین یورپین تصنیفات ہیں - ترجمہ میں جابجا حسب ضرورت حواشی بھی ایزاد کر دیئے گئے ہیں - اور تمدن عرب کے بعد غالباً یہہ پہلی کتاب ہے جس میں بعینہ ویسی اعلیٰ قسم کی الیکٹرو پلیٹ تصویریں دیگئی ہیں - جیسے کہ ولایتی کتابوں میں ہوتی ہیں -

(خاکسار مترجم)

خطوط

از

قسطنطنیہ

محررہ

لیڈی میکس مولر صاحبہ

فہرست مضامین

فہرست تصاویر عکسی

دیباچہ لیڈی صاحبہ

تین برس ہوئے جو خطوط میں نے قسطنطنیہ سے جہاں چند ایام میں نے نہایت خوشی اور مسرت سے بسر کئے تھے تحریر کئے تھے۔ اُن میں اَور مضامین بڑہاکر یہہ خطوط لکھے گئے ہیں۔ میں وہاں اپنے خاوند کے ساتھ جنہیں آب ہوا کی تبدیلی اور آرام کرنیکی ضرورت تھی اپنے بیٹے کو جو انگریزی سفارت کا سکرٹری تہا اور اب بھی ہے ملنے گئی تھی۔ ہمارے فرزند نے باسفرس کی بہار اور دلفریب خوبصورتی کے متعلق ہم کو اپنے خطوط میں مفصل لکھ کر بہت کچھہ تیار کر دیا ہوا تہا۔ تاہم اس دریا کے پُر فضا نظاروں اور قسطنطنیہ اور اُسکے قرب جوار کی پُرانی یادگاروں کے عجائبات اور دلکشی کے مشاہدہ سے ہم ششدر رہ گئے۔

سر کلیر فورڈ انگریزی سفیر اور سفارت کے تمام دیگر ارکان ہم سے کمال خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آئے۔ اعلیٰ حضرت سلطان المعظم نے ہمارے حال پر ایسی شاہانہ عنایات مبذول فرمائیں کہ محض مسافروں اور سیاحوں پر پہلے شاذ و نادر ہی اُنکو کبھی مبذول کیا گیا ہوگا۔ ہم نے کئی ایسی چیزیں دیکھیں جو بہت کم اجنبیوں کو دیکھنی کبہی نصیب ہوئی تہیں۔ اور اکثر کو نہایت ہی اطمینان کے ساتھہ خوب سیر ہو کر دیکھا۔ کیونکہ پورے تین مہینوں کی اقامت کے دوران میں محلسرائے ہمایون کا ایک اڈیکانگ ہماری ساتھہ رہا۔ اور اُسکی سرکاری درباری وردی کی طفیل ہم کو کئی ایسے مقامات میں گذر اور دخل نصیب ہو گیا جہاں اُسکے بغیر خواہ ہم کتنی رقم انعام و بخشش پر خرچ کرتے ہم کو ایک قدم بھی نہ رکھنا ملتا۔ یاور کی ہمراہ ہونے کی وجہ سے ہم کو استنبول کے پُر ہجوم بازاروں میں سے گذرتے وقت اور مساجد یا سلطنت قیاصرہ کی پُرانی اور متروک الاستعمال عمارات اور یادگاروں کو جاتے ہوئے ذرہ بہر خطرہ محسوس نہیں ہوتا تہا۔ ہم اس سیاحت و اقامت سے ایسی خوش آئے کہ روانگی کے وقت ہم نے پہر بھی وہاں جانیکا ارادہ کر لیا تہا۔ اور اس امر کی ہمیں سخت تمنا اور خواہش رہی۔ مگر افسوس پچہلے برس کے واقعات سے اب اُس تمنا کے پورے ہونیکے

لہ مسس میکس مولر صاحبہ جو انگلستان کے مشہور و معروف پروفیسر اور ماہر علوم والسنہ مشرقی مسٹر میکس مولر کی زوجہ محترمہ ہیں ان واقعات سے ارمنیوں کی بغاوت اور قسطنطنیہ میں اُنکے پے درپے فسادوں کا بہ پردازی سے

بہت کم آثار دکھائی دیتے ہیں۔ نہ اب یہی توقع ہو سکتی ہے کہ جس غرض سے یہ خطوط لکھے گئے تھے۔ وہ حاصل ہو سکیگی۔ اور اُن کو پڑھ کر اَوروں کو بھی رخصت یا فراغت کے دن یا سفر میں کی تعطیلات آب وہوا اور دلفریب منظروں میں بسر کرنیکی ترغیب ہوگی۔

ان خطوط میں سے چند ایک جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو جائیگا میرے خاوند کے لکھے ہوئے ہیں۔

(جارج جینیا سکیس ہوالہ دسمبر ۱۸۹۶ء)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۔ مراد لے رہی ہیں لیکن ہم حیران ہوں کہ اُن جیسی قابل اور منصف مزاج عورت ان واقعات سے یہ نتیجہ کس طرح اخذ کر رہی ہے۔ اگر اُنکا یہ منشا ہے کہ ان فسادوں سے ظاہر ہو گیا ہے کہ قسطنطنیہ میں جان و مال کی حفاظت کا اندیشہ ہے۔ اور اسلئے وہ یا اور لوگ وہاں جانے سے خوف کرنے لگ گئے ہیں۔ تو شاید بہت کم لوگ اُن سے اتفاق رائے کرینگے۔ آرمنیوں کا فساد ایک اتفاقیہ معاملہ تھا۔ اور یورپ کا کوئی ایسا دارالخلافہ نہیں۔ جہاں مفسدہ مذکورہ سے بڑھ کر سخت اور قسطنطنیہ کی نسبت بہت زیادہ بلوے اور ہنگامے ہر سال نہ ہوا کرتے ہوں۔ اور اگر وہ انگریزی اخبارات کی تحریروں کو درست تسلیم کر کے ترکوں کی متعصب مزاجی اور عیسائیوں کے خون کے پیاسا ہونیکا اتہام یقین کر بیٹھی ہیں اور قسطنطنیہ میں ارمنیوں کے قتل عام کی مبالغہ آمیز خبروں کو انہوں نے درست سمجھ کر پھر قسطنطنیہ جانیکا ارادہ فسخ کر دیا ہے تو یہ امر بھی انکی وسیع الخیالی اور نصفت پسندی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ انہی مبالغہ آمیز خبروں کے مشتہر کنندہ اخبارات سے اُنکو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ کم و بیش جو سزا دیگئی وہ ارمنیوں ہی کو دی گئی تھی۔ کسی اور فرنگی یا دیسی عیسائی کو مسلمان رعایا یا حکومت نے میلی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ اُن فسادوں سے پہلے یا بعد دارالخلافہ یا صوبجات میں اُن کو کبھی ذرہ بھر تکلیف پہونچائی گئی ہے۔ ناظرین اس سے یہ خیال نہ کریں کہ ہمنے قسطنطنیہ میں اجنبی لوگوں کی آمد و رفت بغرض سیر و تفریح کے بند ہو جانے کو حکومت کے لئے مضر سمجھ کر مسز سکیس ہول کی تحریر سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔ اسکے برعکس ہماری ذاتی رائے ہے کہ ترکی میں بہت سی خرابیاں انہی اجنبی نو واردین کے حصہ کثیر کی بدولت ظہور میں آتی ہیں۔ اور انکی آمد و رفت میں جسقدر کمی ہو۔ اُسی قدر ترکی کو اُتنا زیادہ مشکور ہونا چاہئے۔ مگر اسکے ساتھ ہی کوئی منصف مزاج یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ وہاں کی حکومت یا انتظام یا رعایا کے بہت بڑے حصے پر بیجا بہتان یا الزام لگایا جاوے اور وہ اُسکی تردید یا تکذیب کی کوشش نہ کرے۔ خواہ وہ الزام متذکرہ بالا مضمون میں معاملے کے متعلق ہی ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کیسا ہی صدق کیوں نہ ہو۔ مترجم

قسطنطنیہ میں ورود

مئی کا مہینہ تھا۔ اور ہمارا جہاز بحیرۂ مارمورا سے چلا جا رہا تھا کہ صبح کے سات بجے ہماری کوٹھڑی کے دروازہ پر کسی نے آواز دی "اُٹھنے کا وقت آگیا ہے جزائر شہزادگان دکھائی دینے لگ گئے ہیں"۔ اسکو لئے دوبارہ تقاضے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم سنتے ہی جلد جلد کپڑے پہن جہاز کے تختہ پر چڑھ گئے۔ مگر تاریکی اور دُھند کو دیکھ کر ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔ اسکی وجہ سے ہم اُن مشہور جزیروں کو جو استنبول سے ایک گھنٹہ کے دخانی سفر کی مسافت پر بحیرہ مرمرا میں واقع ہیں اچھی طرح نہ دیکھ سکے۔ رات کے سات بجے کے قریب ہم دارڈینلز کے دہانہ پر پہونچتے تھے یوم ماقبل کو جہاز بحیرہ مجمع الجزائر سے گذرا تھا۔ یہہ دن نہایت صاف و دلاویز تھا۔ اور چلتے چلتے ہم کو دور سے کئی جزیروں کا نظارہ ہوگیا تھا۔ جہاز پر ہم گہری شام کیوقت پائیریس (اتھنز دار الخلافہ یونان کا بندرگاہ) سے سوار ہوئے تھے۔ اُس پر بہات بہات کے مسافر پہلے سے سوار تھے جن میں سے بعض بہت ہی عجیب و غریب تھے۔ تختہ زیریں[1] پر البانوی اور مانٹی نگروی وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ یہہ لوگ معاش کی تلاش میں استنبول کو جا رہے تھے۔ اُن میں سے جو متاہل تھے۔ اُن کے عیال بھی ساتھ تھے۔ وہ وحشی مزاج اور غلیظ شکل تھے اور کاتو میں شہر پر سوار ہوتے وقت بڑی احتیاط کے ساتھ اُن سب کے ہتھیار لیلئے گئے تھے (تاکہ جہاز میں آپس میں یا کسی اَور کے ساتھ دنگہ فساد نہ کریں) وہ اپنے بستر سے۔ چٹائیاں اور کھانے پکانے کے برتن ساتھ لائے تھے۔ اور کھانے۔ پینے سونے یا جب اِن تینوں کاموں سے فارغ ہوں تو جوا اور تاش کھیلنے کے سوائے اُن کو اور کوئی کام نہ تھا جنکے پاس تاش کے پیکٹ تھے وہ اُن سے کھیلتے تھے اور باقیماندہ نے کاغذ کے ٹکڑے پھاڑ کر اُن پر ایسی طرح جسکو وہ خود ہی اچھی طرح سمجھ سکتے تھے نشان کرلئے ہوئے تھے اور معلوم ہو رہا تھا کہ یہہ ٹکڑے اُن کو برابر چھپے ہوئے پتوں ایسا کام دے رہے ہیں۔ ہمارے کمرہ اور خزانہ کی درمیانی چوبی دیوار میں دریچے تھے افسران جہاز نے ہم کو خبردار کردیا تھا کہ اُنکو کبھی کھلا چھوڑ کر باہر نہ آیا کریں۔ پہلی رات سخت گرمی ہونیکی وجہ سے میں نے اُنکو سونے کیوقت کھلا رہنے دیا تھا۔ مگر لیمپ گل ہونے سے تھوڑی سی دیر بعد محافظ نے اُنکو آہستگی بند کردیا۔ اول درجہ کے مسافروں نے اُن عجیب الخلقت ہم سفروں کے پاس نیچے جانیکی کبھی کوشش نکی ہم اکثر بالائی چھت پر کٹہرے کے پاس کھڑے ہو کر اُن کو مختصر سے کھانے کی تمکنت کے ساتھ تمباکو پیتے

[1] معمولی جہازوں میں عموماً دو ڈیک یا تختے ہوتے ہیں۔ ایک بالائی یعنی چھت۔ دوسرا زیریں جسے خزانہ بھی کہتے ہیں۔ یہہ عموماً درمیانی حصہ ہوتا ہے۔ مترجم

ہوئے تاش وغیرہ کھیلتے یا اپنے ملک کے دلیرانہ راگ گاتے ہوئے دیکھتے رہتے۔ جن وہاں یا دسترخوانوں میں وہ اپنے کھانے کی چیزیں جو لیکے پاس لیجاتے تھے وہ نہایت ہی غلیظ اور گندے ہوتے تھے عورتیں الگ بیٹھی ہوئی بچوں کو بہلایا کرتی تہیں۔ انکے چہروں پر بھی مردوں سے کچھ کم وحشت نہ برستی تھی۔ خیر ہم پائیرس سے روانہ ہوئے۔ فرانسیسی بیڑہ بندر مذکور کے قریب لنگرزن تہا۔ اور اسکے کمانیر نے شاہ و ملکۂ یونان کی دعوت کی تہی۔ چنانچہ رات پڑتے ہی بیڑہ کے تمام جہازوں پر چراغاں کیگئی۔ انکی روشنی نے سمندر کے شفاف پانی پر عجب دلفریب سماں باندھدیا تہا۔ اور جب ہمارے جہاز نے حرکت کی تو ہم رات کی تاریکی میں عرصہ تک انکا نظارہ کرتے رہے۔ جہاز پر ہمارے فرزند کا ایک یونانی دوست بھی سوار تہا۔ وہ قسطنطنیہ کے محلہ پیرا میں سوداگری کرتا ہے۔ اسکی بیوی اور بیٹیاں بھی ساتھ تہیں۔ بعد ازاں پیرا اور تہراپیا کی اقامت کے دوران میں ہم نے انکی صحبت میں کئی مرتبہ چند چند گھنٹے نہایت لطف سے بسر کئے۔

جزائر شہزادگان تعداد میں نو ہیں۔ بائی زنطینی قیاصرہ اُن کو بہت پسند کرتے تہے اور تفریح و آرام کیلئے اکثر اُن میں آکر رہائش کیا کرتے تہے اسی سے انکا یہہ نام پڑگیا۔ چار میں ابہی تک آبادی ہے باقی غیر آباد چٹان پڑے ہیں۔ گو ان میں سے بھی بعض میں پرانے راہب خانوں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ بڑے چاروں جزیروں میں سے ہر ایک میں کئی یونانی راہب خانے اب بہی موجود اور آباد ہیں۔ ترک ان جزائر کو سرخ جزیرے کہتے ہیں جسکی وجہ تسمیہ یہہ ہے کہ وہاں کے چٹان لوہا بہت زیادہ ہونے سے سرخ رنگ کے ہیں۔ ہم اُن میں سے صرف جزیرہ پلیٹ (ہموار چٹان) کے پاس سے گذرے۔ اُس پر سر ہنری بلور[۱] نے جبکہ وہ قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر تہا اینگلو سیکسن (یعنی زمانہ متوسط کی انگریزی طرز کا قلعہ تعمیر کرایا تہا۔ اور افواہ ہے کہ اُس میں بالکل ترکی پاشاؤں ایسے ٹہاٹہہ اور تزک واحتشام سے رہتا تہا۔ اور کل نوکر چاکر بھی ترک ہی رکھے ہوئے تھے۔ اب یہہ قلعہ تقریباً منہدم ہو گیا ہے اور اسکا بہت تہوڑا حصہ باقی کھڑا ہے۔ سب سے بڑے جزیرہ کا نام پرنکیپو ہے۔ قسطنطنیہ پہونچنے سے چند دن بعد ہم اپنے سفیر کے ساتھ یہاں آئے تہے اور ایک سربرآوردہ یونانی خاندان کے ہاں کہانا تناول

۱؎ یہہ انگریزی مدبر اور مصنف لارڈ لٹن مرحوم سابق گورنر جنرل ہندوستان کا والد ۱۸۵۸ء میں لارڈ سٹریٹ فورڈ ڈی ریڈکلف کے بعد قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر ہوا۔ ۱۸۰۴ء میں پیدا اور ۱۸۷۲ء میں فوت ہوا۔ مترجم

کیا تھا۔ یہہ جزیرہ سمندر سے بالکل سیدھا اٹھا ہوا ہے۔ اور دو پہاڑیوں سے بنا ہوا ہے جنکے درمیان ایک عمیق گھاٹی حایل ہے۔ جزیرہ کے درمیانی حصہ پر صنوبر کے گھنے جنگل موجود ہیں۔ دونوں پہاڑیوں میں سے شمال کی طرف کی ٹہری ہے۔ اسکے گرداگرد خوبصورت سڑک بنی ہوئی ہے جس پر کھڑے ہونے سے ایشیائی ساحل تک سمندر کا خوب نظارہ ہوتا ہے۔ سڑک کی بائیں پہاڑی پر خوبصورت بنگلے بنے ہوئے ہیں جنکے چاروں طرف کمال روح افزا باغات ہیں۔ جو ساحل کی طرف ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ جیسی کثرت گلاب کے پھولوں کی ہمنے ان باغوں میں دیکھی ہے۔ ویسی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ انکی زرخیزی منطقہ معتدلہ کی قوت نمو اور باروری کو تحمل کرتی ہے۔ پرنکیپو کے بعد ہلکی اور انٹی گونی باقی سب سے بڑے جزیرے ہیں۔ ہم ان میں سے کبھی کسی پر نہ اترے۔ لیکن کئی مرتبہ انکے پاس سے گذرنے کا اتفاق ہوا۔ ان پر بھی پرنکیپو کی طرح خوب گھنے جنگل موجود ہیں مگر انکا ساحل نسبتاً زیادہ چٹانی ہے۔ ان سب جزیروں کی آب و ہوا معتدل ہے۔ اور قسطنطنیہ یا تھراپیا کی نسبت آب و ہوا کی اس میں زیادہ یکسانی ہے۔ چنانچہ اگر گرمی جلد پڑنے لگ جائے تو سفرا اور دولتمند شہری محلات کو چھوڑ کر، باسفرس کے کنارہ کے بنگلوں میں جانے سے پیشتر اکثر دن گذارنے کیلئے یہاں کچھ چلے جاتے ہیں کیونکہ اسکے لئے انکو کوئی خاص تردد نہیں کرنا پڑتا۔ غلطہ کے بیرونی دیا پہلے پل اور جزیرہ کے درمیان ہر وقت سٹیمر آتے جاتے رہتے ہیں۔

جزائر شہزادگان کے پاس سے گذرنے کے بعد ہم استنبول کے پہلے نظارہ کو دیکھنے کیلئے بڑے اشتیاق سے منتظر ہو بیٹھے۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں سات پست قامت پہاڑیوں پر جن میں سے ہر ایک کی چوٹی پر شاہی تاج کی طرح مسجد موجود ہے بنے ہوئے بتدریج اٹھتے ہوئے خوبصورت شہر کا بعید ہی نظارہ دکھائی دینے لگ گیا۔ اسکا یہہ نظارہ جسکا اتفاق ہم کو پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ گو ہم نے ایسے وقت کیا جبکہ مطلع مکدر اور موسم غلیظ تھا۔ تاہم اسے دیکھتے ہی ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ جتنے مقام ہم نے اب تک دیکھے ہیں۔ یہہ ان سب سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔ بعد میں اسی نظارے کو اکثر مرتبہ اور مختلف وقتوں میں دیکھ کر ہم نے دل کے ارمان سیر ہو کر نکال لئے۔ دوپہر کی تیز اور چمکتی ہوئی اور سہ پہر کی نرم روشنی میں۔ تاریک رات کو جبکہ صرف مکانات کی بیشمار چراغوں سے شہر کے وجود کا پتہ ملتا تھا۔ اور چاند کی سہانی چاندنی میں جسمیں سب سے بڑھ کر کیفیت حاصل ہوئی اور جو ایسی

[1] بحری فوج کے افسروں کی تعلیم و تربیت کیلئے اس جزیرے میں عالیشان سرکاری کالج ہے جسکے مفصل حالات واقعات روم سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مترجم۔

تہی کہ ایک ایک مکان جدا جدا صاف صاف دکہائی دیتا تہا۔ کوئی وقت ایسا نہ تہا کہ ہم نے اُس میں اِس نظارہ کا لطف نہ اُٹہایا ہو۔ یہہ فخر قسطنطنیہ ہی کو حاصل ہو کہ اُسے کسی وقت اور کسی روشنی میں مرمرا سے دیکہو اُسکے نظارے کی دلفریبی میں کوئی فرق نہیں پڑیگا۔ پست پہاڑیوں کی بتدریج بلندی۔ گوناگوں رنگوں کی آمیزش اور شاندار عمارات ایک دوسرے سے ملکر ایسا مکمل نقشہ بنا رہی ہیں کہ سٹاک ہولم[۱]۔ وینس۔ اور خلیج نیپلز[۲] کی خوبصورتیاں سب ایک ہی جگہ اُس میں مجتمع ہو رہی ہیں۔ دہوپ میں طرح طرح کے رنگ ایسی شوخی سے چمکتے ہیں کہ اُن پر نظر نہیں ٹھہر سکتی۔ نظر ایک مسجد سے دوسری مسجد کو جنکی برف ایسے سفید مینارے کرشیا دہ نیلے آسمان کے مقابلہ پر چوہر مسجد کے متصل قدیم اور متروک الاستعمال مزاروں یا سکوتری (اسکودرہ) پیرا کے پہلی جانب اور پُرانی شہر پناہ سے باہر کے بڑے بڑے شہر ہائے خموشاں میں سیدہے کہڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں اور زیادہ سفید نظر آتے ہیں تیرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ تقریباً تمام تر مکانات کی چہتیں شوخ بادامی رنگ کی دکہائی دیتی ہیں۔ اُنکے دوش بدوش ہر باغ میں بلند صنوبر کے درخت کہڑے ہیں جنکے پتے سبزی میں طوطی کے پروں کی سبزی کو شرمندہ کر رہے ہیں اور ان سب کے اوپر عظیم الشان چہتر کی طرح ایسا صاف شفاف اور نیلگوں آسمان چہایا ہوا ہے کہ چند ہفتوں کی اقامت کے بعد طبیعت خواہ مخواہ محض تغیر و تبدل کیلئے انگلستان کے مکدر اور غلیظ مطلع کیواسطے للچانے لگ جاتی ہے۔

ہم دہند اور کوہر میں سے جو کچہہ نظر آسکتا تہا اُسے آنکہیں پہاڑ پہاڑ کر دیکہہ رہے تہے کہ اتنے میں ہمیں خبر دیگئی کہ انگریزی سفارت خانہ کی دخانی کشتی تیز رفتاری کے ساتہہ جہاز کی طرف چلی آرہی ہے۔ تہوڑی ہی دیر بعد ہمیں بہی وہ نظر آگئی۔ انگریزی علم کی بیرق اُس پر لہرا رہی تہی اور ہمارا بیٹا جو سفارت میں سکرٹری ہے اُس پر سوار تہا۔ جب تک ہمارا جہاز مجلسارا کے گوشہ سے جس پر سفید سنگ مرمر کے مکان اور سر سبز باغ موجود ہیں شہزادہ ہمیں برابر دکہائی دیتی رہی۔ جہاز گولڈن ہارن (خلیج قسطنطنیہ) کے دہانہ پر بیرونی یعنی غلطہ پل کے بائیں جاکر لنگر انداز ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد کشتی اُسکے ساتہہ آلگی۔ اور ہمارا فرزند اوپر چڑہکر

[۱] اٹلی کے شمال مشرقی حصے کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے جو بحیرہ اڈریاٹک کے شمالی گوشہ میں واقع ہے۔ اِس شہر میں سو سے زیادہ چہوٹی چہوٹی نہریں ہیں جو بازاروں کا کام دیتی ہیں۔ اور اُن پر چار سو کے قریب پل بنے ہوئے ہیں۔ یہہ شہر ۴۲۱ء میں تعمیر کیا گیا تہا اور ایک مدت دراز تک یہاں کی جمہوری ریاست کو اقتدار عظیم حاصل رہا۔ [۲] سویڈن کا دار الخلافہ۔ یہہ شہر متعدد جزیروں اور اُس قطعہ پر جہاں جہیل ملار بحیرہ بالٹک کی ایک کہاڑی سے ملتی ہے بنا ہوا ہے اسکا اکثر حصہ پلوں یا پولوں اور پشتوں پر بنا ہوا ہے۔ آبادی دو لاکہہ کے قریب ہے۔

[illegible]

اس چہل پہل کا مزا لینے میں جو ہمارے اردگرد ہو رہی تھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ ہماری داہنی طرف غلطہ و پیرا کے محلے۔ باسفرس کا دہانہ اور سقوطرے تھے جو اسکے دوسرے ساحل پر واقع ہے۔ بائیں طرف محلسرا کا گوشہ اور تمام پرانا استنبول تھا۔ اور سامنے گولڈن ہارن خشکی کے اندر دور تک چشمہ ہائے شیریں تک چلی گئی تھی گو اسوقت وہ غلاطہ پل کی وجہ سے ہماری نظروں سے پوشیدہ تھی۔ قدیم زمانہ میں جنگی جہازوں کو داخل ہونے سے روکنے کیلئے اسی گولڈن ہارن کے دہانہ پر بڑی موٹی آہنی زنجیر پھیلا دیجاتی تھی۔ سینکڑوں چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور قائقیں (ترکی سبک کشتی) جہاز کو گھیرے ہوئے تھیں۔ اور ملاح مسافروں کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے یورپ اور ایشیا کی بہات بہات کی بولیوں میں چیخ چلا رہے اور گلے پھاڑ رہے تھے۔ سب سے اول وحشی البانوی اور سانٹی ہینگر جہاز سے نیچے اترے۔ اور بستروں اور چٹائیوں سمیت کشتیوں پر سوار ہو گئے۔ کئی مسافروں کو کُک اور کمپنیوں کے ایجنٹ جہاز پر آکر اپنے ہمراہ پرمٹ خانہ کو لیگئے۔ اور جو مسافر شہر کے باشندے تھے اُن میں سے اکثر اپنی اپنی قائقوں پر سوار ہو گئے۔ سفارت کے ایک قواص نے ہمارے اسباب کو احتیاط کے ساتھ جلد جلد کشتی میں رکھوا دیا جسکو سفارت خانہ کی کشتی ہونیکی وجہ سے پرمٹ خانہ جاکر اسباب کا محصول ادا کرنیکی ضرورت[1] نہ تھی۔ یہہ ایسی بڑی عزت تھی کہ ہم اپنے دلوں میں پھولے نہ سماتے تھے۔ اور بزعم خود سب مسافروں سے بڑے آدمی بنے ہوئے تھے۔ مسافروں کا تماشا دیکھنے کے لئے ہم سب سے پیچھے جہاز سے رخصت ہوئے۔ کشتی پر سوار ہو کر جسے اہالی پیرا "موشتی" پکارتے ہیں ہم توپخانہ عامرہ کی گھاٹ کی طرف جو گوشۂ محلسرا کے مقابل کے ساحل پر اس موقع پر جہاں خلیج باسفرس سے اور باسفرس مرمرا سے ملتی ہے بنی ہوئی ہے چلدیئے۔ ہمارے مقابل باسفرس سے پرے سقوطرے نظر آرہا تھا جسکو دیکھتے ہی ہمیں محاربہ کریمیا اور کئی پرانے دوست جو اس محاربہ میں اپنے ملک پر فدا ہو کر سقوطرے کے دلکش انگریزی قبرستان میں دائمی نیند سو رہے تھے یاد آ گئے۔ کشتی سے خشکی پر اتر کر ہم گاڑی میں جس کے آگے دو چھوٹے چھوٹے عربی گھوڑے جتے ہوئے تھے سوار ہو گئے اور قواص کو اسباب اٹھوا لانیکے لئے پیچھے چھوڑ گئے۔ گاڑی توپخانہ کے خوبصورت فوارہ کے پاس سے گذر کر جسکی جالیدار عمارت اور بیل بوٹے سفید

---

[1] عثمانیہ گورنمنٹ نے اسلامی یا ایشیائی دریا دلی سے کام لیکر ان تمام اسباب و اشیاء کا محصول درآمد معاف کر رکھا تھا جو دول اجنبیہ کے سفراء اور متعلقین کیلئے باہر سے آئیں۔ سفراء کے ساتھ غالباً کسی اور ملک میں یہہ رعایت نہیں کیجاتی مگر شکر ہونیکی بجائے اکثر قونصل اور سفیر اس رعایت سے بیجا فائدہ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مترجم

سنگ مرمر کے ہیں۔ ینی چارشی کے فراخ و خوبصورت بازار کو اور وہاں سے پیرا کے بڑے بازار کی طرف ہو گئی۔ بہادر ننھے ٹٹوؤں سے گھوڑے بلند بازار پر تیز رفتار کے ساتھ چڑھ گئے۔ اُن کو راستہ میں بار بار سوئے ہوئے کتوں سے بچنے کیلئے اِدھر اُدھر ہونا پڑتا تھا۔ سارا بازار کتوں سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی سوتے تھے اور باقی اِدھر اُدھر بدروؤں اور موریوں میں سے اپنی غذا ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اُن کی شکلوں سے معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ کے ہاتھوں وہ چنداں خوش نہیں ہیں۔ اور بصد مشکل شکم پری کرتے ہیں چہرے بھوک سے ایسے سکڑے ہوئے تھے کہ کتوں کی بجائے وہ زیادہ تر بھیڑیوں سے مشابہ معلوم ہوتے تھے۔ مجھے دوران اقامت اِن کتوں سے بتدریج ایک طرح کا اُنس سا ہو گیا۔ ہمارے ہوٹل کے قریب کے چوک میں تیرہ کتے رہتے تھے۔ میں اُن سب سے واقف ہو گئی تھی اور ہر صبح اُن کو فرداً فرداً رات کی آوارہ گردی اور قزاقانہ مہموں سے واپس آتا ہوا دیکھا کرتی تھی۔ یہہ بالعموم دن سوتے میں بسر کرتے ہیں۔ اور جو شخص اُنکے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آئے اُسکے ہمیشہ ممنون اور شکر گذار رہتے ہیں اِن کا اصلی رنگ تو ہلکا سا زرد تھا۔ مگر اب سیاہ۔ سفید اور زرد رنگوں کی جس قدر آمیزشیں ممکن ہیں وہ سب اُن میں دکھائی دیتی ہیں۔ اُن کے پلے بھی جو بازاروں میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ نہایت شوخ بیباک اور پورے آوارہ گرد ہوتے ہیں۔

ینی چارشی کی چوٹی سے ہم پیرا کے بڑے بازار کو مڑ گئے۔ قسطنطنیہ کی بہترین دوکانیں اور اکثر سفارت خانے اسی بازار میں ہیں۔ ہم بازار کے اندر جانے کی بجائے عرضاً اُس میں سے گذر کر بائیں طرف کو مڑ گئے اور اپنی سفارت کے پھاٹک اور دیوار کے پاس سے گذر کر اُس ہوٹل میں پہونچ گئے۔ جہاں ہمارے لڑکے نے ہمارے لئے کمرے لے رکھے تھے۔ ان کمروں میں سے جو ہماری نشستگاہ کا کام دیتا تھا۔ اُس سے ایسا وسیع اور دلآویز نظارہ دکھائی دیتا تھا کہ اُسکا عشر عشیر بھی بیان کرنا مشکل ہے۔ اُسکے نیچے گولڈن ہارن اور سامنے استنبول تھا۔ گولڈن ہارن کا اندرونی پل کھڑکیوں کے نیچے کسی قدر فاصلہ پر جھلک رہا تھا۔ اور اُس سے اوپر خلیج میں دس یا بارہ خوشنما آہن پوش لنگر انداز تھے۔ یہہ برسوں سے وہیں پڑے تھے اور ایک دفعہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے تھے۔ کہا جاتا ہے وہ ایسے بوسیدہ ہو گئے ہیں کہ اگر اُن کو حرکت دیجائے تو فوراً سمندر کی تہ میں چلے جائیں۔ ایک انگریز نے جو عثمانیہ بحری فوج میں امیر البحر ہے مجھ سے ذکر کیا کہ اُسے کبھی ان جہازوں میں سے کسی پر جانیکی اجازت نہیں دیگئی۔ میرا خیال ہے اُسے غالباً اس اندیشہ سے نہیں

جانے دیا جاتا کہ وہ اُنکی بوسیدہ حالت پر ضرور سپورٹ کر دیگا[۱]۔ بائیں جانب ہم کو وہاں سے محلسرا کا گوشہ
واقع بر دہانہ خلیج۔ اور گرجا سینٹ آئرین و ایا صوفیا جو اُس سے پیچھے ہیں۔ دکھائی دیتے تھے۔ ہمارے واسطے
ساحل پر چین دریچوں کے نیچے فرانسیسی قبرستان تھا جو اب عرصہ سے متروک الاستعمال ہے اور اکثر ترکی
مدفنوں سے بھی زیادہ خراب و خستہ حال ہو رہا ہے۔ اُس سے ایک ڈھلوان راستہ خلیج کے ساحل والے بازار کو جو
پیرا کے آباد ترین اور بارونق بازاروں میں سے ہے جا کر غلطہ کے بڑے بازار کو جو قسطنطنیہ کا سب سے بڑا تجارتی
مرکز اور زنجیروں کے ذریعہ سے چلنے والی ریلوے اور ٹرمپوے کے ذریعے سے پیرا سے ملا ہوا ہے نکل جاتا ہے۔
ہماری داہنی طرف ہمارے اور اسلام پل کے درمیان خلیج محلہ ایوب اور وہاں کی مسجد کو بڑھتی چلی جاتی ہے
اِس مسجد میں آج تک کبھی کوئی عیسائی داخل نہیں ہو سکا۔ اور غازی عثمان بانی خاندان عثمانیہ کی تلوار
جو ہر سلطان کو تخت نشینی کے وقت باندھی جاتی ہے۔ اسی مسجد میں بحفاظت رکھی رہتی ہے۔ شمشیر بندی
کی رسم جو ہمارے عیسائی پادشاہوں کی رسم تاج پوشی کے مساوی ہے حال کمیلنو والے درویش ادا کرتے
ہیں۔ گولڈن ہارن چشمہ ہائے شیریں۔ محلسرائے۔ ایا صوفیا اور بازارات۔ ان سب چیزوں کے نام
سنکر ہزاروں باتیں گذشتہ زمانہ کی ہماری نظروں میں پھر گئیں اور ہم سخت بیقرار ہو گئے کہ کب وہ وقت
آتا ہے جبکہ ہم بچشم خود اِس خوبصورت شہر کی یادگاروں کا جو ہمارے سامنے پھیلا ہوا ہے۔ اچھی
طرح مشاہدہ کرینگے۔

---

۱ اِس بارہ میں مَیں مسٹر سٹیڈ کے اعتراضوں کے جواب میں کتاب بست سالہ عہد حکومت اور واقعات جرم
میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ اِسلئے یہاں مختصر طور پر یہی بتا دینا کافی سمجھتا ہوں کہ مسٹر سکیس ہول صاحب کا بیان
اِس حد تک بالکل درست ہے کہ اکثر آہن پوش کئی برس سے اپنی جگہ سے متحرک نہیں ہوئے تھے اور کہ عدم استعمال
اور سکون سے اُنکا وہ حصہ جو پانی میں غرق تھا لازمی طور پر بہت کچھ مرمت طلب ہو گیا۔ مگر یہ سہل انگاری یا لاپروائی
عمداً نہ تھی۔ نہ اُنکی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ وہ سمندر میں چلنے کے قابل نہ رہ گئے ہوں جس امر کی تکذیب
کالشمس فی النہار ۱۸۹۷ء کے محاربہ مع یونان سے ہو گئی ہے۔ یہ جہاز پورے نو مہینوں سے سمندر میں حرکت
کر رہے ہیں۔ اور اب تک اُن میں سے کسی نے غرق ہونے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ مگر جیسا کہ مَیں تسلیم کر چکا ہوں مرمت
طلب وہ ضرور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اُس معمولی مرمت کے بعد جو سمندر کو جانے سے پہلے مئی و جون ۱۸۹۷ء میں کی گئی تھی
اب ان میں سے اکثر کی باقاعدہ مرمت بلکہ کلی تجدید کا کام شروع ہو گیا ہے۔ مترجم۔

غلطہ کا پل

میں حیران ہوں کہ وہ لوگ جو ہر سال بہ تعداد کثیر ہاٹن (واقع جرمنی) سوئٹزرلینڈ اور روما کو جاتے ہیں۔ کیوں قسطنطنیہ نہیں جاتے۔ وہاں دو چار دن کے مزید صرف سے وہ باآسانی پہونچ سکتے ہیں۔ جہاں ایک بالکل نئی دنیا اُنکے مشاہدہ میں آئیگی۔ اور وہاں کی آب و ہوا بھی سال کے بعض حصوں میں ایسی عمدہ صحت بخش اور کامل ہوتی ہے کہ ویسی بہت تھوڑی جگہوں کو نصیب ہے؟ روما کے چشمہ ٹریوی ہی۔ اور دریائے نیل کی تعریف میں جو کچھ آجتک لکھا گیا ہے۔ وہ باسفرس کے دریا پر بھی ہو بہو صادق آتا ہے جس نے ایک دفعہ اُنکا نظارہ کر لیا۔ اُسکا دل ہمیشہ اُدھر ہی کھنچا چلا جاتا ہے۔ اور اُسے یہی تمنا رہتی ہے کہ میں پھر وہاں پہنچوں۔ قسطنطنیہ بذاتہ شاید آرام کی جگہ نہیں ہو سکتی۔ مگر اُن لوگوں کی صحت کی تازگی اور دماغی تفریح کے واسطے جو دماغی محنت سے تھک کر کچھ عرصہ ستانا چاہتے ہوں۔ تھراپیا[1] جیسا کہ خود اُسکے نام سے ظاہر ہوتا ہے نہایت عمدہ اور مناسب مقام ہے۔ قسطنطنیہ کے قریب پہونچنے اور گولڈن ہارن میں داخل ہونے کے وقت کا نظارہ ہزاروں جادو بیان تحریر کر چکے ہیں۔ تاہم میں یہہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ جو عظیم الشان نقشہ باسفرس میں داخل ہونے پر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اُسے نہ کوئی قلم بیان کر سکتی ہے نہ کوئی مصور اُسکا خاکہ اُتار سکتا ہے۔ یہہ درست ہے کہ اِس پرستانی نظارہ کی پوری کیفیت صرف دھوپ ہی میں نظر آسکتی ہے۔ لیکن دھوپ اِس نواح میں کوئی نادر شئے نہیں۔ مئی مہینہ سے بعد موسم عموماً خوشگوار اور بحیرۂ مرمرا طلائی کرنوں سے جگمگاتا رہتا ہے۔ مساجد کے سنہری گنبد۔ سفید موم بتیوں ایسے سیدھے اور شفاف مینار جو ہر مسجد کے گرد موجود ہیں۔ بیشمار قصروں اور محلات کی سفید سنگ مرمر سے بنی ہوئی چمکدار پیشانیاں۔ شہر کی مکانوں کی بادامی رنگت کی چھتیں اور پیلی رنگ کے چوبی جھروکے سمندر پر جھکے ہوئے۔ ان مکانوں کے اردگرد کے سیاہ سرو بھی۔ اور آبنائے کے دونوں سواحل کی پہاڑیوں کے تر و تازہ سبزہ کنج اور بالآخر خود دریا بذاتہ نقرئی دھاریوں والے نیلگوں ساٹن کے رومال کی طرح بچھا ہوا۔ اور ہر رنگ کے بادبانوں سے از اول تا آخر بھرا ہوا۔ یہہ سب باتیں ملکر ایسی عالیشان تصویر بنا دیتی ہیں جنکی دنیا میں

[1] قسطنطنیہ کا مضافاتی موضع جو باسفرس کے یورپین ساحل پر پیرا اور تو یوک دره کے درمیان واقع ہے اکثر سفرائے موسم گرما میں وہاں رہتے ہیں جنکی رہائش کیلئے وہاں عالیشان محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔

غلطہ کے مشہور پل پر پہلا قدم دہرتے ہی انسان متحیر رہ جاتا ہے کہ یہاں کا نقشہ تو ہمارے گمان و خیال سے بھی بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ سیاح کو وہاں دنیا کی کل اقوام کے نمونے دیکھنے کی توقع ہوتی ہے۔ اور اوسکی ہر توقع درست ثابت ہوتی ہے۔ اوس طرح نہیں جیسے کہ تھیٹر کی سٹیج پر سوانگ بھر کر دکھائے جاتے ہیں۔ بلکہ تمام ممالک کے واقعی اور سچ مچ کے باشندے۔ جو پل پر اس طرح سے پلٹ آتے ہیں کہ گویا بابل کا مینارہ ہی گرا ہے۔ اور یہ مخلوق شمار کے میدان سے امڈی چلی آ رہی ہے۔

وہاں (لندن یا پیرس کی طرح) ساری نسل سے صرف ہر ایک قسم کے تھوڑے ہی نظر نہیں آتے۔ بلکہ سجیلے مضبوط اور چست و چالاک عرب بھی جنکے خط و خال واضح اور ناک کا انداز متکبرانہ ہے۔ اپنے موٹے جھوٹے سفید یا خاکی جبے پہنے ہوئے عموماً برہنہ پا اور سروں پر سفید ململ کے عمامے باندھے ہوئے۔ افریقہ کی تبکلی کے تمام نمونوں کے حبشی اور حبشنیں حتی کہ گول چہروں، چھوٹی آنکھوں اور بے معلوم سی ناک والے اصل منگولی قوم کے آدمیوں کا وجود بھی وہاں ناپید نہیں۔ یہ لوگ نسبتاً بیشک بہت کم ہیں۔ تاہم زرد فام دراز چوٹی والے جو صرف آسمانی بادشاہت (چین) یا جزائر ملایا ہی کے باشندے ہو سکتے ہیں۔ کہیں کہیں برابر دکھائی دیجاتے ہیں۔ آریا نسل کے ایشیائی اور یورپین دونوں اقسام کے نمونوں کی تو کوئی کمی ہی نہیں۔ ان میں سب سے نمایاں سفید شلوار اور سنہری حاشیہ دار واسکٹ کے پہننے والے خوبصورت یونانی۔ گہیرے دار جبوں اور سیاہ ٹوپیوں کے شایق ایرانی۔ قدیم پوشاک بھیڑ کی کھال کی پوستینیں پہننے والے البانوی اور ارمینیا کے گروہ در گروہ ہیں جو عموماً تنگ لباس اور سرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوتا۔ یہ بانکے ٹیڑھے اور وحشی مزاج پیش قبض لگائے سینہ پر کارتوسوں کو جمائے اور تلوار کو پٹکے سے لٹکائے کون جا رہے ہیں؟ یہ چرکس ہیں۔ دنیا کے تمام حصص کے درویش لمبی خاکی کلاہیں سروں پر رکھے ہوئے۔ اور ہندوستان و بخارا کے باشندے ان سب کا دریا دونوں طرف ترکوں کے دل بادل سے جو کم و بیش اپنی قومی پوشاک مگر سرخ فس بالالتزام پہنے ہیں بہتا چلا جا رہا ہے۔ راہروؤں میں عورتیں بھی ہیں اور سیاح کی توقع سے زیادہ جو مردوں کے جم غفیر سے بیخوف و خطر پل پر سے گذری چلی جا رہی ہیں۔ اونکی پوشاکوں کے سرخ، سبز، نیلگوں، ارغوانی اور سفید اور شوخ اور چمکدار رنگ تو سب کو نظر آ رہے ہیں۔ مگر سیاہ آنکھوں کے سوائے جو اونکے باریک و

شفاف نقاب کی تہوں میں سے چمک رہی ہیں اُنکے چہروں کا باقی حصہ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے۔ ریشیائیوں کے چہرہ کا بہترین حصہ بھی عموماً یہی سیاہ آنکھیں ہوتی ہیں۔ نزدیک سے شفاف نقاب میں سے چہرہ کو بغور دیکھا جائے تو چہرہ کو دیکھ کر طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اور جس حسن خوبصورتی کی توقع ہوتی ہے اُسکا نام و نشان نہیں[1] پایا جاتا۔ ترکی۔ ایرانی۔ یونانی اور چرکس عورتیں اپنی بدشکل جبوں اور سایوں کی رنگوں کی شوخی دوسروں سے بڑھانے میں جنکو فرجہ پکارا جاتا ہے ضد بضد کوشش کرتی ہیں۔ اکثر یشمک یا نقاب پہنتی ہیں اور بعض اپنے چہروں کو سفید گاچ کی تہوں سے اس طرح لپیٹ لیتی ہیں کہ گویا دانتوں کا علاج کرانیکے لئے معالج امراض دندان کے پاس جا رہی ہیں۔ اونکی رفتار خوش ادا نہیں۔ پیر جوان دونوں ٹھنک ٹھنک کر چلتی ہیں۔ البتہ پیرا کی فرنگن خاتونیں جنہیں سے بعض کی پوشاکیں پیرس کے تازہ ترین نمونہ اور فیشن کے مطابق ہوتی ہیں ویسی ہی سبک خرامی اور خوش ادائی اور تیزی کے ساتھ چلتی ہیں جس طرح اونکی دوسری بہنیں یورپین شہروں کی گول سڑکوں پر چلتی ہیں۔ رہروں کے جمگھٹ میں طرح طرح کے گداگر بھی موجود پائے جاتے ہیں جنکے کپڑوں میں کوئی ایسا رنگ نہیں جس رنگ کا چیتھڑا نہ لگا ہو۔ اور اگر سارے کپڑے کا رنگ سفید ہو تو اوس کے بھی چیتھڑے لٹک رہے ہیں۔ ان بوسیدہ کپڑوں کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ اون کو اُتارتے اور پہنتے کیونکر ہیں۔ میرا خیال ہے وہ کبھی ایسا کرتے ہی نہیں۔ گو اون کا مذہب (یعنی اسلام) دن میں ایک دفعہ کامل (پورا[2] غسل) اور چار دفعہ جزوی غسل (وضو سے مراد ہے) کا حکم دیتا ہے۔

غلطہ کے پُل پر ہر وقت چہل پہل رہتی ہے۔ شور و غل کبھی بند نہیں ہوتا۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو خلیج کے اس طرف یا دوسری طرف یعنی پیرا یا استنبول میں بہت ہی ضروری کام ہے۔ لوگ اندھا دُھند قدم اُٹھائے اور ایک دوسرے کو کندھوں سے اِدھر اُدھر دباتے چلے جاتے ہیں حتی کہ متین و ثقہ ترکوں کو

---

[1] ایشیائی پروفیسر صاحب کے اس بیان سے برافروختہ نہ ہوں۔ ہر ایک قوم کا مذاق اور حسن کا معیار جُدا جُدا ہے۔ یہ بعینہ وہی بات ہے جس طرح ہم لوگوں کو اون لعبتان فرنگ سے جو دور سے اندر کے اکھاڑے کی پریاں معلوم ہوتی ہیں نزدیک سے دیکھنے پر ۹۹ فیصدی چڑیلوں سے ہی بدشکل نظر آتی ہیں۔ مترجم

[2] مسلمان ناظرین کو اس بارہ میں پروفیسر صاحب کی غلط فہمی بتانیکی کوئی ضرورت نہیں۔ اون کو بخوبی معلوم ہے کہ یومیہ غسل کیسا ہی مستحسن اور مستحب ہے مگر سوائے خاص خاص صورتوں کے یومیہ غسل مسلمانوں پر فرض یا واجب نہیں ہے۔ مترجم۔

بہی اِس سیلاب کی رو بہت اگر وہی رفتار اختیار کرنی پڑجاتی ہی۔ گداگروں جیب کتروں اور راہنماؤں سے جو نوواردکو دیکہہ کر اوتن جہپٹ جاتے ہیں باخبر رہنا لازم ہی۔ گاڑیاں اور گہوڑے بہی بکثرت پُر اوپر پُل پر سے گذرتے جاتے ہیں اور وہ اون کے بوجہہ سی لرزا اور آہستہ ٹہہر رہا ہی۔ اُدہر دوسری طرف سٹیمر برابر چیختی رہتے جب تک کہ راہ گیر پُل سے نہ گذر جائے اسکو باغ چاہتی رہتے اور نہایت ہی سخت غلیظ دہواں چہوڑ کر اونکی انکہوں کو نقصان پہونچاتے رہتے ہیں۔ ہر پیدل کو آدہہ آنہ اور ہر گاڑی کو پانچ آنہ محصول بسر جسری اداکرنا پڑتا ہی بوسیہ آمدنی اس محصول سی چارسو پونڈ تک کی ہوتی ہی۔ ترکی پونڈ سوا اٹہارہ شلنگ کا ہوتا ہی۔

قسطنطنیہ کو دیکہتے ہی انسان کو اوسکی جانداری کا یقین ہوجاتا ہی۔ اور اُسے معلوم ہوجاتا ہی کہ بیزنطیا سطی کا اُجڑا ہوا اُنسر عظیم (قسطنطنیہ کا ابتدائی نام) ابا بیر فرنق قصبہ نہیں ہی۔ وہ دُنیا کے خوبصورت ترین قطعات میں سے ہی۔ نصف ایشیائی اور نصف یورپین اور کل دُنیا کی تجارت کیلئے بہترین منڈی ہی۔ ترک اوس پر جتنا ناز کریں بجا ہی۔ اور اگر اون کے ہمسائے اوسے بہی تحفہ کا باغ سمجہہ کر اوس پر نگاہ رکہے ہوئے ہیں تو اس سے اونکو متعجب نہ ہونا چاہئے قسطنطنیہ چیز ہی ایسی ہی جسے دیکہہ کر بے اختیار ہر ایک سلطنت کے منہہ سی رال ٹپک پڑتی ہے۔ ترکوں کو لاکہہ "مرد بیمار" کہو۔ اس بات کی بیشمار علامتیں موجود ہیں کہ ترک ابہی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکہتے اور جو کوئی اون کو نگلنے کا خواہشمند ہو اوس کا حلق اون کو نرم نوالہ کی بجائے خشک ہڈی سے بہی سخت پائیگا۔ خالص ترک برابر مضبوط اور ثابت قدم ہیں۔ اور جس کو وہ چارسو برس سی زیادہ عرصہ کا اپنا یکار رہے ہیں اوس کو حوالہ کرنے سی پہلے آخری دم تک جان توڑ کر لڑنے کا عزم بالجزم رکہتے ہیں۔ ترکوں کے خصایل سے واقف ہونا اور اونکے اوصاف اور نقصوں کو معلوم کرنا مشکل کام ہی۔ مَیں اون لوگوں کی شوخ چشمی پر اکثر متحیر ہوتا ہوں جو دس لاکہہ میں سے صرف ایک شخص کے ساتہہ رابطہ ہو جانے پر اوسی سے کل قوم کے عام کیرکٹر اور خصایل کو قیاس کر کے اپنا قیاس دُنیا میں مشتہر کر دیتے ہیں۔ مَیں بہی یہی استقرائی غلطی کرنی نہیں چاہتا۔ مَیں نے جو کچہہ ترکوں کی نسبت کہا ہی۔ وہ صرف اونہی معدودے چند آدمیوں پر صادق آتا ہی جن سی قسطنطنیہ کی اپنی مختصر سی اقامت میں میری ملاقات ہوئی۔ یہہ کام میں دوسروں پر چہوڑتا ہوں کہ اگر چاہیں تو وہ خود میری تحریر کے دایرہ کو وسیع کر کے عام قاعدہ وضع کرلیں۔ علاوہ بریں جہاں تک مجہے ذاتی تجربہ کرنیکا موقع ملا ہی۔ مَیں نے یہی پایا کہ ترک اجنبیوں سے ہرگز لمبی چوڑی باتیں کرنا یا اونکو اپنے خیالات یا راز بتانا نہیں چاہتے۔ اور یہہ تو ظاہر ہے کہ اونکی خانگی طرز معاشرت تو ہماری نظروں سے

بالکل ہی پنہاں ہی۔ تاہم بات یہہ ہی کہ بارونق اور بہرے ہوئے بازاروں میں بھی انسان اونکی نقاہت
اور متانت کو کبھی نظرانداز نہیں کرسکتا۔ نووارد بھی اکثر یہہ مشاہدہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ غریب ترین
ترک بھی اپنی اولاد سے کیسی محبّت کرتا ہے۔ فقیروں کو خیرات کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ اور
بے زبانوں کے ساتھہ کیسی شفقت سے پیش آتا ہی جیسی نرمدلی سے قسطنطنیہ میں کتوں کے ساتھہ برتا جاتا
دنیا کے کسی قصبہ میں نہیں ہوسکتا۔ ورنہ کتّے بھی ویسے ایذارساں اور خونخوار نہیں جیسا اکثر سیاحوں نے
جو چند دنوں کیلئے ہوتے ہوئے قسطنطنیہ پہونچ گئے اون کو ظاہر کیا ہی۔ انہوں نے شہر کو اپنے درمیان تقسیم کر
رکہا ہی۔ اور ہرایک گلی یا اوسکے حصّہ کو پانچ۔ دس یا بیس کی ٹولی اپنا ملک سمجھتی ہی۔ اگر کوئی اجنبی کتّا۔
خاصکر اگر وہ یورپین اور خوب صاف ستہرا ہو کسی محلہ میں داخل ہوگیا تو سمجھو اوسکی شامت آگئی قدیم
روما کی طرح وہ ہر اجنبی کو دشمن تصور کرتے اور اوسکے ساتھہ ویسا ہی برتاؤ کرتے ہیں اسکے سوا یہہ اور طرح سے بھی کتّے
نہایت شریف۔ امن پسند اور کمال شکرگذار حیوان ہیں جس نے اون کو کبھی ہڈی کا ٹکڑا پھینکا ہو یا
کوئی اور مہربانی کی ہو۔ اوسکا احسان کبھی فراموش نہیں کرتے۔ اونکی مذمت میں اب تک جو کچھہ لکھا گیا
ہی وہ غلط ہو یا صحیح۔ اون میں یہہ وصف تو بالضرور موجود ہی کہ جب انہوں نے کبھی انسان کا شکریہ ادا کرنا ہو تو
بعینہ دوسرے کتوں کی طرح دُم کو ہلاتے ہیں۔ اپنے مالک ترکوں کی طرح وہ بھی تقدیر کے قایل معلوم ہوتے
ہیں۔ بازاروں میں لیٹے ہوئے ہیں۔ اور گاڑی بالکل پاس سے گذر رہی ہی۔ مگر اُٹھہ کر پرے ہوجانیکا
نام نہیں لیتے۔ اگر کا قضا کبھی پہیہ اونکے اوپر سے بھی گذر جائے تو ایک دفعہ درد نعرہ مار کر راضی
برضا ہوجاتے ہیں۔ کوچبان گو گاڑیوں کو سرپٹ دوڑاتے ہیں۔ مگر خواہ بیچارے کتوں کو بے آرام نہ
کرنے کیلئے پوری کوشش کرتے ہیں اور گاڑی کو ایک طرف کرلیتے ہیں کہ اُنکو اور انکی کثیر التعداد
کنبے (پلّوں) کو ایذا نہ پہونچے۔ مجھہ سے کسی نے ذکر کیا کہ چند برس ہوئے سخت جاڑا پڑنے پر بلقان کے بھیڑیے
بھوک سے لاچار ہوکر میدانوں کو اُتر آئے اور شہر کے قریب پہونچ گئے۔ اس پر شہر کے تمام کتّے باہمی جھگڑوں
اور مقامی تنازعوں کو فراموش کرکے متفق ہوگئے اور بھیڑیوں کے ساتھہ لڑائی کرنیکے لئے سینکڑوں
کی تعداد میں شہر سے باہر جاکر اتنے حملہ آوروں کو قتل کیا کہ باقیماندہ اپنی اصلی پہاڑی مسکنوں کو دم
دباکر بھاگ گئے۔ اور فاتح و منصور واپس آکر ہرجماعت پہر اپنے اپنے محلوں میں چلی گئی اور اتحاد سے پہلے جو
تنازعے تھے وہ پہر اون میں برپا ہوگئے اور کوئی فریق دوسروں کو اپنے محلہ میں گھسنے نہ دیتا۔

شہر کے بازاروں کے فرش عمدہ نہیں۔ علاوہ بریں ٹریموں۔ گاڑیوں اور حمالوں کی وجہ سے
پیدل چلنا آسان کام نہیں ہے۔ اور نہ تیز قدمی کے ساتھ ہی چلا جا سکتا ہے۔ بازاروں میں بہت غل برپا رہتا
عام لوگ بہت بلند بولتے ہیں۔ مگر لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات جسے کبھی
فراموش نہ کرنا چاہیے یہہ ہے کہ بدمست مرد یا عورتیں کہیں نظر نہیں آتیں اور اگر شاذونادر کوئی ایسا شخص
پایا بھی جائے تو یہہ یقین رکھو کہ وہ ترک مرد یا عورت نہیں ہے۔ اسکا جو کچھ مطلب ہو سکتا ہے اوسے وہ
لوگ اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں جنکو یہہ معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں ہر فساد بلکہ تقریباً ہر جرم کا
اصل موجب یہی مے خواری اور بدمستی ہے۔ ایک انگریز بشپ (لاٹ پادری) نے ایک دفعہ اپنی رائے
ظاہر کی تھی کہ مجھے انگلستان کو مجتنب الخمر باعث مجبوری دیکھنے کی نسبت آزاد دیکھکر زیادہ خوشی ہو
ترک مجتنب الخمر باعث مجبوری نہیں اور نہ بشرطیکہ یہہ خبریں درست ہوں کہ اعلیٰ جماعتوں کے بعض افسر شامپین
بلکہ زیادہ تیز شرابیں بالکل آزادی کے ساتھ پیتے ہیں۔ اور ان کو کوئی روک ٹوک نہیں تو اسکے ساتھ
ہی وہ آزاد بھی ہیں۔ اعلیٰ جماعتیں ہر جگہ مستثنیات میں داخل ہیں اور یہی کلیہ ترکی کی ایسی جماعتوں
پر حاوی ہے۔ کل قوم کی نسبت متوسط اور ادنیٰ درجہ کی جماعتوں سے رائے قائم کرنی چاہیے۔ نہ کہ نام
نہاد طبقہ امرا کو دیکھکر۔ یہہ متوسط اور ادنیٰ طبقے۔ جو کہ قوم کی واقعی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں انکو
مے خواری اور بدمستی کی برائی سے محفوظ اور بچے ہوئے ہیں۔ مگر وہ کسی دباؤ یا قانونی تعزیر کے خوف سے نہیں
بلکہ محض اپنی خود مختارانہ مرضی اور اپنے رسول کریم کے فرمان کے لحاظ سے۔

اگر ادنیٰ جماعتوں کے لوگ کبھی شراب کے عادی ہو جائیں تو ترکی میں اس سے جو خرابی پیدا ہو جائے۔ اسکو خیال
کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم اوس تند مزاجی کو جو ترکوں کو اپنے تاتاری اور منگولی اصل
آبا و اجداد سے ورثہ میں ملی ہے اب تک بہت کم نرم کر سکی ہے جب کوئی عیسائی سیاح انکو مساجد میں
جمع دیکھتا ہے تو اوسکے دل میں فوراً وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ممکن ہے کبھی ذرا سے اشتعال پر [illegible]
مجھ پر کود نہ پڑیں۔ مگر یہہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ ترک عیسوی مذہب سے نفرت کرتے ہیں۔ نہیں۔ اسکے
برعکس وہ اس مذہب کا ادب کرتے ہیں۔ اور وہ عیسائیوں سے انکی عیسائی ہونیکی حیثیت سے نہیں بلکہ بلغاری
ارمنی روسی وغیرہ وغیرہ ہونیکی حیثیت سے نفرت کرتے ہیں۔ کسی دوسرے ملک میں غیر مذاہب والے
ترکی کی طرح اعلیٰ ترین عہدوں پر مقرر نہیں کیے جاتے اور نہ غالباً کیے جائیں گے۔ وہاں عیسائی وزیر

ہی نہیں بلکہ ممالک غیر کے سفرا رہی ہیں۔ اور یہہ ظاہر ہے کہ سفرا رکو سلطنت کے نہایت ہی اہم رازلازمی طور پر بتانے پڑتے ہیں۔ یہہ درست ہی کہ جب کوئی شخص قتل ہو چکا ہو۔ اوسوقت یہہ حد مقرر کرنا کہ آیا وہ بحیثیت ایک بلغاری ہونیکی یعنی بلحاظ قومیت قتل کیا گیا ہی یا بحیثیت عیسائی ہونیکے مشکل امر ہے اور نہ بہ تعیین متوفی کے کسی کارآمد ہو سکتی ہے خواہ باعث کچھہ ہو۔ مرنے والا تو مر چکا۔ تاہم جو کچھہ اسبارہ میں میں اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہہ ہی کہ نفرت اور بغض کا اصل باعث قومی عناد ہے نہ کہ مذہبی۔

ترکوں کو بوجہ ہمسائگیت یورپ کی تہذیب سے سابقہ پڑا ہی اور دیکھہ کر ایک حد تک اونکو دماغ متحیر سے تو ہو گئے ہیں اور کبھی کبھی اونہیں رشک بہی ہو جاتا ہی۔ مگر دراصل دل میں وہ اوس کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اونکے اعلی طبقوں میں یورپین تہذیب کا دخل ہو گیا ہی۔ اور تعلیم یافتہ ترک سے بلکہ جیسی طبیعت خوش ہوتی ہے اور کسی دوسرے کی صحبت سے نہیں ہوتی۔ ہم کو یہہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ من حیث القوم ترک یورپین نہیں ہیں۔ اور میرا خیال ہی کہ کبھی نہیں ہونگے۔ وہ جسمانی قوت کے لحاظ سے اور نیز اخلاقاً بہی قابل تعریف زبردست مضبوط اور توانا ہیں۔ اور طبعاً تندخو بہی ہیں۔ اونکی خون کی حرارت اور تیزی انکی ماؤوں کی خون کی آمیزش سے جو اکثر ترکنیں نہیں ہوتیں ممکن ہی ایک درجہ تک کم ہو گئی ہو تاہم باایں ہمہ ترک خوش نہیں معلوم ہوتے۔ وہ یورپ کو اپنا مناسب ٹہکانا سمجھتے معلوم نہیں ہوتے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یورپ کی اقوام ہمکو اجنبی سمجھتی ہیں۔ اور ہم صلیبی لڑائیوں کے زمانہ کی طرح اب بہی صرف یورپ کی عیسائی سلطنتوں کی باہمی رقابت کے طفیل یورپ میں ٹہرے ہوئے ہیں پس جب تک وہ پل جو ایشیا اور یورپ کے درمیان ہی اون کے قبضہ میں ہی وہ اون دہمکیوں کی جو اون کو دیجاتی ہیں جس برابر پرواہ نہیں کرسکتے وہ روسیوں کو بازنطینیم کی پرانی فصیلوں سے ایک گولی کے ٹپہ پر بمقام سین سٹیفانو دیکھہ چکی ہیں جہاں سے وہ اگر انگریزی بیڑہ دارڈونلز سے گذر کر روسی فوج کے غیر محفوظ کیمپ پر آتشباری کی دہمکی نہ دیتا تو قسطنطنیہ پر گولہ باری کر سکتے اور بآسانی تمام ہلہ کرکے اوسے فتح کرسکتے تہی حکمران جماعتوں کا عقیدہ خواہ کچہ ہو مجھے خیال ہی کہ ترکی آبادی کے حصہ کثیر کو ایشیا واپس چلا جانا چنداں ناگوار نہ ہوگا بشرطیکہ اوسے اپنا کل مال و اسباب ساتہہ لیجانے دیا جائے۔ اونکا قدیم مذاق خانہ بدوشی تہا۔ اور اب تک بہی یہہ مذاق اون میں باقی ہے۔ میری رائے میں وہ پشت توسن پر اپنے دیوان خانوں کے گدیلو دار تختوں سے زیادہ

خوش رہیں گی۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہوگیا۔ تو اوسوقت شام۔ آجیلیا۔ اور شاید مصر کا بھی جو کچھہ حشر ہوگا۔ اوس کو قیاس کرنا مشکل کام ہی۔

قسطنطنیہ کے بازاروں کا ایک اور عجیب خاصہ جسکو دیکھکر یورپین سیاح متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ ان میں علانیہ جرایم کا ہی کا کوئی وجود نہیں پائیں گے۔ اور اگر شاذ و نادر کہیں ایسا ہو بھی تو وہ اور اقوام کی عورتیں ہونگی۔ ترکی عورت ایک بھی نہیں ہوگی۔ گداگروں کی البتہ کثرت ہے۔ خاصکر غلطہ پل پر۔ اون میں سے بعض نہایت مکروہ اور غلیظ ہوتے ہیں کبھی کبھی جب پولیس کی دوڑ پڑتی ہے تو وہ تہوڑی دیر کیلئے غایب ہوکر پہر اپنے اپنے پہلے اڈوں پر آکر ڈٹ جاتے ہیں۔

انگلستان کی طرح یہاں بھی لڑکے اور لڑکیوں کے غول کے غول مدرسوں کو جاتے دیکھہ کر طبیعت بہت ہی خوش ہوتی ہی۔ مدرسے ابتدائی ہیں اور سرکاری خرچ سے چلائے جاتے ہیں انہیں سے اکثر سلطان حال کی ہمت کوشش اور تحریک سے قایم ہوئے ہیں۔ جناب ممدوح تخم بو رہے ہیں جسکا پہل دوسرے اوٹہائیں گے۔ پرانے خیال اولو العزم رجحان کے طبقہ علماء نے سرکاری ابتدائی مدارس قایم کئے جانیکی بہت ہی سخت اور زبردست مخالفت کی تہی جس پر سلطان المعظم کو وہ اپنے خرچ سے قایم کرنے پڑے ہی اور انکا خرچ اپنی ذاتی آمدنی سے دے رہے ہیں۔

جو شخص بینا آنکھیں رکھتا ہی اوسے قسطنطنیہ کے بازاروں میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نئی اور قابل دید چیز دکھائی دیگی۔ صراف۔ بازیگر۔ جیب کترے۔ نٹ۔ مٹھائی فروش۔ خوانچہ والے۔ ناچنے والے بچے اور قلندر جنکے حلق پر چھرا ہی۔ گدہوں والے۔ حمال بڑے بڑے بوجھہ اوٹہائے ہوئے۔ سیاہ فام خواجہ سرا۔ سفید و گورے ہی۔ الغرض ہزاروں ایسی چیزیں نظر آئینگی جنکو یورپین نظروں نے پہلے نہ دیکھا ہو جس مکان کے دریچے جالی دار ہوں۔ فوراً سمجھہ لو یہہ کسی ترک کا مکان ہی کبھی کبھی ان دریچوں میں سے مکان کے اندرونی حصہ کی کیفیت نظر آجاتی ہے۔ مگر یہہ اندرونی حصہ عموماً سلاملک یعنی مردونکی رہایش کے کمرے ہوتے ہیں۔ حالانکہ حرم کی کہڑکیوں کے پیچھے چق لگی رہتی ہیں۔ اونکی نسبت یہی کہا جاسکتا ہی کہ بس وہاں نامحرم کا گذر نہیں۔ یا شاذ و نادر کبھی دیکھنے کا اتفاقیہ موقع مل جائے تو یہہ ع

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نہ نکلا

محل سرا اور خزانہ عامرہ

قسطنطنیہ کی نہایت مشہور قابل دید چیزوں میں سے ایک قدیم محلسرا کا خزانہ عامرہ ہے۔ وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے اوسکے دیکھنے میں اسقدر بخشیش دینی پڑتی ہے۔ کہ اس خرچ کے بٹانے کیلئے عموماً بڑی بڑی جماعتیں بناکر اوسکی سیر کو جایا جاتا ہے خاص حکم کے بغیر جس پر خود سلطان المعظم کے دستخط ہوتے ہیں۔ کوئی شخص وہاں نہیں جاسکتا درخواست سفرا ر دول میں سے کسی ایک کی معرفت کیجاتی ہے۔ اور سلطانی حکم بھی اُسی کی معرفت وصول ہوتا ہے مقررہ دن کو جماعت اوس سفارت میں جمع ہوجاتی ہے اور محلسرا ہمایون کا ایک اڈیکانگ سلطانی پیرا لیکر وہاں پہونچ جاتا ہے۔ اور جماعت کو اپنی نگرانی میں لے لیتا ہے۔ اس سلطانی حکم کے بغیر اوسکے وہ درمیانی دروازہ جس سے گذر کر محلسرا کے اندرونی صحن میں پہونچا جاتا ہے ہرگز نہیں کھل سکتا۔ درخواست پر میرے خاوند کا نام بھی درج تھا۔ اور غالباً اوسی سے سلطان المعظم کو اُسکے ورود کا علم ہوا تھا۔ جماعت میں بلجیم کا سفیر۔ اوسکی لڑکی۔ کئی دیگر انگریز سیاح اور چند شہر کے باشندے شامل تھے۔ کیونکہ شہر دار اپنے لیے سلطانی حکم تقریباً قطعاً حاصل نہیں کرسکتے۔ سب تعداد میں بیس سے اوپر تھے۔ ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار ہوگئی تھی۔ سب سے آگے منیر پاشا رئیس التشریفات کا نوجوان بھتیجا نجیب بک سلطانی یاور تھا۔ اس سے بعد بھی ہم کو کئی دفعہ مختلف سفارت خانوں اور نیز اوسکے چچا کے مکان پر نجیب بک سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کمال خوش اخلاق اور راحت بخش رہنما ثابت ہوا۔

اوس پہاڑی یا گوشہ کے مشرق اور جنوب میں جس پر محلسرا ہے بحیرہ مرمرا اور شمال میں خلیج ہے۔ اوسکے اوپر تلے تین تختے ہیں بلند ترین تخت پر مختلف متعدد کوشکیں جن سے ملکر محلسرا بنا ہوا ہے۔ ینگچریوں کا صحن اور سنیٹ ایرین کا گرجا ہے جو اب سلحہ خانہ کا کام دیتا ہے نیچلے دونوں تختوں پر باغات تھے۔ انگریزی سفارت سے چلکر ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار پیرا کی نشیب و ارشرک سے تیزی کے ساتھ اترکر غلطہ کے پل پر سے استنبول میں داخل ہوگئی۔ اور پھر بائیں ہاتھ کو ہوکر ٹریم لاین کے ساتھ ساتھ پہاڑی پر چڑھ کر ایک چھوٹے سے دروازہ سے جو محلسرا کی بیرونی دیوار میں بنا ہوا ہے۔ قدیم شاہی باغات میں داخل ہوگئی۔ کسی زمانہ میں یہہ باغات جو اب حالت کس مپرسی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دنیا میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔ ریل بناتے وقت

جو محلسرائی گوشہ کے گرداگرد جاتی ہے یہہ کم وبیش برباد کردیئے گئے تھے۔ پہلے یہہ تالاب دریا تھی۔ اب ریل کی سڑک بیچ میں حایل ہوگئی ہے جب آہنی سڑک کیلئے زمین کھودی جا رہی تھی تو ایک بہت بڑی مسقف ہلوان سنگ محلسرا سے مرمرا کو جاتی ہوئی برآمد ہوئی تھی جسکی راستہ وہ بدقسمت حرمیں اور کنیزکیں جو غضب سلطانی کی مورد ہوجاتی تہیں بوروں میں سی کر سمندر کو لڑہکا دیجاتی تہیں۔ یہاں سے گذرکر ہم کو ایک سیدہی بلندی پرچہاں سڑک بری حالت میں تہی چڑہنا پڑا۔ مضبوط عرب گہوڑے اس مرحلہ کو بھی مردانگی کے ساتہہ طی کر گئے۔ بعدازاں چینی لی کوشک اور دو تین دیگر منفرد کوشکوں کے پاس سے گذرکر جنکی کل عمارت پر چینی کا کام تہا۔ ہم بالائی منزل پر پہونچ گئے چینی لی کوشک اب عجائب خانہ کا کام دیتی ہے۔ اوس کو ہم نے پہر بعد میں دیکہا تہا۔ ہم اب گاڑیوں سے اتر پڑے۔ اور باب ہمایوں یعنی محلسرا کے بڑے دروازہ سے گذرکر اندر داخل ہوگئے۔ سلطان المعظم ہرسال رمضان کے مہینہ میں خرقہ شریف کی زیارت کیلئے بجلوس شاہانہ اس دروازہ سے محل سرا میں داخل ہوتے ہیں۔ دروازہ کے قریب ہی باہر کی طرف احمد ثالث کا فوارہ ہے جو ان تمام خوبصورت عمارتوں میں سے خوبصورت ترین گنا جاتا ہے وہ ایک چہوٹے سے مکان کے برابر ہے اور سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے حاشیہ پر بیلگوں اور سبز مینا کاری کا اور چاروں طرف پتھر کو تراش کر باریک جالی کا کام اور طلائی کتبے کندہ ہیں۔ یہہ گذشتہ صدی کے شروع میں تعمیر ہوا تہا۔ مگر ایسا صاف اور چمکدار ہے گویا کل کام ختم ہوا تہا۔ دروازہ میں داخل ہونے سے پہلے تہوڑی دیر ہم اوسے دیکہتے رہے تہے۔ دروازہ سے گذرنے پر ہم بیگچیریوں کے صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں سے بحیرہ مارمورا کے اوپر سے کوہ المپس کی برفانی چوٹیوں تک نظر کام کرتی تہی۔ کوہ اولمپس الشیا ر کو جاکے صوبہ بیتھنیا میں ہے اور بڑا حصہ اوس کے دامن میں آباد ہے۔ اس صحن میں ہم گرجہ سینٹ ارین یعنی اسلحہ خانہ کے پاس سے گذرے۔ اس میں داخل ہونیکی ہم نے بعدازاں کئی مرتبہ کوشش کی۔ کیونکہ روایت مشہور ہے کہ بعض نادر یونانی قلمی کتابیں وہاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہہ قلمی نسخے خواہ کسی جگہ رکہے ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ متلاشیان صنادید کی نظروں سے اون کو بڑی احتیاط سے بچا کر رکہا جاتا ہے چنانچہ سلطانی یاور صادق بک بہی جو سلطان المعظم نے ہمراہ ساتہہ کر دیا ہوا تہا ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہ لا سکا۔ وزیر حرب کے پاس جب درخواست کیگئی تو اُس نے جواب دیا۔ "یہہ محض وہم تہے۔ کتاب وہاں کوئی نہیں ہے"۔

جیسا کہ ہم کو محاربہ کریمیا کے ایک پرانے افسر جنرل کنٹ کی زبانی جو اوس وقت ہمارے والی ہوٹل

میں ٹھہرا ہوا تھا معلوم ہوا کہ جب اوس سے بارکوں اور جنگی مدارس وغیرہ کا معاینہ کیا تو سلطانی اجازت سے گرجا سینٹ آرین کو بھی کو دیکھا تھا۔ اور چونکہ اوسے معلوم تھا کہ یہ پروفیسر کو ان قلمی نسخوں کے دریافت کرنیکی بڑی خواہش ہے اوس نے اسلحہ خانہ میں سب جگہ اونکی تلاش کی۔ مگر اوس میں اوسکو کوئی ایسی جگہ نہ ملی جسکی نسبت گمان کیا جا سکتا کہ یہ نادر کتابیں اوس میں رکھی ہونگی۔ جنرل کو غالباً اسلئے اجازت مل گئی ہوگی کہ اوس کو پرانی چیزوں کا کوئی شوق نہ تھا۔ بہر حال مجھے اس گرجے کو نہ دیکھ سکنے کا افسوس رہا۔ کیونکہ اوس کے گرداگرد چند بڑے بڑے تعویذ رکھے ہوئے ہیں جن پر صلیب اور مسیح کا طغرا بنا ہوا ہے۔ انکی نسبت خیال ہے کہ وہ بعض یونانی قیاصرہ کی قبروں کے تعویذ ہیں۔ اور قسطنطین اعظم کی قبر کا تعویذ بھی ان میں ہے۔ مگر اس بحث کو چھوڑ کر میں پھر مطلب پر آتی ہوں۔

ینگچریوں کے صحن کا نام ہی ہم کو سخت مہیب معلوم ہوا۔ ہم کو ایک روش کے دوسرے سرے پر اون کا وہ مشہور صنوبر کا درخت دکھائی دے رہا تھا جسکے نیچے وہ بغاوتوں کی بحث و بیز یا جن تدبیروں سے خفیہ ہوجاتے تھے اونکی ہلاکت یا برطرفی کا سلطان سے مطالبہ کرنیکے متعلق صلاح و مشورہ کرنیکے لئے جمع ہوتے تھے۔ انکی بارکیں ایاصوفیا سے پرے آت میدان میں تھیں۔ مگر اونکی سطح مجلس ارکی سطح کے متوازی تھی یعنی دونوں یکساں بلندی پر تھیں۔ بغاوت کے اظہار میں وہ اپنی دیگچیوں کو الٹ دیا کرتے تھے جسکا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حکمران سلطان سے وہ آیندہ کوئی رسد نہیں لینگے۔ اس اعلان سے تمام شہر پر دہشت چھا جایا کرتی تھی صحن کے گرداگرد اصطبل اور غلاموں کی رہایش کیلئے مکان بنے ہوئے ہیں۔ اس سے گذر کر ہم اورطہ کپو پہونچے۔ وہاں سلطانی حکم دکھا کر ہم اندر داخل ہوئے۔ اب تو اس دروازہ کی قطع وضع بالکل سیدہی سادہی ہے۔ مگر کسی وقت اوسکے دونوں سروں پر مضبوط پھاٹک لگے ہوئے تھے اور دونوں پھاٹکوں کے درمیان کی گنبد دار جگہ مقتل کا کام دیتی تھی۔ یہاں سیاہ فام بہرے اور گونگے اوس صدر اعظم یا وزیر کو جو مغضوب ہو گیا ہو سلطان کے آخری سلام سے واپس آتے وقت فی الفور کمان سے ہلاک کر دینے کے لئے ہر وقت تیار کھڑے رہتے تھے۔ اس دروازہ سے ہم اس صحن میں داخل ہوئے۔ اوس میں درخت اور پھول لگے ہوئے ہیں اور داہنی طرف کو نو باورچیخانے ہیں۔ یہ گنبددار ہیں۔ اور ہر گنبد میں دہوئیں کے نکلنے کے لئے ایک ایک سوراخ ہے پہلا باورچیخانہ سلطان کیلئے۔ دوسرا سرکردہ حرموں کیلئے اور اسی طرح درجہ بدرجہ نواں باورچیخانہ سب سے ادنی درجہ کے خادموں کیلئے ہوتا تھا۔ ہم ایک خوشنما روش کے راستہ جسکے دونوں طرف خوبصورت سروں کی

قطاریں تہیں۔ باب سعادت پہونچے اور اوس میں سے محلسرا کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے۔
خزانہ کا محافظ ہم کو اوسکی سیر کرانیکے لئے ابہی تیار نہ تہا۔ ہم ذرا سویرے پہونچگئے تہے۔ اسلئے اوسکے تیار ہونے
تک نجیب بک ہم کو مجیدیہ کوشک میں لیگیا۔ یہہ کوشک ایک خوبصورت گلشن میں بنی ہوئی ہے۔ وہاں سے
ایک طرف ہم کو جزائر شہزادگان تک بحیرہ مارمورا اور اولمپس کی برفانی چوٹیاں۔ اور بائیں طرف خلیج کا
دہانہ اور ایشیا اور یورپ کی پہاڑیوں کے درمیان نقرئی دہاری کی طرح پیچ درپیچ گذرتا ہوا باسفرس کا دریا دکہا
دیا۔ اسکی آرایش فرنچ طرز میں کیگئی ہوئی ہے۔ چوطرفہ کے نظاروں سے سیر ہوکر ہم اوسکے بڑے کمروں میں
سے ایک میں چلے گئے اور وہاں ہمارے سامنے کہانا چن دیا گیا۔ دعوت میں ایک عجیب واقعہ گذرا۔ ایک
خدمتگار بلوری برتن میں کوئی لیمیدار شیرینی یا مربہ لاکر مہمانوں میں تقسیم کر رہا تہا کہ جونہی وہ ایک لیڈی
کے قریب پہونچا اوس کا پاؤں فرش کی نہایت ہی صاف اور چکنی چوبی تختہ بندی سے جس پہ سیپ
اور ہاتہی دانت کا کام تہا پہسل گیا۔ اور اوسوقت جب وہ آگے کو جہکا تو مربہ برتن سے اچہل کر لیڈی
مذکورہ۔ فرش اور خود اوسکے کپڑوں پر گر پڑا۔ اس سے کوئی چنداں نقصان نہ ہوا۔ تہوڑے سے پانی سے سب
کچہہ ٹہیک ٹہاک ہوگیا۔ مگر غلام کے چہرہ پر کچہہ ایسی مردنی سی چہاگئی ہوئی تہی کہ ہم سب کو خیال پیدا
ہوگیا کہ اوس غریب کو کوئی بہت ہی سخت سزا ملیگی۔ کہانیکے بعد سگرٹ تقسیم کئے گئے۔ بعد ازاں غلاموں کی
ایک جماعت جنکی پوشاک اور عمامے سفید تہے۔ طلائی طاشتوں میں قہوہ کی پیالیاں لیکر آئے جو پیالیاں
مرد مہمانوں کو دیگئیں۔ اونکی پرچیں ٹہوس سونے کی تہیں جن پر نقش و نگار کا بہت کام تہا۔ اور جو لیڈیوں
کو دیگئی تہیں اونکی پرچیں نہایت ہی نفیس طلائی تاروں سے بنی ہوئی تہیں اور اون پر اس قدر ہیرے
جڑے ہوئے تہے کہ تل بہر جگہ خالی نہ تہی۔ سب سے آخر قہوہ جی آیا۔ وہ اپنے بائیں بازو اور کندہے پر نہایت
ہی بیش قیمت قرمزی دسترخوان جس پر طلائی بیل بوٹے کاڑہے ہوئے تہے ڈالے ہوا تہا۔ اسکو ایک
دوسرے غلام نے اٹہالیا۔ اور اوسوقت ہم کو معلوم ہوا کہ اوس نے ہاتہہ میں ایک لمبی اور نازک سی قہوہ دانی
خالص سونیکی پکڑی ہوئی تہی جس سے اوس نے ہماری پیالیوں میں قہوہ ڈالدیا جب ہم نے پیالیاں واپس
کیں تو اون کو بڑی احتیاط سے گن لیا گیا۔ خدام کی اس احتیاط اور خبرداری کو ہم بڑی دلچسپی
سے دیکہتے رہے۔

آخرش نجیب بک نے ہم کو اطلاع دی کہ اعلی خزانچی تیار ہوگیا ہے۔ ہم سب جلد عمارت کے دروازہ پہ

سے برآمد ہو جائیں۔ مگر ہم نے وہاں ایک کتاب یا قلمی نسخہ نہ دیکھا۔ سب اونچی اونچی بلند الماریوں میں جو دیواروں کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی تھیں اور مقفل تھیں بند تھیں۔ اور مکان کی ظاہری صورت دیکھ کر اوسکے کتب خانہ ہونے کا کبھی گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس مایوسی بخش کمرہ سے ہم جلد جلد باہر نکلکر دیوان یعنی ایوان تخت شاہی کو چلے گئے۔ وہاں سلاطین ایک جالی دار کٹہرے کے پیچھے تخت پر بیٹھ کر سفراء دول کو شرف باریابی عطا کیا کرتے تھے۔ ایوان کی تمام دیواروں پر عجیب و غریب بیل بوٹوں اور چینی کا کام ہے۔ اور ایک بہت بڑا دیوان یا تخت جسکی چھت قیمتی پتھر جڑے ہیں ایوان کے بہت سے حصے کو روکے ہوئے ہے۔

ناظرین کو خیال ہو کہ ۱۸۶۵ء کی عظیم آتشزدگی میں کئی کوشکیں اور چھوٹے چھوٹے محل جل گئے تھے مگر سلاطین اس سے پہلے محلسرا کی رہائش ترک کر کے باسفرس کے جدید قصرات۔ چراغاں اور دولما باغچہ میں چلے گئے تھے۔ اس میں اب صرف سابق سلاطین کی حرمیں اور منظور نظر کنیزکیں رہتی ہیں جن میں سے بعض بہت ہی معمر ہیں۔ دیوان خانہ سے نکلکر بغداد کوشک کو جاتے وقت ہم محلسرا کے ایسے حصہ سے گذرے جہاں دوسرے حصوں کی نسبت باغات عمدہ حالت میں تھے اور بناو سنگار کی نقرئی اشیا کی کچھ مقدار دھوپ میں پڑی ہوئی تھی معلوم ہوتا تھا کہ اون کو ابھی صاف کیا گیا ہے۔ میرے میٹو نے پتہ لگایا کہ یہ چیزیں اُن منظوران نظر میں سے بعض کی ملکیت ہیں جو کسی وقت سیاہ و سفید کی مالک رہ کر اب محلسرا کی اون کوشکوں میں جنکی حالت باقی سے بہتر ہے موت کے دن پورے کر رہی ہیں۔ آخری سلطان جو محلسرا میں سویا۔ وہ عبدالعزیز مرحوم تھا۔ جو معزولی کے بعد پہلا وہاں بھیجدیئے گئے اور پھر چند دنوں کے بعد چراغاں محل کو جہاں وہ فوت ہوئے بھیجدیئے گئے تھے۔ بغداد کوشک بلندی پر واقع ہے۔ اور سنگ مرمر کے زینوں پر چڑھ کر اوس تک پہونچا جاتا ہے جس قدر تک عمارتیں اس وقت موجود ہیں وہ سب سے خوبصورت تصور کیجاتی ہے۔ دیواریں از سر تا پا نیلگوں چینی کی ہیں۔ دروازہ جو ہاتھی دانت اور سیپ کے اور جس قدر قالین دیوان اور پردے اوس میں موجود ہیں وہ سب مشرقی صناعی اور دستکاری کے بہترین نمونے ہیں۔ رنگ گو شوخ ہیں مگر ایسی اُستادی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔ کہ کل مجموعہ کو ایک نظر دیکھنے سے کوئی بیہودہ بھڑک نہیں پائی جاتی اس کوشک سے ہم نے خلیج (یا بندرگاہ) سے پرے جو ہلکی پھلکی قایق سے لیکر بڑے بڑے بدشکل سٹیمروں تک ہر ایک قسم کے مرکب تری سے

پڑتی تھی۔ پیرا اور غلطہ کا خوب نظارہ کیا۔ یہہ بڑے سٹیمر جن سے عموماً ہر وقت غلیظ دہوان نکلتا رہتا ہے یا سفر میں ہیں یا جزائر شہزادگان تک بحیرہ مرمرا میں آمد و رفت کرتے رہتے ہیں۔ کوشک کے پائیں میں چوبا غات تھے۔ اون میں ہم نے کانسی طرز کی ساخت کا ایک ستون دیکھا جو قیصر تہیوڈوسی اس اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس پر ایک وہ شا کتبہ ہے جس سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہہ ستون قیصر کلاڈسی اس گوتہی کس کے وقت کا ہے۔ اگر یہہ خیال ٹہیک ہے تو ستون مذکور شہر کی قدیم ترین اشیا میں شمار کیے جانیکا مستحق ہے سب سے پرانی چیز وہ ستون باران ہے جو آت میدان میں کہڑا ہے۔ اور اوس پر کسی وقت ڈلفی کے مندر کی بت اپولو کی سچاسن کا طلائی ترسولا نصب تہا۔ اس کو قسطنطین وہاں سے بائی زنطیم لایا تہا۔ سانپ کے تینوں سر اب غائب ہیں۔ ایک کو سلطان محمدؒ فاتح نے فتح کے دن ایا صوفیا کو جاتے وقت اپنے گرز سے توڑا تہا۔ تین میں سے ایک سر عجائب گہر میں پڑا ہے۔ ابتدائی قیام کے زمانہ میں محلسرائے گوشہ پر کئی سرکاری عمارات موجود تہیں۔

ہم اب محلسرا کے اوس حصہ میں تہے جو حرم سرا کا کام دیا کرتا تہا بغداد کوشک حرم کے وسط میں واقع ہے ہمارا دل تو یہی چاہتا تہا کہ خوبصورت بغداد کوشک میں اور عرصہ ٹھہرے رہکر اوس کے نرم اور گدگدے دیوانوں پر استراحت کریں اور اس شاہانہ شان و شوکت۔ سفاکیوں اور بیاز درد و غم و اقعات پر جنکو یہہ باغ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں خیال کریں یا ایک کمرے سے دوسرے میں گلگشت کرتے پہریں۔ مگر وقت گذرتا جاتا تہا۔ اور ہم نے خلیج کے پار جاکر ابہی بگلربک اور دولما باغچہ کے محلات کو بہی دیکھنا تہا چنانچہ ہم متروک الاستعمال اور سنسان صحنوں میں سے واپس ہوتے ہوئے جن میں کبہی وزرا۔ امرا۔ عساکر غلامان شاہی۔ خواجگان۔ اور مشرقی مطلق العنان بادشاہوں کی دوسرے وسیع و عظیم لوازمات اور خدام و حشم کا جمگہٹا لگا رہتا تہا اورطہ کاپو سے باہر نکل آئے۔ اور ہمارے قواص نے جو ہر دروازہ اور ہر عمارت میں علیحدہ علیحدہ انعام و اکرام خدام کو دیتا رہا تہا آخری بخشش محافظ اورطہ کاپو کو دی۔ وہاں سے ہم گاڑیوں پر سوار ہوکر پل کو دوبارہ عبور کر کے غلطہ کے پرلے بازار میں سے توپخانہ کی گہاٹ پر پہنچکر وہاں خاص سلطانی قایقیں جن میں سے ہر ایک پر دس دس چپو تہے ہمارے انتظار میں کہڑی تہیں جیسا آرام و مزہ اس کشتی پر حاصل ہوتا ہے اور کسی قسم کے جہاز یا مرکب تری کی سواری میں نہیں ملتا۔ اس پر میں اور میرا خاوند پہلی مرتبہ سوار ہوئے۔ شاہی قایقچی بڑی گہیر دار شلواریں۔ بڑے صدہ کے سفید بارکیک

ریشمی کپڑے کے کھڑے تھے جن پر طلائی ڈوری لگی ہوئی تہی اور فیس پہنے ہوئے تھے۔

ان پر ہم پہلے محل دولما باغچہ کو گئے۔ سفید سنگ مرمر کی یہہ عظیم الشان عمارت باسفرس کے یورپی ساحل پر واقع ہے اور موجودہ مذاق کے مطابق نہایت شان و شوکت کے ساتھ سجائی گئی ہوئی ہے۔ وہاں کی سب سے عجیب چیزیں بڑا درباری ہال (ایوان) جس کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہے۔ اور عجیب غریب حمام ہے۔ حمام بھی وسعت میں لاثانی ہے۔ اوسکی دیواریں شفاف سنگ سفید کی اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ ہم وہاں کے مرقع یا کمرہ تصاویر کو دیکھہ کر بہت حیران ہوئے۔ اوس میں زیادہ تر فرانسیسی یا ڈچ مصوروں کی تصاویر تہیں جو سب کی سب نہایت ادنی درجہ کی تہیں۔ درباری ایوان سے پرے حرم سرا ہے جس میں اب وہ کنیزکیں رہتی ہیں جو منظور نظر نہیں رہ گئیں اونکے واسطے محل میں ایک خوبصورت باغ بہی ہے۔ اس موقع سے بعد ہم کئی دفعہ گاڑی پر سوار اوس محل کے پاس سے گذرے۔ مگر خشکی کی طرف کی بیرونی دیواریں بہت بلند ہیں جنکی وجہ سے محل نظر نہیں آتا۔ اس دیوار میں جدا جدا دو نہایت ہی خوبصورت پھاٹک ہیں۔ سلطان المعظم بیرام کے دن اُن میں سے ایک میں سے اپنے درباریوں سمیت جو سب کے سب گہوڑوں پر سوار ہوتے ہیں گذر کر محل میں رونق افروز ہوتے ہیں اور وہاں عید کا دربار کرتے ہیں۔ محل کا وہ حصہ جو باسفرس کی طرف ہے کمال دلاویز اور خوشنما ہے۔ سنگ مرمر کے زینے محل سے لیکر جسکی عمارت نفاست کے ساتھہ ہی پائیداری غضب کی ہے پانی تک چلے گئے ہیں۔

یہہ تمام سلطانی محلات سے بہت ہی بڑا ہے مگر سال میں صرف دو دفعہ چند گھنٹوں کیلیے سلطان المعظم کے استعمال میں آتا ہے۔ اسکے سیر سے فارغ ہوکر ہم پہر کشتیوں پر سوار ہوکر اور باسفرس کو عبور کر کے ایشیائی ساحل پر پہونچگئے جس براعظم کی سرزمین پر ہم میں سے اکثر نے اب پہلی مرتبہ قدم دھرا۔ بگلربک کا خوبصورت محل جسے بد نصیب عبدالعزیز نے تعمیر کرایا تہا خالص سنگ مرمر کا ہے۔ اس میں اب کوئی نہیں رہتا۔ اور گو سلطان المعظم وقتاً فوقتاً اوس میں اپنے شاہی مہمانوں کو اتارتے رہتے ہیں۔ مگر وہ ابہی تک پورا مکمل ہی نہیں ہوا۔ اوس کی اندرونی آرایش کمال شاندار اور بالکل ایشیائی مذاق کے مطابق ہے۔ پہلی منزل میں ایک بڑا ستون دار ایوان ہے جسکی وسط میں سنگ مرمر کا حوض مع فوارہ بنا ہوا ہے۔ محل کے اس حصہ کے دریچے جالی دار ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کبہی وقت وہ حرم سرا

کا کام دیتا تھا۔ ہمارے چند رفقا چڑیا خانہ دیکھنے کے لئے جسے عبد العزیز نے بنایا تھا اوس پہاڑی باغ پر جو محل کے پچھواڑے میں ہے چڑھ گئے لیکن اکثر نے چونکہ دن بہت گرم تھا سنگ مرمر کی ایک خوبصورت اور سبز کوشک میں جو باسفورس کے ساحل پر ہے استراحت کرنے کو ترجیح دی گلاب ہر کنج و گوشہ میں بافراط اُگے ہوئے تھے۔ باغبان نجیب بک کے حکم دینے پر ہمارے لئے اون کے گلدستے بنا لائے۔ یہاں سے ہم فائیٹنوں پر سوار ہوکر توپخانہ کی گھاٹ کو واپس گئے۔ وہاں قلعہ چیوں کو فراخ دلی سے انعام و اکرام دیکر رخصت کر دیا گیا۔ ہمارے رفیق ایک دوسرے سے جدا ہوکر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوگئے۔ اور اوس دن کی یہہ تفریح بخیر و خوبی ختم ہوگئی۔

۴۔ سلاملک

ہمیں قسطنطنیہ میں آئے چند دن ہی ہوئے تھے کہ ایک دن ہمارے سفیر نے ہم کو کہا "مجھے سلطان المعظم کا پیغام پہونچا ہے کہ حضور ممدوح اب تک پروفیسر کے ورود کی اطلاع نہ دئے جانے پر حیران ہیں۔ جلالت مآب کی اس شفقت آمیز یاددہی کے جواب میں تم پر واجب ہے کہ اگلی سلاملک میں ضرور موجود ہو جاؤ۔ سلطان المعظم اس حاضری کو حاضر ہونیوالے کی طرف سے آداب بجا لائے جانیکے برابر تصور کرتے ہیں"۔ سلاملک جمعہ کے دن سلطان المعظم کے جلوس شاہانہ مسجد کو جانیکی رسم کو کہتے ہیں۔

چنانچہ جمعہ کے دن ہمارا بیٹا گیارہ بجے کے وقت گاڑی لیکر پہونچگیا۔ اوس کے کوچ بکس پر سفارت کا ایک قواص بیٹھا ہوا تھا۔ قواص اون ترکی ملازموں کو کہتے ہیں جنہیں سلطان المعظم سفرا اور ایلچیوں کی حفاظت کیلئے مقرر کرتے ہیں۔ اون کو تنخواہ اور وردی سفرا دیتے ہیں اور سلطان المعظم کے حضور وہ اپنے اپنے سفرا اور اون کے ماتحتوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ زمانہ سابق میں اگر سفارت کے کسی عہدہ دار پر کوئی حادثہ ہوجاتا تھا تو بدنصیب قواص خواہ اوس کا قصور ہو یا نہ ہو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا۔ جن لوگوں نے پال یاڈوف کا قصہ پڑھا ہے۔ اون کو یاد ہوگا کہ آیا صوفیا سے سکندر یاڈوف کے نامعلوم طور پر گم ہوجانے سے قواص کیسے حواس باختہ ہوگئے تھے۔ انگریزی سفارت میں جو قواص ہیں اونکی غیر رسمی وردی سیاہ نیلگوں کپڑے کی ہوتی ہے جس پر گنجان سیاہ ڈوری بھری ہوئی ہوتی ہے پیٹی سنہری اور چوڑی ہوتی ہے اور کندھوں پر پٹیاں بھی بھری ہوتی

ہیں وہ سب الوار اور نیز ایک سنہری چپٹی تھیلے ہیں جو کمر بند سے لٹکا ہوا ہوتا ہے ریوالور رکھتے ہیں انکی
رسمی پوشاک ہلکی سی قرمزی رنگ کی ہے جس پر ڈوری بھی اسی رنگ کی ہوتی ہے یہہ
صرف درباری موقعوں پر جبکہ وہ سفیر کے ساتھہ ہوں پہنی جاتی ہے۔

ہم سب صباحی پوشاک میں تھے قسطنطنیہ کے سفراء اور اُنکے ماتحت رسمی لباس بہت کم
پہنتے ہیں۔ ہم پہلے بڑے بازار کے بیچ حصے سے گذرے۔ کل پیرا میں یہی بازار خوبصورت ہے
وہ ۱۸۷۰ء کی عظیم آتش زدگی کے بعد جس میں انگریزی سفارت خانہ بھی جل گیا تھا از سر نو تعمیر کیا
گیا ہے۔ تمام بہترین دوکانیں۔ کلب گھر اور ہسپانوی سفارت خانہ یہیں ہے۔ اس بازار سے داہنی
طرف چکر کاٹ کر ہم قبرستان کی طرف ہو گئے۔ اس میں ابھی تک مردے دفن کئے جاتے ہیں۔ یہہ
پہلا ترکی قبرستان تھا جو ہماری نظر سے گذرا۔ مردوں کی قبروں کے سرہانے جو ستون کھڑے کئے
جاتے ہیں ان پر شناخت کیلئے عمامہ بنا دیا جاتا ہے کئی ستون گر گئے ہوئے تھے۔ اور باقی میں سے
بھی سیدھا کھڑا ہوا کوئی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کم و بیش سب ٹیڑھے ہو رہے تھے۔ تمام ترکی قبرستانوں
کی یہی کیفیت ہے جس سے دیکھنے والے کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ ترک اپنے قبرستانوں کو درست
رکھنے کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ اسکے مقابلہ پر اچھی بات یہہ ہے کہ ہر قبرستان میں چھوٹا ہو یا بڑا۔
سینکڑوں سرو اتنے بڑے قد و قامت کے لگے ہوئے ہیں جس کا انگلستان میں کبھی خیال بھی نہیں ہو سکتا
شہر کو دور سے دیکھنے پر خواہ کدھر سے اور کب دیکھا جائے اونکی وجہ سے بہت دلاویز نقشہ آنکھوں کے سامنے
پھر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر مسجد کے گرداگرد کھڑے ہیں اور چمکدار سفید میناروں کے مقابلہ پر اونکی سیاہ سبزی
عجیب معلوم ہوتی ہے۔ پہوطری اور قبرستانوں کی طرح پہاڑیوں پر بھی شیاستون کی مانند سر بفلک کھڑے ہیں ترک ستورات
قبرستانوں میں قالین بچھا کر سارا سارا دن اون کے سایہ میں گذار دیتی ہیں۔ وہ ایسا اس لئے
نہیں کرتیں کہ اون کو متوفیوں سے کوئی گہری محبت ہوتی ہے۔ برعکس اسکے ترک مردہ جسم کی جبکہ وہ
ایک دفعہ آغوش لحد میں چلا جائے بہت کم پروا کرتے ہیں۔ اون کا قول ہے کہ جسم کے قبر میں
پڑتے ہی روح بہشت میں پہونچ جاتی ہے۔ اور روح ہی وہ چیز ہے جس سے ہم کو الفت تھی۔ اسی وجہ سے
ترک لوگ اپنے جنازوں کو ایسی جلدی سے لیکر چلتے ہیں کہ ہم عیسائیوں کو یہہ حرکت بہت نازیبا معلوم
ہوتی ہے۔ اور وہ جلدی اس لئے کر رہے ہیں کہ جس قدر جلد مردہ قبر میں جائیگا۔ اوسی قدر اُسکی

روح کو بہشت میں جلد جانیکا موقع ملیگا۔ اگر کبھی نیک بخت اتفاقی ترک کے پاس سے جنازہ گذرے تو وہ جنازہ برداروں کا جو جلد جلد چلنے سے جلد تہک جاتے ہیں ضرور ہاتھ بٹائیگا۔ ایسا کرنے والا اگر چالیس قدم چلے تو اوسکا ایک کبیرہ گناہ بارگاہ خداوندی سے معاف ہوجاتا ہے۔ اس سے ناظرین کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ ترکی مستورات صرف تفریح کے لئے قبرستانوں کو جاتی ہیں۔ قلعۂ دیلی حصار کے پائیں ایک چھوٹا سا متروک الاستعمال قبرستان ہے جو باسفرس کے کنارہ تک ٹہل کہاتا چلا گیا ہے۔ اوس نواح کی ترکی مستورات کیلئے وہ عام تفریحگاہ ہے۔ مجھے خیال ہے کہ ہم کبھی باسفرس سے نہ گذرے ہونگے جبکہ ہم نے قبرستان میں ادہر ادہر اور بالخصوص اوس کی صد برس کے خوبصورت سرو کے درخت کے نیچے سبزہ زار پر چمکدار قالین بچھائے ہوئے اون پر سفید پوش مستورات کے جہرمٹ کو نہ بیٹھا دیکھا ہو۔ عورتوں کی قبر کے سرہانے پتلے سے سیدہے ستون کھڑے کر دئے جاتے ہیں۔ جن پر سنہری رنگ سے ایک شاخ بنا دیجاتی ہے۔ اور جس قدر متوفیہ کے بچے ہوں اوسیقدر اوس شاخ پر پھول بنا دئیے جاتے ہیں جو پتوں میں باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ جس قدر ستون مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا اون میں سے بہت ہی کم ایسے تھے جنکی شاخوں میں فقط پتے ہی ہوں۔ پھول کوئی نہ ہو۔ سرو کی میٹھی اور بھینی بھینی خوشبو کی وجہ سے قبرستانوں میں زیادہ عرصہ بیٹھنے سے کوئی مضرت نہیں پہونچتی۔

پہلے قبرستان کے مقابل جرمنی سفارت کا گرانڈیل محل ہے جہاں سے باسفرس کے اوپر سے دور تک نظارہ ہوتا ہے۔ سڑک یہاں بہت ڈہالو اور پیچ در پیچ ہے۔ اوس پر سے ہم سنگ مرمر کے محل یلدز باغچہ پہونچے یہ باسفرس پر ہے۔ اور صرف عیدین کے بڑے درباروں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے سلطان عبد المجید نے بنایا تہا۔ وہ اور اوسکا جانشین بدقسمت عبد العزیز اکثر اسی میں رہائش رکھتے تہے۔ عبد العزیز جب ۱۸۷۶ء میں معزول کئے گئے تہے۔ تو وہ اوس وقت اسی محل میں سکونت گزین تہے یہاں ہی پہلے اون کو محل سرا اور پہر چراغاں محل کو جو اس سے کچھ پرے باسفرس پر ہے اور جہاں اونکی زندگی کا بے وقت خاتمہ ہوا بھیجدیا گیا تہا۔ محل مذکور سے لیکر تکسطاش کے کل مسافت کی۔ سڑک فوج سے بہری ہوئی تہی۔ جو سلانلک کو چلی جا رہی تہی۔ ہر چوک پر ہم کو سالم کی سالم کمپنیاں ملیں جو غبار آلود سڑکوں پر لمبا سفر کرنیکے بعد وردیوں اور بوٹوں کو جہاڑ رہی تہیں۔ کئی رجمنٹیں سلانلک کے موقع پر استنبول کے بعید سی حصوں بلکہ شہر پناہ کے باہر سے آتی ہیں۔ اون میں سے ا

زرق برق وردیاں پہنے قہوہ خانوں کے دروازوں پر جو بازار میں بہ تعداد کثیر موجود ہیں آرام
کر رہے اور قہوہ و تنباکو پی رہے تھے۔ وہاں سے بائیں طرف خشکی کیجانب سیدھا چکر کاٹ کر ہم اوس
سیدھی چڑھائی پر ہو گئے جو بلند محل کو جاتی ہے۔ سلطان المعظم ہمیشہ اسی محل میں رہتے ہیں اور صرف مسجد
کو جانے کے لئے جو محل سے ایک گولی کے ٹپہ پر ہے۔ یا عیدین کے موقع پر دولمہ باغچہ میں اعیان و امرا اراکین سلطنت کو
شرف باریابی عطا کرنے کے لئے باہر تشریف لیجاتے ہیں۔ خرقہ شریف کی زیارت کیلئے جو رمضان
میں کیجاتی ہے وہ ہر سال قدیم محلسرا کو نہیں جاتے اور جس سال وہ جانیکا عزم کر لیتے ہیں تو جس
راستہ سے تشریف لیجانیکا قصد ہوا اوسے آخری وقت تک خفیہ رکھتے ہیں۔ تاکہ اعدا و مفسدین
اونکی ذات خلافت پناہی پر کسی قاتلانہ حملہ کا کوئی انتظام پہلے سے نہ کر سکیں۔ پہلے جبکہ سلاطین باسفرس
کے ساحلی محلات میں سے کسی ایک میں رہتے تھے تو شاہانہ جلوس بڑی بڑی گلٹ شدہ قایقوں پر جو ایک ایک
سو فیٹ لمبی ہیں اور ہر ایک میں ۲۶ قایقچی ہوتے تھے باسفرس کے راستہ محلسرا کی گوشہ کے
پائین تک جاتی تھے اور وہاں قایقوں سے اوتر کر سب شاندار گھوڑوں پر سوار ہو کر باغوں میں سے باب ہمایون کو
جاتے تھے۔ اب یہ کشتیاں خلیج کے دہانہ پر ایک عمارت میں جو بندرگاہ پر بنی ہوئی ہے بند ہیں۔ اس
درباری جلوس کا نظارہ واقعی بہت ہی شاندار و خوشنما ہوتا ہوگا۔ کیونکہ تمام درباری اور امرا
وزرا سلطان کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ پہلے سلاطین میں سے اکثر رمضان کے آخری سات راتوں کو جن میں
قرآن شریف آسمان سے نازل ہوا ایا صوفیا کو بھی جایا کرتے تھے اور اون موقعوں پر وہی تزک و احتشام
اور ٹھاٹھ ہوتا تھا جیسا اب عیدین کے دربار کے لئے دولمہ باغچہ کو جاتے وقت ہوتا ہے۔ فرق صرف
یہ ہوتا تھا کہ اون جلوسوں میں تمام بڑی بڑی مساجد کے امام بھی جلوس میں شامل ہوتے تھے۔
موجودہ فرمانروا نے ایا صوفیا جانا بالکل ہی ترک کر دیا ہے۔ مکانوں کی جالیدار کھڑکیوں سے معلوم ہوتا
ہے کہ یہ سارا محلہ بشکطاش ترکوں کا ہے۔ غربا کے مکانات کی کل دریچے جنکی مستورات کو گھر کا کام کاج
بار کرنا پڑتا ہے جالیدار ہیں۔ اور متمول لوگوں کے مکانوں میں جنکے پاس خدمتگاری کے لئے باندیاں موجود ہوتی
ہیں صرف حرم سرا کے دریچے اس طرح محفوظ ہیں۔ سلاملک یعنی مردانہ حصوں کے دریچوں میں
مستورات کبھی داخل نہیں ہوتیں بلا جالی ہیں۔ پست قامت مگر مضبوط و چابک عربی گھوڑے
سیدھی پہاڑی پر ایسی تیزی سے چڑھ رہے تھے کہ ہم کو اون پیدلوں کے متعدد جتھوں کو بھی جو ایک ہی

جگہ جانے کے لئے پہاڑی پر چڑھ رہے چلے جا رہے تھے دیکھنے کا پورا موقع نہ ملا۔ کہیں عرب عمامے باندھے
اور لمبے لمبے ڈھیلے چغے پہنے کہیں ہندی وضع ترکی فیس اور لمبے کوٹ پہنے اور ان میں سے بعض بعض اپنے چند سالہ
بچوں کو بھی جو نیز اوسی طرح کوٹ اور فیس ڈالے ہوئے تھے ساتھ لئے ہوئے تھے۔ کہیں اونی جماعتوں
کی مستورات سفید برقعے لئے کہیں درویش لمبی لمبی بھوری کلاہیں اوڑھے۔ اور کسی جگہ ترکی سپاہی
فوق الصرک وردیوں میں اپنے اپنے آقاؤں کیلئے جو پہاڑی کی چوٹی پر محل کے قریب منتظر کھڑے تھے
خوبصورت اور شاندار گھوڑے جن پر ساز بھی نہایت زرق برق کے پڑے ہوئے تھے لئے چلے جا
رہے تھے۔ انکے علاوہ علما شیوخ اور مفتی گروہ در گروہ سڑک پر موجود تھے جو سب کے سب سلطان المعظم
کے دیدار کے لئے جنکا وہ بحیثیت اپنے شہنشاہ کے ہی نہیں بلکہ بحیثیت نائب رسول اللہ و خلیفۃ
المسلمین بھی ادب و عزت کرتے ہیں چلے جا رہے تھے۔

آخر ہم مسجد (جامع حمیدیہ) کے مقابل ایک پست سفید عمارت کے سامنے جا کر جس کے دریچوں سے وہ لوگ
جنکو سفارتی وکلا اور ایلچی ساتھ لیجائیں یا معرفت کرائیں جلوس کو دیکھ سکتے ہیں گاڑی سے اتر پڑے
اور صحن میں سے گذر کر جس میں وہ لوگ جن کے پاس داخلے کے ٹکٹ نہ تھے اور سینیر بیگار پاشا اور پادری اپنے
اپنے مقررہ مقام پر قائم ہونیکے وقت کے پہونچنے کے انتظار میں کھڑے تھے۔ گذر کر دروازہ پر
پہونچ گئے۔ اور اپنے نام کے کارڈ دیکر عمارت کے اندر داخل ہو گئے۔ ہم کسی قدر سویرے پہونچ گئے۔ ابھی
سارے دریچے نہیں رُکے تھے۔ جس سے ہم کو ایک دریچہ میں اگلی کرسیاں مل گئیں۔ اور گو جلوس کے آنے
میں کچھ دیر تھی مکان سے باہر میدان میں خاصی چہل پہل اور رونق ہو گئی ہوئی تھی۔ ہمارے سامنے سڑک
سے پرے وسیع پختہ فرش پر وہ چھوٹی سی سفید مسجد تھی جس میں سلطان نماز ادا کرتے ہیں۔ دائیں
طرف اس سڑک کے پرلے کنارہ پر جس کے راستے ہم پہاڑی پر چڑھے تھے فوج سواران کے دو رویہ دست بستہ
پرے باندھے کھڑے تھے۔ ایک جیرہ کے گھوڑے سمند اور دوسرے کے بادامی رنگ کے تھے
سواروں کے ہاتھوں میں نیزے تھے جنکی سنج سبز فیتیں دھوپ میں آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھیں۔ انکے
سامنے کئی سو قسم کی عورتیں سروں پر سفید ململ کا ازار و مال بد برقعہ کا کام دینے کے لئے باندھے ہوئی کھڑی
تھیں۔ یہ غریب لوگوں کی مستورات کا لباس ہے۔ امرا اور متمولین کی عورتیں نفیس یعنی باریک ململ
کا نقاب پہنتی ہیں۔ غریب عورتیں اس رومال کا ایک سرا منہ کے اوپر سے بھی باندھ لیتی ہیں

مرد تماشائی طرح طرح کی پوشاکیں پہنے جہاں اُنکے سینگ سما سکے کہڑے تہے۔ تہوڑی ہی دیر
میں پہلی مینڈ فوجی باجے کی آواز سنائی دی اور پیدل رجمنٹیں یکے بعد دیگرے بسرعت پہاڑی
پر پہونچکر اون تمام سڑکوں پر جو مسجد کے ارد گرد ہیں آ آ کے اپنے موقع پر صف بستہ ہوگئیں۔ سلطان
ذوالجلال کی دو رجمنٹیں جنکے عمامے سبز سرخ ڈہیلی شلواریں اور سفید گیسبرز تہے۔ ہماری کہڑکیوں کے
نیچے صف آرا ہوئیں۔ وہ محل کی طرف سے پہاڑی کے اوپر سے یہاں آئی تہیں۔ باجہ اون کے
آگے آگے بجتا آتا تہا اور سپاہیوں کے قدم نہایت سبک اُٹہتے تہے جنکی رفتار واقعی سپاہیانہ اور کمال
بانکی اور خوش وضع تہی۔ ہمارے بالمقابل سڑک سے پرے بحری سپاہیوں کی رجمنٹ تہی۔ اسکے
سپاہیوں کے کالر بلا حانہ یعنی بہت اونچے تہے۔ الغرض ہر ہفتہ مسجد کے گرد جملہ تقریباً آٹھہ ہزار
سپاہ جمع ہوجاتی ہے۔ اور یہہ مجمع بہی بذاتہا کچہہ کم فرحت بخش نظارہ نہیں۔ کیونکہ ترکی سپاہی اعلیٰ درجہ
کے قواعد دان ہیں اور انکی وردی بہی بہت عمدہ اور نفیس ہے۔ اون کے افسروں
کی وردیاں سنہری ایسی آنکہوں میں چکا چوند ڈال دیتی ہیں اور بالعموم تمام افسروں کے سینے
نشانوں اور تمغوں سے ڈہکے ہوتے ہیں۔ ہماری کہڑکیوں کے نیچے ایک ایک دو دو کرکے اسپ سوار
افسروں کی درخشاں جماعت جمع ہوگئی تہی۔ اور سامنے بیش بہا وردیاں پہنے ہوئے لڑکوں کا ایک
گروہ تہا۔ یہہ سلطان المعظم کے فرزند اور وہ لڑکے تہے جو اُنکے ساتہہ تعلیم پاتے ہیں۔ دیدار
سلطانی کی منتظر فوج کی صفوں میں سقے پانی پلاتے پہر رہے تہے پہلی صف والوں میں سے اکثر کو ہم نے
سقوں سے کٹورے لیکر پچہلی صف والوں کو دیتے دیکہا۔

اتنے میں ہمارے قریب کسی نے آواز دی "ہز اکسیلنسی وہ چلے آرہے ہیں" اس پر ہم نے
باہر جہانک کر دیکہا تو ہمارے سفیر کی گاڑی پہاڑی پر چلی آرہی تہی اور دو قواص سرخ درباری لباس میں
آگے بیٹہے ہوئے تہے۔ اسی وقت بالو سے بہری ہوئی متعدد گاڑیاں آگئیں۔ اون کے آگے گدہے
اور ٹٹو جتے ہوئے تہے۔ ان میں سے جہٹ پٹ ہمارے سامنے کی سڑک پر جس پر سے سلطان المعظم نے گذرنا
تہا۔ ریت بچہا دی گئی۔ یہہ آخری انتظام تہا جس پر تمام افسر جو نیچے کہڑے تہے خبردار ہوگئے۔ نوکر
چہوٹے چہوٹے سیاہ چرمی بکس لیکر مسجد کو دوڑ پڑے۔ اون میں اون کے آقاؤں کے تمغے جو نشانات
وغیرہ لگائے بغیر گہوڑوں یا گاڑیوں پر مسجد کو چلے گئے تہے اور اوس کے دروازہ پر جلوس میں شامل

ہوسنے ۔ بغیر سلطان المعظم کا استقبال کرینگے ۔ نشان تمغے اور کندہوں کے سنہری جہالریں بند تہیں ۔ اوس وقت اعلیٰ خواجہ سرا ۔ جو دراز قامت مضبوط جسم معمر حبشی ہے ۔ صحن سے آہستہ آہستہ نیچے اُترکر مسجد کی طرف روانہ ہوگیا ۔ ایک خادم اوسکے نشانات وغیرہ کا بکس لئے ہوئے آگے آگے تہا ۔ اعلیٰ ترین اراکین سلطنت (التی ہی) ہیں اوس کا درجہ تیسرے نمبر پر ہے یعنی خدیو مصر پر بہی فوقیت رکہتا ہے ۔ عین اس موقع پر ہمیں پیغام پہونچا کہ ہم اپنے سفیر کی کوٹہی میں جو اس عمارت کی نسبت محل سے زیادہ قریب ہے ۔ آجائیں ۔ ہم نے ایسا ہی کیا ۔ وہاں سے پہلی جگہ سے بدرجہا بہتر نظارہ ہوسکتا تہا ۔ ایک طرف یلدز کے پہاٹک دکہائی دیتے تہے اور دوسری طرف وہ پہاڑی ۔ جو فوج سواران کے عقب میں تہی ۔ ہم اپنی جگہوں پر بیٹہے ہی تہے کہ کسی نے آواز دی "وہ دیکہو خاتونان حرم آرہی ہیں" ۔ وہ نہایت خوبصورت چہ بند گاڑیوں میں سوار تہیں ۔ جو یکے بعد دیگرے یلدز سے نیچے اُترکر ہمارے دریچوں کے سامنے سے گذرتی ہوئیں مسجد کے صحن کے آہنی پہاٹک پر پہونچگئیں ۔ وہاں وہ ایک دوسری کے پیچہے کہڑی کردیگئیں ۔ گہوڑے کہول دیئے گئے اور خاتونیں جلوس کا نظارہ کرنیکے لئے گاڑیوں میں ہی بیٹہی رہیں ۔ جن کے دریچوں کے پردے آدہے آدہے اُٹہے ہوئے تہے ۔ ہر گاڑی کے ساتہ علیحدہ علیحدہ ایک ایک بدشکل و نکروہ حبشی خواجہ سرا ہوتا ہے ۔ والدہ سلطان سب پر فوقیت رکہتی ہیں ۔ موجودہ والدہ سلطان فی الحقیقت سلطان المعظم کی دایہ ہیں ۔ اونکی حقیقی والدہ اُنکے پیدا ہونیکے وقت فوت ہوگئی تہیں ۔ گاڑیوں کے مقابل سے گذرتے وقت اونکو نیم پردہ داشتہ چلمنوں میں سے ہم صرف بیگمات کی گلابی ۔ نیلگوں ۔ اور زرد زربفت کی پوشاکوں کی ایک جہلک دیکہہ سکے ۔ البتہ سلطان المعظم کی ایک خوردسال دختر بلند اختر کا چہرہ جسکی عمر ابہی اتنی نہ تہی کہ اوسے نقاب پہنایا جائے اور اوس نے چلمن کے اوپر سے طفلانہ اشتیاق اور اچنبہے کی نظر سے ہماری طرف دیکہا ہم کو اچہی طرح دکہائی دیا ۔

اِس وقت تک مسجد کا صحن پاشاؤں ۔ پادریوں اور ہر قسم کے عہدداروں سے جو زرق برق لباس پہنے ہوئے تہے بہر گیا ۔ صرف سلطان المعظم کی گاڑی اور انکے ہمرکاب افسروں کیلئے جگہ باقی رہی ۔ اب بارہ بجکر کچہہ منٹ ہوگئے تہے ۔ موذن مادنہ کی گیلری (یا آمدہ) پر جو مینار کی چوٹی پر اوس کے گرد اگرد بنی ہوئی ہے نمودار ہوگیا ۔ وہ اسی انتظار میں تہا کہ جونہی جلالت مآب کی سواری محل سے روانہ ہو ۔ اذان دینا شروع کرے

اب تک تمام رجمنٹوں کے بینڈ باری باری بجتے رہے تھے۔ موسیقی بالکل یورپین تھا۔ مگر اب وہ رک گئے
اور موذن کی پہلی صدا اللہ اکبر ہوا کے لطیف جھونکوں نے ہم تک پہونچا دی۔ وہ گیلری پر جنوب کی طرف
گھوم گیا تھا۔ اوسی طرح اوس کے اور ہمارے درمیان مینار کے حایل ہو جانے سے ہماری نظر سے
اوجھل ہو گیا تھا۔ وہ گیلری پر گھومتا ہوا۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَا
إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ۔ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا
رَّسُولُ اللّٰهِ۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ
اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ کے موثر فقرہ دوہراتا گیا اور اوس کے بتدریج ہماری طرف کو گھومتے
آنے سے اوسکی آواز زیادہ بلند ہوتی گئی۔ اتنے میں تازہ بچھائی گئی ریت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی
یہہ اون پاشاؤں کی لمبی قطار تھی جو جلوس کے اگلے سرے پر تھے۔ اونکی وردیوں پر جو نقشوں سے ڈھکی ہوئی
تھیں نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ وہ سڑک کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے کے پیچھے قطار باندہے
محل سے نکلکر پہاڑی سے نیچے اوترتے ہوئے مسجد کے دروازہ پر پہونچ گئے۔ اور وہاں اون لوگوں کے
آگے جو پہلے سے منتظر کھڑے تھے صف باندہ کر کھڑے ہو گئے۔ اون کے بعد پانچ یا چھ دوسرے
عہدہ دار گذرے۔ یہہ وزرا تھے اور سڑک کے بیچوں بیچ چل رہے تھے۔ اس وقت ہم کو سلطانی ترانہ۔
"حمیدیہ مارچ" کی ابتدائی سُریں سنائی دینی ہیں۔ یہہ اس امر کا نشان تھا کہ جلالتمآب یلدیز کی پھاٹک
سے باہر رونق افروز ہو گئے ہیں۔ اب تو سب کی گردنیں موکب ہمایوں کی اول جھلک دیکھنے کے لئے
محل کی طرف مڑ گئیں۔ سنو سنو!! یہہ تو صدائیں کیسی ہیں!! یہہ ہر ایک رجمنٹ کے حلقوں سے نکل
بلند کئے گئے نعروں کی آوازیں ہیں جو سلطان اعظم کے انکے مقابل سے گذرتے وقت نوبت بنوبت
بلند کر رہی ہیں۔ یہہ نعرے انگریزوں کے پر آواز اور گونجتے ہوئے فوجی نعروں (ہُرّاہ) یا اہالی سوئیڈن
کے نعرہ ہائے "زاد۔ راہ" یا جرمنوں کے نعرہ "ہُچ ہاک۔ ہاک" یا اہالی اٹلی کے مختصر نعرہ "ایوائے" کے
مشابہ نہیں بلکہ عمیق با جذبہ اور نغمہ گر ساتھہ ہی جوشیلا اور ہیبت انگیز مسلسل سریلی گونج کی سی آواز سے
مشابہ تہا۔ چند لمحوں کے بعد از سرتاپا سنہری گلٹ کی ہوئی پوشش دار ایک قسم کی چوپہیہ گاڑی جس پر
سبز مینا کاری تھی دکھائی دینے لگ گئی۔ اوس کے آگے دو شاندار خشکی گھوڑے جن پر طلائی ساز
پڑا ہوا تھا جتے ہوئے تھے۔ کوچبان شوخ نیلگوں رنگ کی وردی جو طلائی کام سے ڈھکی ہوئی تھی،

پہنے ہوئی تہا۔ دونوں طرف بہی وردیاں پہنے ہوئے سائیس گہوڑوں کو تہامے ہوئی ساتہہ ساتہہ تہے۔ اور تمام طرف جہاں تک نظر کام کرتی تہی بحری۔ فوجی۔ ملکی۔ ملازم و آقا ہر ایک شخص کے سر پر بہی کمال رواج یافتہ اور کمال پسندیدہ فس ہی فس نظر آتی تہی۔ گاڑی میں ایک میانہ قامت گراں جلال شخص سیدہا سادہ فوجی اوورکوٹ (لمبا کوٹ) پہنے ہوئے بیٹہا تہا سینہ پر کوئی تمغہ یا نشان کسی قسم کا نہیں صرف ایک خمدار شمشیر کمر سے بندہی ہوئی ہے۔ اور سر پر باقی تمام لوگوں کی طرح فس رکہی ہے۔ خمدار لمبی ناک بتا رہی ہے کہ اون کی والدہ ارمن تہیں۔ گذرتے ہوئے اونہوں نے اپنی تیز نگاہ آنکہیں اوٹہا کر ہمارے دریچہ کی طرف دیکہا۔ اوس وقت اون کے انداز سے معلوم ہوتا تہا کہ اونہوں نے چند کے چہروں کو پہچان لیا ہے۔ مگر بظاہر اون کا چہرہ بدستور ساکن اور بے تغیر تہا اوس پر کوئی حرکت یا جنبش نہ پائی گئی۔ نہ کسی کو اونہوں نے سلام کا جواب دیا۔ گو اون کے تمام جسم پر ایک خفیف سی ڈولتی ہوئی حرکت پائی جاتی تہی۔ جو ایسی خفیف تہی کہ ممکن ہے صرف گاڑی کی حرکت سے پیدا ہو رہی ہو اور عمداً نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت کے مقابل شیر پلیونا عثمان غازی بیٹہے تہے۔ حضور غازی ممدوح بہی ایسے شخص ہیں جو جلالت مآب کے ہر وقت کے رفیق و مصاحب ہیں اور جن پر سلطان المعظم کو پورا اعتبار اور بہروسہ ہے۔ گاڑی کے پیچہے نہایت ہی شاندار زین سواری کے چہہ خالص عرب گہوڑے آ رہے تہے جنکو ایک ایک سائیس تہامے ہوئے تہا۔

چکدار گاڑی آہستہ آہستہ گذر کر مسجد کے دروازہ میں داخل ہو گئی تمام پاشا نعرے بلند کرتے ہیں۔ اور گاڑی اون سنگ مرمر کے زینوں کے پاس جو عام کی آمد و رفت کی دروازہ سے بائیں طرف ہیں کہڑی ہو جاتی ہے جب سلطان المعظم جو اس تمام شان و شوکت اور جاہ و جلال کے مرکز اور روح رواں ہیں اپنی سیدہی سادہی صوفیانہ پوشاک میں گاڑی سے برآمد ہوئے تو موذن مینار کی گیلری کے کٹہرے پر جہک گیا اور حضور ممدوح کو مخاطب کر کے یہہ فقرہ جو صرف اسی موقع پر کہا جاتا ہے باواز بلند کہا "یاد رکہہ کہ تجہہ سے بہی ایک بڑا موجود ہے"۔ اسکے بعد سلطان مسجد[1] میں داخل ہو کر نظر سے اوجہل ہو گئے۔ اور

[1] مسجد کی اندرونی کیفیت سے ناظرین کو آگاہ کرنے کے لئے میں مولانا شبلی کے سفرنامہ سے سلاملق کا پورا بیان یہاں درج کر دیتا ہوں تاکہ اس ہفتہ وار شاہانہ جلوس اور مذہبی رسم کے پورے حالات سے ناظرین کو واقفیت حاصل ہو جائے۔ اور ایک سیاح کے بیان کردہ حالات کی کمی دوسرے کی تحریر سے

پاشا عام دروازہ کے راستہ نماز میں شریک ہونیکو لئے جلد جلد اندر چلے گئے جب نمازی زیادہ ہو لیں اور جامع حمیدیہ جو دوسری جامع مسجدوں سے بہت چھوٹی ہے بہر جائے۔ تو مصلے مسجد کے صحن میں بھی بچھا دیئے جاتے ہیں تاکہ سب نمازیں شریک ہو جائیں مسجد کے کھلے دروازوں اور دریچوں سے امام کی گنگناتی ہوئی آواز ہم کو سنائی دیتی رہی ادہر صحن والے نمازیوں کو ہر تکبیر پر ایک ساتھ کمال باقاعدگی سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹۔ پوری ہو جائی۔ مولانا شبلی حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:۔

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پُر اثر اور دلچسپ نہیں ہے۔ سلاملق ترکی لفظ ہے جسکا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے۔ چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کو سلام کرتے ہیں اسلئے اس رسم کو سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے سلطان عام طور پر قصر شاہی سے کبھی باہر نہیں نکلتے صرف نماز جمعہ پڑہنے کے لئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ اوس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے زبان یا قلم کے ذریعہ سے اسکی تصویر کھینچنی مشکل اور سخت مشکل ہے۔ باوجودیکہ مہینے میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع پیش آتا ہے اور اس وجہ سے اس کو ایک معمولی چیز خیال کیا جا سکتا ہے تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے کہ لوگ درختوں اور دیواروں کے کنگروں پر چڑھ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں اس موقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ موکب ہمایونی کی گذرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے چنانچہ ہر ایک جمعہ کو ان معزز تماشائیوں کا ایک معتدبہ مجمع موجود رہتا ہے میرے زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے اور اس مجمع میں شریک ہوتے تھے۔

میں ہندوستان میں یہ حالات سن چکا تھا۔ اسلئے قسطنطنیہ پہونچکر اول اسی کی سیر کا ارادہ کیا۔ ایک شامی عرب کو جن سے حال میں ملاقات ہو گئی تھی ساتھ لیا اور جامع حمیدیہ پہونچا۔ وہاں پہونچکر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے جمے ہیں اور موکب ہمایونی تک نظر کی رسائی بھی مشکل ہے۔ مجبوراً واپس آیا حسین حبیب آفندی جو کسی زمانہ میں بمبئی میں ترکش کانسل تھے اور اب قسطنطنیہ میں پولٹکل شعبہ میں ہیں۔ وہ مجھ کو اس ذریعہ سے جانتے تھے۔ کہ محاربہ روس میں میں نے بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انہی کے ذریعہ سے قسطنطنیہ کو روانہ کی تھی۔ اسی تعارف کی بنا پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن مسجد حمیدیہ میں آنا تمہارے لئے میں ٹکٹ لے رکھونگا لیکن بدقسمتی سے راستہ بھول گیا اور دیر سے پہنچا تو خوش قسمتی سے جب میں وہاں پہونچا تو وہ وہاں موجود تھے اور دیر تک مسجد کے دروازہ پر انکا انتظار کرتا رہا۔ قریباً ایک بجے جب سلطان کی آمد آمد کا غل ہوا تو فوجیں دو دو تک

رکوع و سجود اور قیام کرتے دیکھتے رہے۔ اب ہم کو اپنے دوستوں سے بات چیت کرنے کا موقع ملگیا ہم کو فرنچ سفیر۔ سویڈن کے ایلچی اور دوسرے حاضرین سے روشناس کرایا گیا۔ سیاہ وردی پہنے خدام نہایت اعلی قسم کی چاء لائے۔ اور سب میں سگرٹ تقسیم کئے گئے۔ اور سلطان المعظم کی مراجعت کے انتظار کا وقت بڑے خوشی اور لطف میں بسر ہوا تھوڑی دیر کے بعد رئیس التشریفات سب کو اپنے آقا نامدار کا سلام پہونچانے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۔ پہیل کر ہلال کی شکل میں صف آرا ہوگئیں اور تمام راستے رک گئے ہیں مایوس ہوکر مسجد میں داخل ہوا اور افسوس کرتا تھا کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی اور تمام میدان گونج اٹھا۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی سواری قریب آپہونچی اور یہ "بادشاہم چوق یشا" کا نعرہ تھا جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے۔ یہ نعرے پے در پے تین بار بلند ہوئے۔ کوکبہ سلطانی مسجد تک پہونچا اور نعروں کی گونج ابھی تمام نہیں ہوچکی تھی کہ موذن نے جو سلطان کے مشاہدہ جمال کا انتظار کر رہا تھا اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں آوازیں ملکر دل پر عجیب اثر کرتی تھیں۔ سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں ہے یعنی وہاں نماز نہیں پڑھتے اور جوتے پہن کر جاسکتے ہیں۔ گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب آکر ٹھہری مسجد دو منزلہ ہے اور اوپر کی منزل میں گیلری بنی ہے جو خاص سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ سلطان گاڑی سے اتر کر اوپر کی منزل میں گئے اور ان کے جانے کے ساتھ گیلری کے دریچوں پر اطلسی پردے چھوڑ دئیے گئے کہ ان پر کسی کی نگاہ نہ پڑسکے۔

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ خطیب ترک تھا عرب نہ تھا اسلئے اوس کے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے تاہم جب وہ سر خطبہ شروع ہوا اور اس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کرکے پرجوش آواز میں یہ الفاظ پڑھے۔ اللھم انصر ھذا السلطان ابن السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبدالحمید خان۔ تو عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔ میرا یہ حال تھا کہ آنکھ سے مسلسل آنسو جاری تھے اور دیر تک بے اختیار دعائیہ الفاظ نکلتے رہے عین اس موقع پر یکایک پندرہ بیس شخص جنکے ہاتھوں میں عرضحال اور درخواستیں تھیں اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تھے عرضی بیگی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تھا۔ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کرکے زمین تک جھکے اور زمین کو ہاتھ سے چھوکر ہاتھ کو چوما۔ اگرچہ یہ تمام باتیں خطبہ کے آداب اور سکوت کے خلاف تھیں تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں۔ دریافت

کے لئے داخل ہوئے۔ اور ہم کو پیغام دیا کہ انگریزی اور فرانسیسی سفراء کے بعد جلالت مآب ہمیں پرائیویٹ باریابی کا شرف عطا فرماویں گے۔ اس غیر متوقعہ خسروانہ کرم گستری اور عزت افزائی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱۔ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا۔ وہ اس ذریعہ سے اظہار مطلب کرتے ہیں اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر حیاپانہ اور فیاض ہے۔ اس طریقہ کو بند نہیں کیا۔

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حسیب آفندی ملے اور شکایت کی کہ میں تم کو ڈھونڈتا پھرتا تھا تم کہاں غایب ہو گئے تھے؟ بالا خانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا لیکن میں تمہارے لئے اس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں۔ نماز پڑھ کر تمام لوگ باہر چلے گئے تو سلطان گیلری سے اترے اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاملق کی بخوبی سیر ہو سکتی تھی اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا آکر ٹھہرے۔ افسران فوج اور پاشا صحن کے دائیں طرف صف باندھ کر کھڑے ہوئے حسین حسیب نے مجھکو اسی صف میں لاکر کھڑا کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ایک معزز افسر حسن اخلاق کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا اور میرے لئے جگہ خالی کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور طویل سڑک ہے فوجیں جو دور دور تک ہلال کی صورت میں صف آراء کھڑی تھیں۔ ایوان شاہی کے سامنے سے گزرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازہ سے داخل ہوتی تھیں اور دوسرے دروازے سے نکلجاتی تھیں صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ بحری۔ بری۔ توپچی۔ برق انداز۔ ترک۔ کرد۔ عرب کے جدا جدا دستے۔ موزون اور باقاعدہ رفتار۔ زرق برق اسلحے مختلف اور خوشنما وضع کی وردیاں۔ فوجوں کا پے در پے آنا اور وفادارانہ جوش کے ساتھ اپنے شہنشاہ کے سامنے سے گذرنا۔ ایسا عجیب و غریب سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا۔ عربوں کا رسالہ جو امپیریل گارڈ ہے انکے سروں پر عمامے تھے اور سبز شملے ہوا میں اڑکر عجب لطف دکھاتے تھے متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور کم و بیش دس ہزار فوجیں گذریں۔ آخیر میں سلطان کے دونوں شاہزادے آئے اور عجب شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں۔ اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے چہروں سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا۔ شاہزادے بھی جا چکے تو سلطان زینہ سے اترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا دفعتہً سلام کو جھکیں۔ میں ابتدا سے محو حیرت تھا اور آنکھوں کو

سے ہم حیران سے ہو گئے۔ جب ہو سنم ختم ہو تو نماز کے بعد سلطان المعظم ایک چھوٹے سے بالاخانہ میں جو ہمارے گرجوں کے بغلی کمرہ کی طرح مسجد کے متصل ہے رونق افروز ہو کر دریچہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲ ٹکٹکی لگ گئی تھی۔ پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہو گی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجالاؤنگا۔ لیکن بیخودی کا یہہ عالم ہوا کہ تمام صف کی صف دیر تک رکوع میں تھی اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا۔ البتہ زبان پہ دعائیہ الفاظ جاری تھے اور وہ بھی قصداً نہیں بلکہ ایک بے اختیاری حالت تھی۔

پانچ چار قدم پیادہ چلکر سلطان گاڑی پہ سوار ہوئے افسروں نے دوبارہ سلامی دی اور وہ عجیب و غریب سماں دفعتہً آنکھوں سے چھپ گیا۔ ع دیدہ من بار بجو اہم ہنوز۔ سلطان جس وقت زینہ سے اتر کر گاڑی کی طرف بڑھے ہیں۔ ہماری صف سے اُن تک صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تھا اور اس وجہ سے میں اچھی طرح اون کو دیکھ سکا۔ سلطان کا حلیہ یہہ ہے۔ قد میانہ بلکہ کچھہ نکلتا ہوا۔ بدن چھریرا۔ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہے بلکہ یہہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فکر میں ہیں۔ لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ۔ اور معمولی ترکش ٹوپی ہے۔

ترکوں میں سلاملق کا طریقہ ایک مدت سے چلا آتا ہے اور رسوم سلطنت کا ایک جزو ہو گیا ہے۔ اس سے فقط شاہانہ جاہ و جلال کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ بڑا فایدہ یہہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصہ کا جائزہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کل فوجیں جو پائے تخت اور اوس کے اطراف میں رہتی ہیں سال میں چند بار ملاحظہ سلطانی سے گذر جاتی ہیں۔ سلطان وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہے اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہو جاتے ہیں۔

میں یہہ تماشہ دیکھہ کر قیامگاہ پہ واپس آیا تو دل جوش اور اثر سے معمور تھا۔ شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود چست چست مصرعے زبان پہ آتے تھے۔ قلم و کاغذ لیکر بیٹھا اور کچھہ اشعار قلمبند کئے۔ پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بھی کچھہ بڑھ کر سامان ہوگا۔ اوس کو بھی دیکھہ لوں تو لکھوں۔ چنانچہ تمہید کے جس قدر اشعار اُسوقت تک موزون ہو گئے تھے لکھہ کر چھوڑ دئے تمہید کے آخر کے ان اشعار سے

دیں کہ پیر رسید کز اں جلوہ گاہ   تا چہ بود حاصل چشم و نگاہ

اس شعر تک۔

اور فوج کے دستے باری باری سے اون کے سامنے سے گذرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اوس دن سخت گرمی تہی اور فوجیں باجہ بجانے کے بغیر آہستہ آہستہ روانہ ہونی شروع ہو گئیں۔ فوج سواران داہنی طرف کو چلی گئی۔ اور گہوڑوں کے سموں سے گرد و غبار اُٹھہ کر دور تک ہم کو اوس سڑک کا پتہ بتاتا رہا جس پہ سے وہ واپس جا رہی تہی۔ اون کے بعد کئی دوسری رجمنٹیں بہی واپس چلی گئیں اور صرف وہ باقی رہ گئیں جو مسجد اور محل کی درمیانی سڑک پہ دو رویہ صف بستہ کہڑی تہیں۔ ہم دیکہتے رہے تہے کہ سلطان المعظم جس پلٹن کے پاس سے گذر جاتے تہے وہ اپنا رخ سڑک کی طرف سے ہٹا کر مسجد کی طرف کر لیتی تہی۔ آدہ ایک گہنٹہ کے بعد مصلّے اُٹہا لئے گئے اور پاشا مسجد سے باہر نکلکر پہر صحن میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اوسوقت ایک چہوٹے قامت کی نفیس سنگ مرمر کے زینوں کے پاس لائی گئی۔ اوس میں برف ایسی سفید دو کمال خوبصورت نقرئی گہوڑے جو قیصر آسٹریا نے تحفتاً ارسال کئے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۔ بزم چراغ جلوۂ زیبا پرست + دامن چشم ز تماشا پر است۔

یہی پیاس اور یہی جوش نظارہ مراد ہے۔

عید کے دن سلاملق نہ تہی اور اس وجہ سے فوج کی تعداد کم تہی۔ لیکن شان و شوکت جاہ و جلال۔ جو تمام اثر سلاملق سے بہی کچہہ بڑہ کر تہا۔ قریباً آٹہہ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گہنٹہ ڈیڑہ گہنٹہ تک تانتا بندہا رہا۔ اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں۔ لوگوں کو تعجب تہا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں معلوم ہوا کہ تمام وزرا۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی۔ سلطان کے جلوس میں پیادہ پا آ رہے ہیں۔ یہہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدہ میل تک تہیں۔ اور اونکے وضع اور لباس سے عجیب شان و شوکت کا اظہار ہوتا تہا۔ شانوں پہ پہندنے پہول۔ دامن اور آستینوں پہ کلابتون کی تحریریں جن میں مرصع اور طلائی تمغے سجے ہوئے ہیں۔ ان سب پر آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اُٹہا۔ یہہ صف جا چکی تو سلطان کا جمال جہاں آرا نظر آیا۔ جناب ممدوح گہوڑے پر سوار تہے۔ لباس بالکل سادہ تہا۔ چند بڑے سے بڑے نامور فوجی افسر کاسہ لیس تہے۔ گہوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹہاتا تہا اور ہر قدم پہ اس زور سے بادشاہم چوق یشا کا نعرہ بلند ہوتا تہا کہ تمام میدان گونج اُٹھتا تہا۔

میں یہہ سماں دیکہکر واپس آیا تو قلم دوات لیکر بیٹہا کہ جو کچہہ خود دیکہا ہے دوسروں کو بہی دکہا سکوں لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی۔ جو تصویر میں نے کہینچی ہے وہ بالکل نامکمل تصویر ہے۔

سے کھینچتے ہوئے تھے۔ سلطان باہر برآمد ہوئے۔ پاشاؤں نے زمین تک جھک کر فرشی سلام کیا۔ امیر المومنین گاڑی پر سوار ہو گئے۔ اوس کا پچھلا پردہ اٹھا دیا گیا۔ اور جلالت مآب باگیں خود پکڑ کر تیز دلگی سے محل ہمایون کو روانہ ہو گئے۔ سائیس۔ یاور اور پاشا۔ دولہ ہوئے سب کے سب پا رکاب ساتھ ساتھ دوڑے گئے۔ جلالت مآب نے واپس جاتے وقت دائیں بائیں کسی کی طرف توجہ نہ کی اور آناً فاناً محل کے دروازہ میں داخل ہو کر نظروں سے پنہاں ہو گئے اور سلاملق کا جلوس ختم ہو گیا۔

(۵) محل یلدز سرائے

میں اس پیغام کا اوپر ذکر کر چکی ہوں کہ سلاملق کے بعد سلطان المعظم ہمکو پرائیوٹ باریابی کا شرف عطا فرمائینگے۔ چنانچہ سلطانی حاجب ہم کو ایک دو کمروں میں سے ایک چھوٹے سے دیوانخانہ میں لے گیا۔ اسکی آرائش بہت ہی سادی صوفیانہ تھی۔ البتہ قالین نہایت قیمتی بچھے ہوئے تھے۔ دیوان خانہ میں ہم نے اعلیحضرت گرینڈ ماسٹر آف سیری منیز (رئیس التشریفات)، انگریزی سفیر اور اوس کے اول ترجمان کو پایا۔ جلالت مآب سے گفتگو آخر الذکر کی وساطت ہوئی۔ کیونکہ یہہ قاعدہ ہے کہ سلطان المعظم ترکی کے سوائے اور کسی زبان میں تکلم نہیں کرتے۔ اور گو وہ فرنچ زبان کے بڑے عالم ہیں یہہ آداب شاہی میں داخل ہے کہ وہ کسی غیر زبان کو سمجھ سکنے کا بھی اظہار نہ کریں۔ پس حضور ممدوح جس سے گفتگو کر رہے ہوں اگر وہ فرنچ زبان میں ہی کیوں نہ کچھ کہے جسے سلطان المعظم بخوبی سمجھتے ہیں ترجمان کو اوس کا ترجمہ ترکی زبان میں کر کے سلطان کو سنانا پڑتا ہے۔

جلالت مآب میرے خاوند سے ایسی خوش اخلاقی کے ساتھ اور مجھ سے اور میرے فرزند سے ایسی شفقت اور نوازش سے پیش آئے کہ وہ نہ صرف ہماری توقع سے ہزارہا درجہ بڑھ کر تھی۔ بلکہ اوس سے زیادہ کوئی خوش اخلاقی اور شفقت ہو ہی نہیں سکتی۔ حضور ممدوح نے خود سگرٹ پیش کئے اور دست مبارک سے دیا سلائی روشن کر کے میرے خاوند کو دی۔ ہم سب دائرہ کی شکل میں کرسیوں پر بیٹھے۔ مجھ کو سلطان المعظم نے اپنے دائیں ہاتھ بٹھایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے پروفیسر کی ایک تصنیف کا فرانسیسی ترجمہ مطالعہ کیا تھا۔ اون کے خوبصورت دارالخلافہ کا ہم (فقرہ جو ہم ابتک نگیہ چکے تھے) اوسکی تعریف ہماری زبان سے سنکر بہت محظوظ ہوئے۔ اور جب ہم کو رخصت کر چکے لڑکے سے

اُٹھے تو میرے خاوند کو مجیدیہ تمغہ عطا فرمایا - اور مجھ کو اپنے بازو کا سہارا دیکر کمرہ کے دروازہ تک چھوڑنے آئے - عزت افزائی اور شاہانہ تواضع کا یہہ انتہائی درجہ تہا - اور دوسرے ہی دن کل اخبارات نے اسکا لمبا چوڑا ذکر کرکے ہم کو بڑی مبارکبادیں دیں -

سلطان المعظم نے ازراہ عنایت خسروانہ بدوران ملاقات ارشاد فرمایا تہا کہ ہم کو حضور ممدوح کے پرائیویٹ عجائب خانہ کتب خانہ اور باغ کا بہی معاینہ کرایا جائیگا - چنانچہ ہم ایوان سے باہر آئے تو ہم نے ایک چیمبرلین (حاجب)[1] اور اعلیٰ داروغہ اصطبل کو اس انتظار میں ایستادہ پایا کہ بارگاہ سلطانی سے برآمد ہونے پر ہم کو محلسرا سلطانی کے وہ مقامات دکہلادیں - جہاں اجنبیوں کو بار نہیں ملتا - مشہور سیاح پروفیسر ویمبری[2] کے بعد جو سلطان المعظم کا بے تکلف اور گاڑہا رفیق ہے غالبًا ہم ہی ایسے پہلے اجنبی ہیں - جنکو محل کے یہ حصے دیکہنے کا اتفاق حسنہ نصیب ہوا ہے - جس کوشک میں ہم کو شرف باریابی عطا کیا گیا تہا - وہ اس کمرہ کے عین عقب میں ہے - جہاں سے سفرا اور جلوس سلاملق کو معاینہ کرتے ہیں - کوشک مذکور سے باہر نکلکر ہم پہاڑی کے اوس ڈہالو راستہ پر چلے جس پر سے اوتر کر سلطان المعظم گاڑی پر جامع مسجد کو تشریف لیجاتے ہیں اوپر کو چڑہنے اور یلدز سرا کے بڑے پہاٹک میں سے گذر کر بائیں طرف کو مڑ گئے - دائیں جانب حرم سرا کی سربفلک بے دریچہ دیواریں کہڑی ہیں جنکے برابر انگلستان کے کسی جیلخانہ کی بہی دیواریں بلند نہیں - ہم ایک بند دروازہ کے راستہ جس پر زبردست پہرہ موجود تہا ایک چاردیواری کے اندر داخل ہوئے - بائیں ہاتھ ایک خوبصورت کوشک بنی ہوئی تہی - اوس کے قریب سے ایک سنگین روش کے راستہ ہم اچانک ایسے موقعہ پر پہونچگئے جہاں کا نظارہ عجب کیفیت بخش اور حیرت خیز خوبصورت تہا - محل یلدز قسطنطنیہ کی سب سے بلند پہاڑی پر واقع ہے - وہاں ہمیں اپنے سامنے ایک کلاں جہیل یا مصنوعی دریا پہیلا ہوا نظر آیا - وہ ہر قسم اور وضع کی کشتیوں اور قایقوں سے پٹا ہوا تہا - اون میں ایک کشتی ایسی بہی تہی جو برقی طاقت سے چلائی جاتی تہی - چاروں

[1] یہہ شخص نہایت ہی دلفریب ہے - اور اوسکی ملاقات سے طبیعت کو کمال فرحت حاصل ہوتی ہے - آجکل وہ جلاوطن ہے کیونکہ نوجوان ترکی پارٹی کا وہ بڑا سرگرم رکن ہے - مصنف
نوجوان ترکی پارٹی کا بست سالہ عہد حکومت کے ضمیموں میں مفصل ذکر ہوچکا ہے یہاں توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں - مترجم

[2] اس ہنگرین پروفیسر کے بعض لیکچر کتاب بست سالہ عہد حکومت میں درج ہیں - مترجم

طرف سے باغ وہاں کہاٹے ہوئے اوسکے کناروں تک چلے آئے تھے۔ گہاس کے تختے سبزی میں انگلستان کے بہترین باغ کو مات کر رہے تھے اور خود گہاس بھی کمال صفائی کے ساتھ ترشا ہوا تھا۔ ہر طرف نہایت خوبصورت چھوٹے چھوٹے پودے اور نمائشی کھجوریں لگی ہوئی تھیں اور پھولوں کے حاشیے تو سچ مچ بقعہ نور معلوم ہوتے تھے۔ ہوا نارنگی کے پھولوں کی خوشبو کے بوجھ سے دبی جاتی تھی اور باغبان تختوں میں گہاس بلکہ روشوں پر بھی جو کنکر سے بھری ہوئی تھیں چھڑکاؤ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ حرم کی دیوار جو ہمارے دائیں ہاتھ تھی اس جگہ چاردیواری کے بیرونی حصہ کی طرح برہنہ نہ تھی۔ بلکہ بانک کے یا سفید گلاب سلوج لکھی۔ خوشبودار و ربیا صلیب نما پھولوں اور دیگر کئی اقسام کی بیلوں سے تا لب بام ڈھنپی ہوئی تھی۔ اسکے سامنے ایک بہت بڑا کبوتر خانہ بنا ہوا تھا جو نصف کے قریب اپنی بیلوں سے چھپا ہوا تھا۔ اور ہزاروں سفید کبوتر جن جانوروں سے رسول خدا کو بہت محبت تھی اڑتے ہوئے اوس سے باہر نکل رہے یا اندر داخل ہو رہے تھے اور اس کل مجموعہ کو مشرق کی چمکدار دہوپ جس میں ہر چیز ایسی صفائی سے دکھائی دیتی ہے کہ انسان میں بعد مسافت کی تمیز تقریبًا معدوم ہو جاتی ہے سنہری رنگ سے رنگ رہی تھی۔ جبل کے آخر ہی سرے پر صحرائی مرغابیوں کو پھیلانے کے لئے ایک پالتو بطخ موجود رہتی ہے۔ وہاں سلطان المعظم اکثر شکار کھیلا کرتے ہیں۔ اوس سے پرے باسفرس کے کنارے تک رمنہ (سیرگاہ) پھیلا ہوا ہے۔ اوس کا کچھ حصہ ہم کو سطح بالا موقع سے دکھائی دے رہا تھا۔

ہم کبوتر خانے سے پرے کی ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ اوس میں ایک ہی لمبا سا کمرہ ہے۔ جو بیش بہا خزاین اور اشیا سے معمور ہے اور یہی سلطان المعظم کا پرائیویٹ عجائب خانہ ہے۔ اوس میں وہ تمام تحائف جو حضور ممدوح کو موصول ہوئے ہیں اور نیز اون کے بعض متقدمین کے وقت کی بھی بیشمار قیمتی چیزیں نہایت سلیقہ اور خوبصورتی سے ترتیب دے رکھی ہیں بیشمار کلاک (دیواری گہڑیاں) اور جیبی گہڑیاں مرصع نہریں سنہری بنی ہوئی چیزیں صندوقچے کمال خوبصورت مجلد کتابیں۔ تمام قسم کے ظروف چینی بڑی اور چھوٹی تصویریں۔ مرصع زیورات ہر قسم کے۔ الغرض نوع بنوع کی گوناگوں بیش بہا اشیا اوس میں موجود ہیں جو سب کی سب الماریوں میں اس طرح سے باسلیقہ چنی ہوئی ہیں کہ انسان ہر ایک کو فردًا فردًا بغور دیکھ کر پورا حظ اٹھا سکتا ہے۔ اوس میں اوس گڑبڑ اور خلط ملط کا نام و نشان نہیں جو قدیم محلسرا کے خزانہ میں پائی جاتی ہے۔ ایک سیدھی الماری

میں سیور[1] کی ساخت کی نہایت ہی خوبصورت ۲۴۰ رکابیاں نیلگوں چینی کی رکھی ہیں۔
یہہ شہنشاہ نپولین نے بطور تحفہ بھیجی تھیں۔ ہر ایک کابی نہایت دلپذیر مخملی خانہ میں ہے۔ ۱۲۰ الماری
کی ایک طرف ہیں اور ۱۲۰ دوسری طرف۔ ایک ایک کابی صناعی و دستکاری کا اعلیٰ اور کامل ترین نمونہ
ہے چیزوں کے نام جو لکھے ہیں بعض بعض جگہ غلطی ہو گئی ہوئی ہے۔ مثلاً ایک تصویر کی نسبت تختی پر جسے ہم نے
پہچان لیا کہ لارڈ پامرسٹن[2] (مرحوم۔ سابق وزیر انگلستان) کی ہے۔ شوہر ملکہ معظمہ لکھا ہوا ہے۔ ایک ایک
چیز کی پڑتال اور معاینہ میں اگر ہم کئی کئی گھنٹے لگا دیتے تو بھی طبیعت سیر نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر وقت
تھوڑا تھا۔ اور اوس میں کل مقام دیکھنے تھے۔ یہاں سے ہم پرائیویٹ اصطبلوں کو گئے۔ یہہ بھی حرم سرا
کی چار دیواری کے اندر ہیں۔ اُن میں خالص ترین عرب نسل کے بارہ عرب راہوار بندھے ہوئے تھے۔
سلطان المعظم یلدز سرا کے رستہ میں ان ہی پر زین سوار ہو کر یا ان کو گاڑی میں جتوا کر ہوا خوری کرتے
ہیں۔ وہ سب کے سب نقرئی یا سمند تھے۔ ہم نے کتوں کا کہیں وجود نہ دیکھا۔ مشرق میں اونکی کوئی
قدر و منزلت نہیں۔ ہاں یہہ سنا کہ سلطان المعظم کے پاس انگورہ (انقرہ) کی سفید بلیونکی ایک نہایت
ہی خوبصورت اور بے نظیر نسل ہے۔ اون سے اون کو کمال محبت ہے۔ اور کبھی کبھی اون کے بچے اپنے دوستوں
کو بھی عطا کر دیتے ہیں۔ مگر میں نے ان بلیوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ دل بہلانے والے جانوروں
کی قسم سے ہمیں صرف ایک کلاں جسم طوطا نظر آیا جو حرم سرا کے دروازہ پر پنجرہ میں بند تھا جب ہم
اوس کے پاس سے گذرے تو کسی نامعلوم زبان میں جو غالباً ترکی ہو گی اوس نے چند فقرے کہے
حرم سرا کے دروازہ سے باہر نکلنے پر حاجب ہم سے رخصت ہو گیا۔ وہاں دو گاڑیاں ہم کو
شاہی اصطبلوں میں پہونچانے کے لئے کھڑی تھیں۔ ہم سوار ہو گئے۔ اور حرم سرا کی چار دیواری کے
گرداگرد خوبصورت درختوں کے رستہ میں سے پتھر کی ایک بڑی عمارت پر پہونچ گئے۔ ہم گو حرم سرا کی
چار دیواری سے باہر ہو گئے تھے۔ مگر ابھی تک یلدز سرا کی بیرونی چار دیواری کے اندر ہی تھے۔ رستہ ایسا پر فضا
تھا کہ اگر اوس کے پرلے سرے پر ہم کو باسفرس کا دلفریب پانی نظر نہ آ رہا ہوتا تو بلا مبالغہ یہی

۱؎ فرانس کا ایک شہر جو وہاں کے دار الخلافہ پیرس سے بجانب جنوب مغرب چھہ میل کے فاصلہ پر واقع اور ظروف چینی کیلئے شہرہ آفاق ہے۔ وہاں کی آبادی سات آٹھہ ہزار کے قریب ہے۔ مترجم

۲؎ ۱۷۸۴ء میں پیدا اور ۱۸۶۵ء میں فوت ہوا۔ مترجم۔

گمان ہوتا کہ ہم انگلستان کے کسی رمنہ سے گذر رہے ہیں۔ پتھر کی اس عمارت میں صرف گھوڑوں کا اصطبل ہے۔ سیاہ فام اور سفید رنگ سائیس چمکدار وردیاں پہنے ہر طرف موقع بموقع کھڑے تھے۔ طویلے دو رویہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک ایک طویلہ یا کمرہ میں ایک۔ ایک گھوڑی بندھی تھی۔ ہم گاڑیوں سے اُتر کر درمیانی راستہ پر پیدل چلکر ان خوبصورت جانوروں کو جن کے چمڑے ملائم اور چمکدار۔ آنکھیں مست اور نیز فہم اعضا کال وضع دار تھے دیکھتے گئے۔ میزار وغد نے ان میں سے خوبصورت ترین گھوڑی کی طرف اشارہ کرکے حکم دیا کہ زین کسکر اوسے ہمارے سامنے پھرا کر دکھایا جائے۔ اوسکا رنگ سفید براق تھا دم لمبی اور خمدار۔ اور بعینہ اوس شکل کی تھی جیسی کہ تصویروں میں نہ کوں اور اون کے گھوڑوں کی دکھائی جاتی ہے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ مجھے اسلئے پھرایا جا رہا ہے چنانچہ اوس نے اپنا فرض ٹھیک کسی ویسی ملکہ حسن و جمال کی طرح جو اپنی خوبصورتی اور رعنائی سے واقف ہو۔ قابل تعریف طریق سے ادا کیا۔ یہاں سے سوار ہو کر ہم پھر دوسرے اصطبل میں گئے۔ یہ گھوڑوں کا تھا جو سب کے سب سانڈ ہیں۔ گھوڑے مختلف نسلوں کے تھے۔ ان میں دو دو سفید آسٹرین تھے۔ جو صبح کو واپس آتے وقت سلطانی گاڑی میں جتے ہوئے تھے۔ چند نہایت ہی مضبوط مشکی رنگ کے روسی گھوڑے تھے۔ سائیسوں نے ہم کو جاتے ہی کہدیا کہ اُن کے قریب نجائیں۔ کل اصطبلوں کا انتظام خفیف جزئیات تک کمال پسندیدہ اور جدید ترین فیشن کے مطابق تھا۔ یہاں بھی ایک گھوڑے پر زین ڈالی گئی اور ہمیں پھرا کر دکھایا گیا۔ اس اصطبل سے باہر کئی بڑی بڑی مسقف عمارتیں تھیں جنکی چھتیں دیواروں کی بجائے ستونوں اور محرابوں پر قایم ہیں۔ ان میں سلطان المعظم کی طرف سے رمضان کے مہینہ میں ہر رات کئی ہزار غربا کو اور عید کے دن بیشمار مخلوق کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ یہاں سے ہم اوسی راستہ جس پر سے آئے تھے۔ یلدز سرار کے پھاٹک کو واپس گئے اور ان سب نظاروں سے جو فرحت حاصل ہوئی تھی۔ اوس کا اظہار کرکے وہاں پر میزار وغد سے رخصت ہوئے اور پھر اپنی گاڑیوں پر سوار ہو کر اپنے مکان کو واپس چلے آئے۔

اوس سے دو دن بعد سلطان المعظم کی دعوت پر میرا خاوند اور فرزند رات کے وقت محلسرا سلطانی میں شریک ضیافت ہوئے۔ اوس موقع پر جب میرے خاوند نے جلالت مآب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ وہ یلدز سرار کے متذکرہ بالا مقامات کو دیکھکر کمال محظوظ ہوا ہے تو حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا "تم نے میرا پرائیویٹ کتب خانہ نہیں دیکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اوسے بھی تم ضرور دیکھو۔" ہم نے اس کا

ذکر صادق بک سے کیا۔ بک موصوف کو چو سلطانی یاور تھا۔ جلالت آب نے اس کام پہ مامور فرما دیا تھا کہ جب تک ہم ممالک محروسہ میں ہیں جہاں ہم جائیں ہمارے ساتھہ جاکر ہم کو ہر ایک چیز کی سیر کرائے۔ وہ بہت خوش اخلاق شخص ہے۔ اور یہہ زیادہ تر اُسی کی مسلسل نوازش و شفقت اور توجہ کا باعث تھا کہ قسطنطنیہ میں ہمارا وقت ایسی خوشی اور مسرت کے ساتھہ بسر ہوا۔ اوس نے فوراً اس بات کا انتظام کر دیا کہ ہم دوسرے دن کتب خانہ کو دیکھہ سکیں۔

چنانچہ ہم یلدز سرا کے بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہوئے۔ مگر داخل ہوتے ہی دائیں طرف کو مڑ گئے۔ اور حرم سرا کی چار دیواری سے باہر باہر ہی رہکر جلد ایک کونسک میں جس میں ایک ہی طویل و بلند کمرہ بنا ہوا ہے پہونچ گئے۔ یہہ سلطان المعظم کا پرائیویٹ کتب خانہ تھا۔ اس کا مہتمم ایک پیرانہ سال مقبول صورت اور خوش خلق ترک تھا۔ وہ اپنی مادری زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول سکتا۔ تاہم اپنے زیر اہتمام کتابوں کا عاشق شیدا اور اُن پر کمال نازاں ہے۔ اوسکے ماتحت سات یا آٹھہ ذہین طبع اسسٹنٹ تھے۔ مہتمم نے ہم کو جھٹ پٹ ایک میز کے گرد بٹھا کر کتابوں کی فہرست جو نہایت احتیاط سے تیار کیگئی ہوئی اور خوب مُرتب تھی ہمارے سامنے رکھہ دی۔ اور صادق بک ترجمانی کا کام دینے کے لئے ہمارے قریب کھڑے ہو گئے۔ میرا خاوند جس کتاب کا نام بتاتا۔ اوسی وقت وہ معمر ایسی مخلصانہ مستعدی سے تلاش کر کے فی الفور لے آتا۔ کہ اوسے دیکھہ کر دل پر واقعی اثر ہوتا تھا۔ اسسٹنٹ بھی قابلیت کے ساتھہ اوسے امداد دیتے رہے۔ پہلے وہ چند خوبصورت فارسی زبان کے قلمی نسخے لائے۔ اون کے صفحوں اور جلدوں پر سنہری کام تھا۔ پہر میرے خاوند ... ہندوستان کی معرفت انہیں کہا کہ کتب خانہ میں اگر ... ہندوستان کی کوئی کتابیں ہوں تو میں اون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ چند لحظوں میں پہرتی کر کے ویسی سب کتابیں لے آئے۔ مگر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ زیادہ تر فن موسیقی پر یا فن تصنیف کتابیں ہیں۔ بعد ازاں وہ قرآن شریف کے چند قلمی نسخے اور تفسیریں ہمارے سامنے لائے۔ اور اسکے بعد ہم سے درخواست کی کہ کمرہ میں گشت کر کے کل کتابوں کو ایک نظر ملاحظہ کر لیں۔ الماریاں گول اور بہترین ساخت کی تہیں اور پہرائی جا سکتی تہیں۔ کمرہ کے ایک سرے پر انگریزی۔ فرنچ اور جرمن زبان کے مستند مصنفین کی تصنیفات کا بہت عمدہ ذخیرہ تھا۔ کمرہ کے وسط میں آئینہ دار الماریاں تہیں۔ جو رنگا رنگ جلدوں کی با تصویر کتابوں سے بھری ہوئی تہیں۔ ان میں سے اکثر بطور تحفہ موصول ہوئی تہیں جب تک میں

خاوند صادق بک کی وساطت سے پیرانہ سال مہتمم کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اسسٹنٹ مہتمم اور میرے فرزند کو استنبول کی شاہی عمارات اور ممالک محروسہ عثمانیہ کے دیگر مقامات کی چند نہایت ہی خوبصورت عکسی تصویریں دکھلاتے رہے۔

ان لوگوں نے ہم کو خوش کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا اور کمال خوش اخلاقی اور توجہ سے پیش آئے سلطان المعظم نے اون کو ہمارے آنے کی پہلے سے خبر بھجوا دی تھی۔ مہتمم نے ہم سے ذکر کیا کہ جلالت مآب کو اس کتب خانہ سے بہت اُنس ہے اور تقریباً ہر روز بلا ناغہ یہاں تشریف لاتے ہیں۔ میرے خاوند نے حضور ممدوح سے اپنی تصنیفات پیش کرنے کی اجازت ملنے کی درخواست کی تھی۔ مہتمم نے ہمیں بتایا کہ سلطان المعظم نے مجھے حکم بھیجا ہے کہ جب وہ کتابیں آئیں اون کو نمایاں جگہ پر رکھو۔ ہم اس دلکش مقام سے طبیعت پر بڑا جبر کرکے رخصت ہوئے۔ حضرت مہتمم مع اپنے تمام عملہ کے دروازہ تک ہمارے ساتھ آیا اور وہاں سے وہ مشرقی قاعدہ کے مطابق مودبانہ فرشی سلام کرکے یعنی دایاں ہاتھ پہلو سینہ اور پھر پیشانی پر رکھ کر واپس ہوگئے۔ ہم کتب خانہ میں دو گھنٹہ ٹھہرے۔ جو وقت وہاں کے عملہ کی نوازش اور خوش اخلاقی سے بہت خوشی کے ساتھ بسر ہوا۔

(۶) رسول اللہ

زمانہ قدیم یعنی بت پرستی کے زمانہ کی عجائبات کا بھی ایک عجائب گھر اب قسطنطنیہ میں قایم ہوگیا ہے جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ زمانہ کی رفتار اور ترقی کے سامنے بتدریج کل تعصب اور توہمات دور ہوتے جاتے ہیں عجائب گھر کی عمارت کے گرداگرد جو یونانی سنگی مورتیں رکھی ہوئی ہیں وہ سب کی سب بے سر ہیں۔ یہ عام امر اوس سلوک کو جو زمانہ قدیم کی ان نادرۂ روزگار عجوبات سے گذشتہ زمانہ میں ہوتا تھا بخوبی واضح کر رہا ہے۔ مگر اب نقشہ بالکل بدل گیا ہے۔ ان بے سر اور شکستہ مورتوں کو درست کرنے کی گو کوئی کوشش نہیں کیگئی جنکی اگر درستی کر دیجائے تو اشیاء قدیم کے تمام شائقین نہایت ممنون ہوں۔ تاہم اسوقت جو پرانی چیزیں نئی دستیاب ہوتی ہیں۔ اونکا ایک ایک ذرہ اور ٹکڑہ نہایت احتیاط سے جمع کیا جاتا ہے اور اگر ممکن ہو تو اس شکستہ ٹکڑے کو اوس کے مناسب موقع پر جوڑ دیا جاتا ہے اسلامی ملک میں ایسا ہونا بالکل نئی بات ہے۔ اور اکثر دیگر چیزوں مثلاً بیل۔ مار مچھلی۔ اور سفرنامہ اخبارات

وغیرہ کے اجزائے کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ ٹرکی بالیقین ترقی کر رہی ہے
اور اکثر لوگوں کا جو یہہ خیال ہے کہ اسلامی ممالک کبھی ترقی نہیں کر سکتے اور اسی طرح ٹرکی بھی مسلمانوں
کا ملک ہونیکی وجہ سے بالکل بے حس و حرکت پڑی ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔ اہالی فرنگستان کا یہہ مقولہ بھی
کہ اسلام اور ترقی دو متضاد چیزیں ہیں۔ اون بیشمار غلط اور مشہور عام مقولوں میں سے ہے جن میں صداقت کا
صرف چھوٹا سا ذرہ غلط فہمی کی مقدار کثیر سے ڈھنپا ہوا ہے۔ یہہ بالکل درست ہے کہ مسلمان اپنے مذہب
اور اپنی پرانی رسم و رواج اور احادیث و روایات قدیمہ کے سخت گرویدہ ہیں۔ وہ ان روایات کو تقریباً
ویسا ہی مقدس سمجھتے ہیں جیسا کہ قرآن شریف کو۔ اور معاشرت و زندگی کے روزمرہ کے کاروبار
میں بھی انہی پر دار و مدار رکھتے ہیں۔ اسی طرح ترک بھی لا کلام بڑے پابند مذہب اور لکیر کے
فقیر بلکہ بعض معاملات میں وہمی مزاج اور تنگ خیال بھی ہیں۔ وہ ہر قسم کی فلسفیانہ بلند خیالیوں کے
بڑے مخالف ہیں۔ گو ان میں سے چند اشخاص صوفیا کے پراسرار طریقہ کے پیرو ہیں۔ تاہم عوام جس
بات میں آزاد خیالی کی بو بھی پائی جائے اوس سے سینکڑوں کوس پرے بھاگتے ہیں۔ جتنی کہ ایران میں
جو کئی باتیں گوارا کر لی گئیں ہیں۔ اون کو ٹرکی میں کبھی پسند نہ کیا جائے جس خلوص اور صدق دلی سے
ترک اپنے مذہبی فرائض کو ادا کرتے ہیں اوسے دیکھکر غیر مذہب والے کو بھی سچی فرحت حاصل
ہوتی ہے۔ کوچہ و بازار میں راہ چلتے چلتے ہم اکثر دیکھ گئے کہ جب نماز کا وقت ہوا۔ عام آدمی ہوں یا بھیا
حمال ہوں یا گداگر۔ فوراً قبلہ رخ ہو کر رکوع و سجود میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ مسجدوں میں ہر روز لوگ نماز
پڑھنے جاتے ہیں اور اوس سے فارغ ہو کر پھر گھروں یا دکانوں کو لوٹ جاتے ہیں اور اپنے دنیاوی
کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ مساجد میں زیادہ تر مرد جاتے ہیں جن میں جوان بوڑھے سب عمر کے
ہوتے ہیں۔ جمعہ کے دنوں کو تمام مسجدیں بھر جاتی ہیں۔ اور نمازیوں کا بڑا کام یہہ ہوتا ہے کہ یا چپکے چپکے
دل میں نماز پڑھیں یا امام کے پیچھے چپ چاپ کھڑے ہو کر قرآن شریف کی قرات سنیں۔ یا نماز کے بعد
اخلاقی و مذہبی بلکہ پولٹیکل (سیاسی) امور پر وعظ و نصیحت اور خطبہ سنیں۔ جامع ایا صوفیا میں امام کو
تلوار پر سہارا لگائے محراب پر چڑھتے ہوئے اور پھر تلوار کو کندھے کی اوپر وسے ہلاتے ہوئے خطبہ دیتے
یا وعظ کرتے دیکھنا قابل دید نظارہ ہے خواہ اوس کے دیکھنے سے ہم عیسائیوں کے دلوں میں جو خیالات پیدا
ہو جائیں وہ کسی طرح کے ہی کیوں نہ ہوں۔ وعظ ہمیشہ اخلاقی اور مذہبی معاملات پر ہی نہیں بلکہ بعض

وقت پولیٹیکل قسم کا بھی ہوتا ہے۔ اور عوام الناس اوس کو ویسے ہی غور سے سنتے ہیں جس غور سے کہ وہ قرآن شریف کی کسی سورت کو سنیں۔ البتہ یہہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ دیگر مذاہب کی مقدس کتابوں کی طرح قرآن شریف میں بھی فقط مذہب کے بنیادی اصولوں کا ہی نہیں بلکہ معاشرت[۱۵] اور تمدن کی چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے متعلق بھی متعدد جزوی قواعد درج ہیں۔ اُن معاشرتی قواعد میں سے بعض ایسے ہیں کہ وہ فقط صحرا کے بدوؤں کے حسب حال تھے۔ اُن پر یورپ کے موجودہ بڑے بڑے شہروں میں سے کسی ایک میں کاربند ہونیکی چنداں احتیاج ہی نہیں۔ بلکہ یہہ کہ وہاں اُن پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اونکی سوسائٹی کا نقشہ اوس سوسائٹی سے جو ان اخلاقی قواعد کو وضع کرتے وقت (حضرت) محمد[۱۶] (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے موجود تھی بالکل مغایر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب ممدوح کے پیرووں نے اون کے اس ارشاد کو بالکل بھلا دیا ہے۔ کہ میں بھی[۱۶] تم جیسا ایک انسان ہوں جب میں مذہب کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں۔ تو اوسکی تعمیل کرو مگر جب میں تم کو دنیاوی معاملات کے متعلق کچھہ حکم دوں تو اوسوقت میں بھی تم جیسا انسان ہوں"۔ حالانکہ حضرت ممدوح کے وقت سے اب زمانہ کی ہر چیز کا رنگ ڈھنگ بدل گیا ہے۔ اور ان کے کئی قواعد جدید حالات پر اطلاق کئے جانیکے قابل نہیں رہے۔ جس نظر سے ابتدائی خلفا کے فاتح و منصوبوں[۱۷] غیر مذاہب کے لوگوں کو

---

[۱۵] میں اسجگہ پروفیسر میکب سول کے ساتھہ بحث کرنا پسند نہیں کرتا ایسی سطحی اعتراضات کے جواباب قبلہ سرسید مرحوم اور آنریبل سید امیر علی صاحب ایسے جادو نگار مفصل اور واضح طور پر دیچکے ہیں انہی قواعد کی خوبیاں کم نظر عیسائی جنہیں پر جو پچاس ساٹھہ برس ہوئے اس بات کے قابل ہی نہ تھے کہ اسلام کے کسی قاعدہ میں بھی کوئی خوبی ہوسکتی ہے اب خود بخود بتدریج واضح ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اور وہ وقت بعید نہیں کہ اونکی سب احکام کی موزونیت اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے حسب حال ہونیکی کیفیت پوری پوری واضح ہوجائیگی۔ مترجم

[۱۶] پروفیسر کے اس فقرہ سے عیسائیوں کی غلط فہمی کی اصل کنہ ناظرین کو معلوم ہوگئی ہوگی بات یہہ ہے کہ منصف مزاج سے منصف مزاج عیسائی بھی یہی خیال رکھتا ہے کہ یہہ احکام قواعد حضرت سرور کائنات کے خود وضع کردہ تھے۔ حالانکہ اونکی واضع وہ ذات برتر و اعلیٰ ہے جس کے علم سے ماضی حال اور استقبال کی ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں۔ مترجم

[۱۷] یہہ حدیث بھی درست محل پر استعمال نہیں کیگئی حضرت سرور کائنات نے صرف اپنے ارشادات کی ایک قسم کی نسبت ایسا بیان فرمایا تھا۔ نہ کہ قرآن کریم کے احکام کی نسبت جنکے وہ صادر کنندہ نہ تھے بلکہ محض سنا دینے اور پہونچا دینے والے۔ مترجم

[۱۸] یہاں بھی پروفیسر صاحب بقول کجا بود مرکب کجا تاختم عجب غلط فہمی میں پڑ رہے ہیں بحث تو کو رہے تھے حضرت سرور کائنات

دیکھتے تھے ویسی نظر سے کم از کم قسطنطنیہ ایسے شہر میں جہاں اعلیٰ ترین منصبوں میں سے کئی ایک پر عیسائی
مامور ہیں اور جہاں عیسائی اور مسلمان مخلوط ہیں۔ ٹریم گاڑیوں اور ریل کی گاڑیوں میں ایک دوسرے کے دوش
بدوش بیٹھے سگرٹ پیتے اور اپنے اپنے اخبار پڑھتے رہتے ہیں مسلمان غیر مذاہب والوں کو نہیں دیکھ سکتے
میں یہہ نہیں کہتا کہ ترکوں کی متوسط اور ادنیٰ جماعتوں کے دلوں میں عیسائیوں اور اجنبیوں کی طرف سے
مطلقاً عناد اور دشمنی موجود نہیں رہی۔ اگر قسطنطنیہ کے بازاروں میں کوئی بلوہ ہو جائے۔ یا ترکوں کو
مفصلات میں عیسائیوں کے بغاوت کر دینے کا اندیشہ ہو جائے تو اون کے دلوں میں "عیسائی کتوں"
کی طرف سے جو نفرت خوابیدہ موجود ہے وہ بآسانی مشتعل ہو سکتی ہے۔ ہر ایک پکے ترک کا عقیدہ ہے
کہ جو لوگ قرآن شریف کو خدا کا کلام نہیں مانتے وہ لظے (دہکتی ہوئی آگ) میں ڈالے جائیں گے۔ پس
جن لوگوں کی یہہ کیفیت ہو۔ ہمکو (اون کے تعصبات اور توہمات کی اصلاح کے بارہ میں) بے اندازہ
توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ ہم کو اپنے عیسائی ممالک کے فرقہ پیوریٹن[1] کی تنگ خیالی کیا معلوم نہیں۔ یہہ
کوئی زیادہ برسوں کی بات نہیں ہے کہ کلیسیائے سکاٹ لینڈ کے چند ارکان نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔
کہ جو لوگ گرجا میں ارغنون (باجہ) کے استعمال کو پسند کرتے ہیں وہ کبھی عذاب اُخروی سے مخلصی
نہیں پا سکتے۔ ترک لوگ سکاٹ لینڈ والوں سے نہ سہی پیوریٹن فرقہ کے معتقدوں سے کئی باتوں میں مشابہ
ہیں۔ اور اون کا مذہبی جوش بڑی آسانی سے مشتعل ہو سکتا ہے۔ ہم بے تعداد کہانیاں سُن چکے ہیں کہ
بلگیریا میں ترکوں نے ناگفتہ بہ ظلم و ستم کئے ہیں۔ مگر عیسائی یہہ تو بتائیں کہ لڑائی میں کون قوم اس سے بری
رہتی ہے۔ مان لیا کہ ترک سفاک اور ناگفتنی ہیں۔ بلغاری عیسائیوں کی اسوقت کیا کیفیت تھی جبکہ وہ
چیرہ دست ہو گئے تھے اور اون کو بدلہ لینے کا موقع ہاتھہ آگیا تھا۔ یہہ درست ہے کہ موجودہ علماء ترک
سپاہیوں کو بھی تلقین کرتے ہیں کہ موقع حرب پر جس قدر زیادہ عیسائیوں کو قتل کیا جائے اوسی قدر بہشت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳۔ کے وضع کردہ قواعد پر جنکے زمانہ مبارک میں مسلمانوں کو عیسائیوں پر کوئی نتیجہ خیز فتح
نہیں حاصل ہوئی تھی۔ بلکہ الٹا عیسایان حبش کا ممنون احسان ہونا پڑا تھا اور آپ ہو چکے ہیں۔ ابتدائی خلفاء کے
زمانہ میں جنکو قواعد کی توضیح میں کوئی دخل نہیں حاصل تھا۔ علاوہ بریں اون کا یہہ خیال بھی غلط ہے کہ اس زمانہ
میں غیر مذاہب بالخصوص عیسائیوں کو حقارت یا عناد کی نظر سے دیکھا جاتا تھا زیادہ تحقیق کیلئے دیکھو تفسیر حقانی و نظام ایشیا۔ مترجم

[1] یہہ فرقہ عیسائیوں کا گویا وہابیہ فرقہ ہے۔ مترجم۔

کا ملنا زیادہ یقینی ہو جاتا ہے۔ اور جب ایسی تعلیم ملے تو ظاہر ہے کہ سپاہی بہشت میں جانے کیلئے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں اُٹھا رکھیگا۔ لیکن اسکو ساتھہ ہی کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ دیگر مقدس کتابوں کی طرح قرآن شریف اسیروں کے ساتھہ نرمی کرنے کا حکم دیتا ہے اور عورتوں اور بچوں پر سختی نہ کرنیکا بھی خاص طور پر تاکیدی ممانعت کرتا ہے۔ افسوس ہے تو یہی کہ عام درجہ کے ترک قرآن شریف جانتے نہیں وہ عربی سمجھ نہیں سکتے۔ اور ترکی ترجمہ کے چھپنے کی اجازت نہیں۔ چند برس ہوئے۔ مدراس میں ایک مسلمان اس جرم میں اسلام کے دایرہ سے خارج کر دیا گیا تھا کہ اوس نے عربی کے بجائے قرآن شریف کی آیات کا اردو ترجمہ نماز میں پڑھا تھا۔ جو عربی جانتے ہیں۔ اُنہوں نے تو قرآن شریف کا مطلب درست سمجھ لیا۔ مگر جو نہیں جانتے اون کو جو کچھہ ملا اور امام بتاتے ہیں درست ماننا پڑتا ہے۔ مسلمانوں میں مذہبی مقتداؤں کا ویسا کوئی طبقہ موجود نہیں جس طرح ہم عیسائیوں میں پادریوں کا۔ اسلامی ممالک میں علما کی ایک جماعت ہوتی ہے جو الہیات فقہ اور دیگر مذہبی علوم میں ماہر ہوتے ہیں۔ اہل محلہ و دیہات انہی میں سے امام مقرر کر لیتے ہیں جو مساجد میں باجماعت نماز پڑھاتا ہے اُنکا کام ہوتا ہے مفتی (مشیران قانونی) اور قاضی (جج) اکو گورنمنٹ مقرر کرتی ہے۔ ان علمار کی تعلیم بالطبع اُنکے ذاتی خیالات سے رنگی ہوتی ہے جن خیالات میں سے (اس کا باعث خواہ مذہبی یا سیاسی وجوہات ہوں) ایک یہہ ہوتا ہے کہ اون کے دلوں میں عیسویت کی طرف سے رنجش اور نفرت ہوتی ہے۔ مذہبی اور سیاسی پرجوشی اور تحریک کے اوقات میں اُن لوگونکو عوام الناس پر بڑا اقتدار حاصل ہوتا ہے اور اوس موقع پر وہ گورنمنٹ کی صلح کل اور زیادہ وسیع الخیال پالیسی کو ہزیمت دیکر بہت کچھہ نقصان پہونچا سکتے اور شرارت کھڑی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ترک عیسویت سے بے خبر رہنے اور اوس سے نفرت رکھنے کی وجہ سے مستوجب ملامت ہیں تو پھر عیسائی تو اون سے بدرجہا زیادہ اسکے مستوجب ہیں۔ ترک تو صرف بیخبر رہتے ہیں یا دل میں نفرت رکھتے ہیں۔ ہماری عیسائی حضرات مذہب اسلام کی نسبت علانیہ حقارت کے ساتھہ ذکر اذکار کرتے ہیں۔ عیسائی فقیہ اور عالمان علوم مذہبیہ اس کے جواب میں یہہ عذر پیش نہیں کر سکتے کہ ہم قرآن نہیں جانتے۔ قرآن کے متواتر کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔ اور گو اسلامی علوم دینی کو درست طور پر سمجھنے کے لئے احادیث اور روایات کا علم ہونا ضروری ہے تاہم صرف قرآن شریف کو ہی بغور پڑھنے سے انسان مذہب اسلام سے خاصی واقفیت پیدا

---

۱ کیا توریت اور وید میں بھی ایسی ہی نرمی کا حکم ہے۔ مترجم

کرسکتا ہے۔ دنیا میں تمام ضروری اصولوں میں کوئی دو مذہب ایسے کامل متفق اور متحد نہیں جیسے کہ
اسلام اور عیسویت۔ یہہ دونوں ملتیں ایک ہی باپ کی بیٹیاں، ایک دوسری کی سگی بہنیں۔ اور
ایک ہی روح سے فیضیاب ہیں۔ اگر حضرت محمدؐ کو عیسویت کے بعض عقاید کے مدعا کے سمجہنے میں
غلط فہمی نہ ہوجاتی تو ظن غالب ہے کہ رسول خدا اور اون کے معتقدین عرب صاف اور سادی عیسویت
کو اپنا مذہب قبول کرلیتے۔ اس کو کل تسلیم کرتے ہیں اور سب سے بڑھکر خود آنحضرت صاف
صاف تسلیم فرما چکے ہیں کہ اونہی منبعوں سے جو کہ یہودی اور مسیحی مذہب کے تہے اون کو علم اور الہام حاصل
ہوا اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے مخالفین کو بہی اس بات کا پورا پورا علم تہا۔ کیونکہ رسالت سے
انکار کرتے وقت وہ یہہ کہا کرتے تہے کہ یہہ باتیں کسی انسان نے آنحضرت کو سکہائی ہیں۔ اسبارہ
میں دو یہودیوں جبر اور یاسر کا نام لیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت کو عہدنامہ عتیق پڑہکر سنایا تہا۔ حضرت
کی حرم محترم میں سے ایک پہلے یہودی المذہب اور ماریہ مسیحی المذہب قبطن تہیں۔ حضرت خود نہیں
پڑھ سکتے تہے۔ اور اس امر کا سخت افسوس ہے کہ اون کو یہودیت اور نصرانیت کا علم کسی پاک اور زیادہ
براہ راست ذریعہ اور وسیلہ سے نہ ہوا (یعنی عیسائیت اور یہودیت کے اچہے نمونے اونکی نظر سے
نہ گذرے) عیسائیوں کے جو فرقے اونکی نظر سے گذرے اونہوں نے عیسویت کو خراب کردیا ہوا اور
اوس کے چند لازمی اور مسرکردہ عقاید کو غلط لباس پہنا دیا ہوا تہا۔ اوسوقت عیسائی علماء کا یہہ حال تہا
کہ اون میں فی الواقع اس مسئلہ پر بڑے زور شور سے بحث مباحثہ ہو رہے تہے کہ آیا مریم دیوی تہیں یا
انسان اور آیا وہ معصوم تہیں یا خطاکار۔ ایسی صورت میں کیا حضرت محمدؐ اور اون کے پیروؤں
کے عیسائیوں کی اصلاح سے مایوس اور اون کے عقاید سے متنفر ہوکر عیسویت سے روگردان ہوجانے
اور تثلیث کے کل عقیدہ کو تین خداؤں کی پرستش اور توحید کا (جو کہ حضرت محمدؐ اور اونکے معتقدین
کے اعتقاد اور دین و ایمان کا اصل اصول تہی) نقیض قرار دینے پر کوئی تعجب ہوسکتا ہے؟۔
اوسوقت اونہوں نے عیسائیوں کے اعتقادات کو دیکہکر یہی رائے قائم کرلی تہی کہ عیسائی تثلیث سے

؎ پروفیسر کا یہہ بہی خیال غلط ہے۔ کئی پاکیزہ صفات عیسائی اور یہودیوں سے آنحضرتؐ کو سابقہ پڑا۔ اور
جونہی اونکو رسالت کا حال معلوم ہوا وہ فی الفور ایمان لے آئے۔ بلکہ یہہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ وہ بعثت کی منتظر
بیٹہے تہے دعوت اسلام کی خبر پاتے ہی مسلمان ہوگئے۔ مترجم

باپ ۔ ماں اور بیٹا کی مراد سے مریمؑ ہیں یعنی اللہ کو باپ ۔ کنواری مریم کو ماں اور مسیح کو فرزند بنا رکھا ہے۔
زمانہ مابعد میں بیضاوی نے عیسوی تثلیث کا نسبتاً زیادہ درست مطلب سمجھا ۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھے ایک عیسائی
نے بتلایا ہے کہ تثلیث فی الحقیقت اب (باپ) یعنی وجود باری تعالیٰ ۔ ابن (فرزند) یعنی عقل ایزدی
اور روح القدس یعنی حیات ایزدی پر مشتمل ہے۔

حضرت محمدؐ کو اپنے ابنائے ملک کے شرک سے جو ہزارہا معبودوں کے بت بنا کر پرستش کرتے تھے سخت نفرت
تھی ۔ اون کے نزدیک ہر ایسی چیز جس میں ایک خدا سے زیادہ معبودوں پر اعتقاد کرنے کا ذرا سا
شائبہ بھی پایا جائے نہایت ہی پلید اور ناپاک تھی پس کوئی شک نہیں کہ یہی وجہ تھی جس کے باعث
وہ عیسویت سے بیزار ہو گئے ۔ گو عیسیٰ مسیح سے تعلق برابر قائم رکھا ۔ کسی نئے مذہب کے بانی
نے دوسرے مذہب کے بانی کا کبھی ایسے ادب اور احترام سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ آنحضرت
نے حضرت مسیح کا کیا ہے ۔ آنحضرت کا عقیدہ تھا کہ خداوند کریم باوقات مختلف اپنا منشا رسولوں
کی وساطت سے مخلوق پر واضح کرتا رہا ہے ۔ ان پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کی آنحضرت کے دل میں اسقدر
وقعت اور عزت نہیں تھی جیسی کہ حضرت عیسیٰ کی ۔ وہ مسیح کو عیسیٰ مسیح اور روح اللہ پکارتے
ہیں اور اون کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ عیسیٰ خدا کا رسول ہے ۔ جو اس دنیا میں بحیثیت پیغمبر نامدار ہے
اور دوسری دنیا میں بحیثیت شفیع ۔" وہ عیسیٰ کو ابن اللہ نہیں پکارتے ۔ کیونکہ وہ جانتے تھے ۔ کہ ان الفاظ
کے پہلے ہی کیسے غلط معنی سمجھ لئے گئے ہیں مگر اس کے عوض وہ اون کو اس سے بھی اعلیٰ لقب
کلمۃ اللہ کا عطا کرتے ہیں ۔ اس سے اعلیٰ وارفع صفت آج تک کسی انسان کے خیال میں نہیں آسکی ۔
کسی انسانی زبان میں اس سے بڑھکر کوئی صفت ہو سکتی ہے ۔ یہہ "ابن اللہ" سے بھی زیادہ بلند اور
زیادہ پاکیزہ ہے ۔ یہہ ایسی اعلیٰ ترین صفت ہے کہ ہمارے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا مسیح کو یہہ
خطاب دیتے وقت حضرت محمدؐ نے اس کے معنی بھی جو نہایت ہی عمیق اور گہرے ہیں سمجھ لئے
تھے یا نہیں ۔ تاہم یہہ امر بالکل صاف ہے کہ وہ ابن اللہ کے استعارہ دار نام سے غلط فہمی کے پیدا ہو
جانیکے خطرہ سے جو کہ فی الواقع مسیحیت کے اوایل ہی سے پیدا ہو گئی تھی ۔ بخوبی واقف تھے ۔
ہم عیسائیوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عیسائیت کے ابتدائی زمانہ سے ہی کئی عیسائی علما کو
اس خیال کی کہ خدا بیٹا جن سکتا ہے ۔ تردید کرنی پڑی تھی ۔ انہی معنوں میں حضرت محمدؐ فرماتے

ہیں" بیٹا جننا خدا کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ کل شان و شوکت اوسی کو حاصل ہے"۔ دوسری جگہ جہاں خداوند کریم حضرت کو مریم کے حمل کی بشارت کا قصہ سُناتا ہے۔ قرآن شریف میں یہہ درج ہے:- "فرشتہ نے کہا۔ اے مریم سن تحقیق خدا تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔ اوس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔ وہ اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں جیّد اور خدا کے مقربین میں سے ہوگا۔ وہ گہوارہ میں بہی لوگوں سے اوسی طرح باتیں کریگا جس طرح کہ جوان ہوکر۔ اور وہ عامل ہوگا"...... مریم نے کہا "بارخدایا۔ میرے ہاں بیٹا کس طرح ہوگا جبکہ مرد نے مجہے چہوا بہی نہیں"۔ فرشتہ نے کہا "اسی طرح ہوگا خدا جیسے چاہیگا پیدا کریگا جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اوسے صرف کہا جاتا ہے۔ ہوجا۔ اور وہ ہوجاتی ہے۔ اور وہ اوسے کتاب۔ دانائی۔ توریت اور انجیل سکہائیگا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا"

لیکن گو حضرت محمدؐ ہر جگہ اور ہمیشہ خود حضرت مسیح کا اس عزت و احترام سے ذکر کرتے ہیں۔ مگر مسیحی فرقوں کے باہمی تنازعوں اور ان خرابیوں پر جو عیسائیوں نے مسیح کے پاک عقاید میں داخل ہوجانے دی ہیں علانیہ حقارت اور نفرت ظاہر فرماتے ہیں۔ آنحضرت کا تصوّرات باری تعالی کی نسبت عہد جدید (انجیل) کی نسبت زیادہ تر عہد عتیق (توریت) کے بیانات کے مشابہ تہا۔ چنانچہ قرآن شریف میں انجیل کی نسبت توریت سے بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے جو بآسانی معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن آنحضرت یہود اور نصارا ہیا ہی دونوں سے ناراض ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی پاک تعلیم کو بگاڑ دیا ہے۔ وہ ان کو ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکہو تمہارے باہمی جہگڑے ہی بتا رہے ہیں کہ تم سب غلطی پر ہو۔ وہ اسبارہ میں حسب ذیل فرماتے ہیں:- "فرقوں میں باہمی اختلاف پیدا ہوگئے ہیں۔ یہود کہتے ہیں نصرانیت بے سہارا کہڑے ہوئے ہیں۔ اور نصارا کہتے ہیں کہ یہود کسی شے پر سہارا نہیں کئے ہوئے۔ حالانکہ دونوں فریق کتاب اللہ کو پڑہنے والے ہیں۔ مگر قیامت کے دن جس بات پر وہ مختلف تہے خدا اس کا ان میں فیصلہ کریگا...... مشرق و مغرب کا مالک خدا ہے۔ پس جس طرف تم پہرو۔ ادھر ہی خدا کا چہرہ ہے"۔ عیسویت پر آنحضرت نے جس قدر اعتراض کئے ہیں وہ سب کے سب سچی عیسویت پر نہیں بلکہ صرف اوس جہوٹی عیسویت پر ہیں

؎ یہہ مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ ہے۔ سبحٰنه ان يكون له ولد (نساء ع ۲۳ سیپارہ ۶-۲۲)۔ اذ قالت الملٰئكة يا مريم ان الله يبشرك بكلمة منه (آل عمران رکوع ۵ سیپارہ ۳-۵۰)۔

جو اون کے مشاہدہ اور علم میں آئی۔ اگر ہم اس امر کو ذہن نشین کر لیں تو آنحضرت کی مخالفت کرنیکی بجائے اونکی اعتراضات کے لفظ لفظ سے اتفاق رائے کریں۔ قرآن شریف کی چوتھی سورت کی ۱۶۹ آیت ہے "پس خداوند کریم اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو" اس آیت سے کون عیسائی انکار کر سکتا ہے۔ بالیقین ہر سچا عیسائی آنحضرت کے ساتھ اتفاق کریگا۔ نہ کہ اون عیسائی فرقوں سے جنکی ہدایت۔ اب۔ مریم اور مسیح پر مشتمل تھی۔ آنحضرت یہہ ثابت کرنیکو لئے کہ مسیح نے کبھی خدا یا خدا کے برابر ہونیکا دعویٰ نہیں کیا خود مسیح کو ثالث بناتے ہیں۔ سورہ پنجم آیت ۱۱۲ میں ہم یہہ عبارت پاتے ہیں "اور جب خداوند کریم کہے گا۔ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے۔ کیا تو نے بنی آدم کو کہا ہے کہ مجھکو اور میری ماں کو خداوند تعالیٰ کے علاوہ خدا سمجھو۔ تو وہ جواب دیگا۔ بارالہا سب تعریفیں تجھی کو ہیں۔ مَیں وہ بات کس طرح کہہ سکتا تھا۔ جس کو مَیں جانتا تھا کہ غلط ہے۔ اگر مَیں نے ایسا کہا ہوتا۔ تو تجھے لازمی طور پر اسکی خبر ہو جاتی۔ جو کچھہ میرے دل میں ہے تو اُسے جانتا ہے۔ مگر جو کچھہ تیرے دل میں ہے مَیں اُسے نہیں جانتا۔ کیونکہ تو پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے"۔

آنحضرت کو فقط اپنے ابنا ملک کی کراہیت انگیز بت پرستی کی بیخکنی کے لئے نہیں۔ بلکہ ان غلطیونکو دور کرنیکے واسطے بھی جو یہودیت اور نصرانیت دونوں میں داخل ہو گئی تھیں نیئے مذہب کی تشہیر اور تبلیغ کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہ اپنے مذہب کو نیا مذہب نہیں کہتے۔ بلکہ ارشاد فرمایا کہ "تشیما پیغمبر بھی ہم مجھہ سے پہلے سکھا چکے ہیں۔ لیکن لوگوں نے اُنکی باتوں پر بہت کم توجہ کی"۔ آنحضرت خود کو آخری پیغمبر فرماتے ہیں۔ مگر یہہ کبھی دعویٰ نہ کیا کہ مَیں سب پیغمبروں سے بڑا ہوں۔ آنحضرت رسول اللہ پکارے جاتے ہیں۔ لیکن یہہ دعویٰ کبھی نہیں کیا کہ رسالت کا فخر صرف مجھے ہی حاصل ہوا ہے۔ یا یہہ کہ مَیں سب رسولوں سے مرتبہ میں بڑا ہوں۔

اگر حضرت محمدؐ نے مسیح کی حیثیت کلمۃ اللہ کا مطلب درست سمجھہ لیا ہوتا۔ اور یہہ جان لیا ہوتا کہ فقط انہی معنوں میں وہ "ابن اللہ" ہے تو غالبًا وہ عرب بلکہ کل دنیا میں عیسویت[1] کے سب سے زبردست رسول ہو جاتے

---

[1] ہم مسلمانوں کو پروفیسر کے اس بیان سے ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ یہہ خیال کرکے کہ یہہ عبارت ایک عیسائی کی قلم سے نکلی ہے اوسے معذور سمجھنا چاہیئے۔ لیکن اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اس میں کوئی قباحت کی بات بھی نہیں پائی جاوے گی۔ اسلام بھی عیسویت سے متغائر نہیں ہے۔ اور حضرت سرورکائنات نے اوسی توحید کو تازہ کیا تھا جسکی ہدایت از آدم تا عیسیٰ کل پیغمبر کرتے آئے ہیں۔ بہرحال ایک عیسائی اور پھر ہیکیس معلم کی زبان سے عیسائی سے اسلام کی اس قدر خوبیاں ہم سننا چاہیں جو مندرج ہیں مسلمانوں کو کچھہ کم فرحت بخشنے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ پس اگر اوس سے توحید کا نگت کہیں خطا ہو گئی ہو تو اوسے نظر انداز کر دینا واجب ہے۔ مترجم

اگر اون عیسائیوں نے جن سے آنحضرت کو سابقہ پڑا۔ ابن اللہ کے خیال کو بگاڑ کر کفر یہ دیوتا پرستی کے ہم رنگ نہ بنا دیا ہوتا تو وہ غالباً عیسائی یعنی اوس صداقت کے جس کی تلقین موسیٰ اور عیسیٰ نے کی تھی ایک اور جدید پیغمبر ہو جاتے۔ یہہ تثلیث ہی کا غلط سمجھا گیا عقیدہ ہے جس نے عیسویت کو کروڑہا معتقدین سے محروم کر دیا اور حضرت محمدؐ کو دوست کی بجائے دشمن بنا دیا۔ اگر ہم عیسائی اور کچھہ نہ کریں صرف آنحضرت کے اعلیٰ مقاصد کو اور بالخصوص اون مقاصد کو جو اظہار نبوت کی ابتدائی زمانہ میں وہ رکھتے تھے جان جائیں اور اون کو سمجھہ لیں تو ہم کبھی حضرت ممدوح کو پیغمبر کا لقب دینے سے خست اور تنگدلی نہ کریں۔ یہہ امر واقع کل دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ آنحضرت نے اوس جگہ جہاں پہلے وحشیانہ بت پرستی کے سوائے اور کسی چیز کا نام و نشان نہیں پایا جاتا تھا۔ ایک مذہب قایم اور نصب کر دیا ہے اسوقت کم از کم سترہ کروڑ انسان ۵۹۷۵۰۰ یورپ میں ۵۰۴۱۶۰۰۰ افریقہ میں اور ۱۱۲۷۳۹۰۰۰ ایشیا میں حضرت محمدؐ کے معتقد اور نام لیوا موجود ہیں۔ اے عیسائیو! انصاف کرو۔ کیا وہ شخص جو اِتنے دلوں کا مالک ہو پیغمبر کہلانے کا مستحق نہیں ہے؟

{ مرقومہ پروفیسر الیف میکیس ہولر مترجم وید۔ زندآوستا۔ پیان قرآن شریف۔ و دیگر مقدس کتب مذاہب مشرق }

(۷) مساجد و مقابر

میں اون بیشمار مساجد اور مقابر کا جنکو ہم نے ٹرکی میں دیکھا مفصل بیان تحریر کرنیکا ارادہ نہیں کرتی۔ بلکہ بشرط امکان صرف اوس عام کیفیت کو ضبط تحریر میں لانیکی کوشش کرتی ہوں جو انہیں سب سے شاندار عمارات کے دیکھنے سے انسان کے دل پر وارد ہوتی ہے قسطنطنیہ کی مساجد وغیرہ کے بعد ہم نے بروصہ جاکر ایسی مسجدیں دیکھیں جو ٹھیٹھہ اسلامی طرز میں بنی ہوئی ہیں قسطنطنیہ کی مسجدیں ایا صوفیا وغیرہ کی طرح یا تو پہلے عیسوی معبد ہیں یا ایسی ہیں جو آیا صوفیا جامع مسجد کی طرز پر بنائی گئی ہیں۔ ایا صوفیا کو باہر سے دیکھنے پر کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو نگاہ یا تصور کو عجیب معلوم ہو۔ بالمیں مسجد میں کھڑا ہونے پر مسجد کا درمیانی بڑا گنبد اور اوسکی دونوں طرف چاروں نیم گنبد بشکل دکھائی دیسکتے ہیں اور مسجد کے گرد اگرد چاروں طرف باقی مسجدوں کی طرح مدرسے

حمام - مزار اور باورچی خانے بنے ہوئے ہیں - گرڈیوڑھی میں داخل ہوکر بوٹوں پر سلیپر پہن لینے کے بعد (کیونکہ اگر ان کو نہ چڑھایا جاوے تو بوٹ اتار کر برہنہ پا اندر جانا پڑیگا) اور مسجد کے وسط میں جسے ایوان کلان کہنا زیادہ مناسب ہوگا اور جس پر درمیانی گنبد اور دو نیم گنبد بنے ہوئے ہیں پہونچ جاؤ اور وہاں تھوڑی دیر ٹھیر کر نظر کو فرش سے لیکر بالائی منزل کی گیلریوں (برآمدوں یا لمبے جھروکوں) کی محرابوں تک جو نچلی محرابوں سے چھوٹی ہیں سیر کرنے دو اور اس بڑے ایوان کی وسیع فضا کو اپنا اثر ڈالنے دو - تو تم چند لمحوں میں فرگسن (سیاح) کے قول کی تصدیق کر کے پکار اٹھو گے کہ بیشک "آج تک ایسا خوبصورت اور کامل گرجہ کسی عیسائی قوم نے تعمیر نہیں کیا" نچلی محرابیں سبز سنگ سماق کے چار بڑے بڑے ستونوں پر جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دیبی ڈائنا کے مندر واقع مقام افی سس سے لائے گئے تھے - کھڑی ہیں گیلریوں کے ستون بھی جو ان سے ہلکے ہیں اسی پتھر کے ہیں - اس درمیانی ایوان کے چاروں کونے گہرے سرخ رنگ کے سنگ سماق کے ستونوں پر قائم ہیں - یہہ ستون بہ روایت ہے کہ بعلبک کے بڑے مندر سے جو بعل یا سورج دیوتا کی پرستش کیلیے بنا ہوا تھا لائے گئے تھے - اکثر ایسے ستونوں کی چوٹیوں پر جو خاص قسطنطنیہ میں تیار کیے گئے تھے اب تک قیصر جسٹینین اور اوسکی ملکہ تھیوڈورا کے طغرے موجود ہیں موجودہ عمارت انہی دونوں نے قسطنطین اور تھیوڈوسی اس کے تعمیر کردہ پرانے گرجے کے موقع پر جو دونوں یکے بعد دیگرے جل گئے تھے تعمیر کرائی تھی - دیواریں اور گنبد کسی وقت از سر تا پا بیل بوٹوں سے ڈھنپے ہوئے تھے مگر چار بڑے فرشتوں (جبرئیل میکائیل - اسرافیل اور عزرائیل) کی تصویروں کے سوائے جو گنبد کے نیچے بنی ہوئی ہیں اوسکے باقی کل نقش و نگار پر چونا پھیر دیا گیا ہوا ہے - گیلریوں میں البتہ ان بیل بوٹوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو گہرے نیلگوں بلکہ سیاہ زمین پر نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں اب تک کہیں کہیں موجود ہیں چونکہ مکہ معظمہ یروشلم سے زیادہ جنوب رویہ ہے محراب جسکا مکہ کے رخ ہونا ضروری ہے مشرقی دیوار کے عین وسط میں نہیں ہے بلکہ کسی قدر جنوب کی طرف ہٹی ہوئی ہے - محراب کے قریب ہی وہ ستون ہے جس پر بہت اونچا کر کے ایسا نشان لگا ہوا ہے جیسا کہ خون آلودہ ہاتھ کا چھاپہ ہوتا ہے - روایت ہے کہ فتح قسطنطنیہ کے بعد جب محمد فاتح مذبوح عبادت کنندگان کی لاشوں پر سے زین سوار گرجہ میں داخل ہوا تھا تو اس نے یہہ دیکھنے کے لئے کہ کہاں تک ہاتھ پہونچتا ہے - یہہ نشان لگایا تھا - گیلریوں میں جا کر ہم نے مشہور بند دروازہ دیکھا - عام خیال ہے کہ وہ پادری جو اوسوقت نماز پڑھا رہا تھا - اوسکے راستہ سے انجیل کو لیکر بھاگ گیا تھا.

دروازہ اُنکے پیچھے بند ہوگیا۔ اور اب تک نہیں کھل سکا۔ مگر جب ترک قسطنطنیہ سے نکال دیئے جائیں گے اور آیا صوفیا پھر عیسائی کنیسہ ہو جائیگا تو پادری مذکور پھر خود نمودار ہو کر اپنی نماز کو جسے ادھورا چھوڑ گیا تھا پورا کریگا

آیا صوفیا کی پوری کیفیت جمعہ کی نماز کیوقت دکھائی دیتی ہے۔ بیرام کی نماز کے سوا اور نمازوں کیوقت اندر جانیکی اجازت بمشکل ملتی ہے۔ ہم نے صادق بک سے اسلئے ہم کو وہاں اپنے ساتھ لیجانے کی درخواست نہیں کی تھی کہ شاید اُنکو یہ امر ناگوار گذرے کہ جو امر اونکی نگاہوں میں ایسا متبرک اور مقدس ہے اوسے ہم محض کھیل سمجھ کر اوسکا نظارہ کرنے جاتے ہیں۔ تاہم سفارت کے ایک قواص کی نگرانی میں ہم اجازت لیکر اپنے فرزند سمیت گیلریوں میں چلے گئے۔ اور عمداً مغربی کونہ میں بیٹھے۔ تاکہ نمازیوں کے پس پشت ہونے کی وجہ سے اونکی نظر ہم پر نہ پڑے۔ اور اون کو برا ماننے کا موقع نہ ملے۔ ہم دوپہر سے کچھ عرصہ پہلے پہنچ گئے تھے۔ ارادہ تھا کہ مسجد کی دوبارہ پھر کر بخوبی سیر کریں۔ مگر اوسکی اجازت نہ ملی۔ کیونکہ نمازی جمع ہو رہے تھے۔ مصلوں کی لمبی صفیں جو محراب و یہ ہونیکی وجہ سے کسی قدر ترچھی بچھے ہوئے تھے اوپر سے دیکھنے سے دل پر عجیب اثر پیدا کرتی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ہر ایک مصلی پر کیا ادنیٰ کیا امیر غریب دوش بدوش قیام و سجود میں مشغول ہوگئے۔ قطاروں میں اسقدر فاصلہ تھا کہ نمازیوں کو سجدہ کیلئے جگہ ملجاتی ہے۔ نمازی سب مرد تھے عورتوں کیلئے علیحدہ پردہ دار جگہ ہے۔ مگر جہاں تک مجھے دریافت کرنیکا موقع ملا ہے معلوم ہوا ہے کہ صرف نہایت ہی غریب جماعتوں کی مستورات مساجد میں جاتی ہیں۔ نماز شروع ہوگئی اور امام نے بلند چبوترہ پہ کھڑا ہو کر قرآن شریف کی قرات مے دار دھیمی آواز میں آغاز کر دی۔ نمازیوں کو صف بستہ اوپر تلے ہاتھ رکھے ہوئے ایستادہ اور پھر امام کی تکبیر پر ایک ساتھ رکوع و سجود اور قیام اور دائیں بائیں منہ پھیرتے دیکھتے رہنا نہایت ہی موثر نظارہ تھا۔ بالآخر خطیب نے تقریباً عمودی زینوں پر سے منبر پر چڑھ کر منہ نمازیوں کی طرف کر لیا اور خلیفہ وقت اور اسلام کی فتح و نصرت کے لئے دعا مانگ کر خطبہ پڑھا۔ اوس کا چوغہ ساٹن کا تھا جسکا رنگ ہلکا بسنتی تھا۔ سر پر سفید عمامہ۔ دائیں ہاتھ میں برہنہ تلوار جو بلند کی ہوئی تھی اور دونوں طرف بطور نشان فتح ایک ایک جھنڈا لٹکا ہوا تھا۔ اس خطبہ کے بعد جس میں دعا اور وعظ دونوں باتیں شامل تھیں۔ کل نمازی پھر سربسجود ہوگئے اور سجدہ کے بعد قعود کر کے پہلے سروں کو دائیں طرف اور پھر بائیں طرف پھیرا جس پر نماز جمعہ ختم ہوگئی۔ اور وہ سب جلد جلد مگر چپ چاپ مسجد سے روانہ ہوگئے ہم بھی اپنے دلوں میں یہ اطمینان لئے ہوئے مسجد سے باہر آگئے کہ ہم نے دلی ذوق سے ادا کیگئی

اور نہایت سچی عبادت ربانی کا نمونہ معاینہ کیا ہے۔ ہر شخص متوجہ و مصروف اور ملحقات سے بالکل بیخبر معلوم ہوتا تھا۔ میں نے بعد میں صادق بک کو جب بتایا کہ ہم مسجد میں گئے تھے جہاں نمازیوں کی توجہ اور اخلاص کو دیکھ کر ہم پہ بڑا اثر ہوا تو اسکا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور اوس نے سچی پرجوشی سے جواب دیا "اثر کیوں نہ ہوتا۔ یہہ نماز ہے!" ہمارے گرجوں کی طرح نمازیوں کی توجہ کو مائل کرنے کیلئے کوئی موسیقی تھی گلدستے۔ پہولوں کے ہار اور بے تعداد پادری نہ تھے۔ بلکہ سب کچھہ نہایت ہی سیدھا سادہ۔ اور کمال خوشنما تھا۔ اور دیکھنے والوں کو پورا پورا الیقین ہو جاتا تھا کہ جو لوگ شریک عبادت ہیں وہ اوسی رسم کی پابندی کا پورا کرنا نہیں۔ بلکہ فی الواقع خالق ارض و سما کی عبادت و پرستش سمجھہ کر ادا کر رہے ہیں۔

اون چہوٹے گرجوں میں سے جو مسجد بنائے گئے ہیں سب سے خوبصورت اور اکمل کوچک ایا صوفیا ہے۔ وہ اوس ڈہلوان سڑک پہ جو اتمیدان سے مرمرا کو جاتی ہے واقع ہے۔ میں نے اس راستہ کو سڑک تو کہہ دیا۔ مگر دراصل اوسے گڑہوں اور ٹیلوں کا ایک لمبا سلسلہ سمجہنا چاہئے جن پہ سے ہم کو چالاک عرب گہوڑے بخیریت لیگئے۔ اس گرجہ کو بہی جسٹینین نے تعمیر کرایا تہا۔ وہ تقریبًا مربع اور اوسکی عمارت عجب ہلکی پھلکی اور کمال موزون ہے۔ ترکوں نے پرانی ڈیوڑہی گرا کر اوسکی جگہ ترکی طرز کی نئی ڈیوڑہی بنا دی ہے تمام پچی کاری اور تصویریں پر قلعی کا پلاستر کر دیا گیا ہے۔ تاہم اون سنگ بازنطینی ساخت کے ستونوں کی خوبصورتی کو جن پر گیلریاں کہڑی ہیں کوئی چیز نہیں مٹا سکتی۔

میں یہہ اوپر بتا چکی ہوں کہ گولڈن ہارن کے دونوں طرف قسطنطنیہ کی تقریبًا تمام مسجدیں کم و بیش ایا صوفیا کے نمونہ پر بنی ہوئی ہیں۔ کئی شاہی مسجدیں ہیں جنکو مختلف سلاطین نے تعمیر کرایا تہا۔ ان میں سے ہر ایک کے گرد بڑی چار دیواری ہے جسکے اندر جامع یعنی خاص مسجد۔ حرم یعنی مسجد کا کہلا صحن اور باغ ہوتا ہے۔ اور باغ میں ہی عمومًا بانی مسجد کا مقبرہ ہوتا ہے۔ ان شاہی مساجد میں سے ہر ایک کے ساتھہ مختلف اوقاف ہیں جو عمومًا چار دیواری کے گرد بنے ہوئے ہیں۔ بالعموم ہر مسجد کے ساتھہ ایک عام مدرسہ یا دینی درسگاہ جن میں پرجوش اور مذہبی خبطی سوفتا دینی طلبا رہتے ہیں۔ مفت کھانے کیلئے لنگر خانہ۔ کتب خانہ اور حمام ہوتا ہے۔ بعض بعض مساجد کے ساتھہ مسافروں کیلئے خانیں (سرائیں) بھی ہیں۔ اس تفصیل سے ناظرین اون کی وسعت مکانیت اور عمارت کی عالیشانی کا بآسانی اندازہ کر سکتے ہیں۔ ہر شاہی مسجد شہر کی ساتوں پست قامت پہاڑیوں میں سے ایک ایک کی چوٹی پہ ہے۔ ہر مسجد میں گنبد

یا ٹہتی ایک سو لیکر چہہ تک مینار ہیں۔ یعنی ایک سے کوئی خالی نہیں اور چہہ سے کسی میں زیادہ نہیں۔ بڑی مسجدوں کے مینار سفید مرمر یا ایسی اور شفاف سفید و براق پتھر کے ہیں۔ اور چہوٹی اور غریبانہ حیثیت کی مساجد کے چونے کے ہیں۔ مگر انکی براقی بہی آنکہوں کو چوندہیا دیتی ہے۔ اور گو وہ سنگ مرمر سے کم قیمت مصالح سے بنے ہوئے ہیں مگر بالعموم نہایت وضع دار اور خوبصورت ہیں۔

ساری عمر میں پہلی مرتبہ جس مسجد[1] میں ہم داخل ہوئے۔ وہ جامع احمدیہ (یعنی احمد اول کی مسجد) ہے۔ ہم اسکی وسعت کو دیکہہ کر دنگ ہوگئے۔ وہ ایا صوفیا سے گو چہوٹی ہے۔ مگر عرض میں اس سے بہت بڑی ہے۔ درمیانی گنبد چار بڑے بڑے کہاری دار کہمبوں پر قائم ہے اور تقریبًا دو سو فٹ مربع جگہ کو ڈہانپے ہوئے ہے۔ منبر بیت اللہ شریف کے منبر کا ہو بہو نمونہ ہے۔ یہاں ہم نے اول مرتبہ قرآن شریف پڑہنے کی خوبصورت رحلیں دیکہیں۔ آن پر سیپ کا کام ہے اور وہ مسجد کے ہر حصہ میں رکہی ہوئی ہیں۔ اور جب جاؤ۔ بالعموم یہی دیکہو گے کہ رحل کے سامنے عمامہ بند چار زانو بیٹہے ہوئے ایک خاص قسم کی غنغناتی ہوئی آواز میں قرآن شریف پڑہ رہا ہے۔ دیواروں کے اردگرد نہایت خوبصورت روغنی کہپریلیں لگی ہوئی ہیں اور چہت سے بیشمار لیمپ لٹک رہے ہیں۔ جن کے ساتہہ خوبصورتی کے لئے شترمرغ کے انڈے۔ گہوڑوں کی دمیں اور مختلف جہنڈے اور خوبصورت رنگ برنگ کے پہندنے بہی آویزاں ہیں۔ جامع احمدیہ میں جانے پر انسان عمارت کی جزئیات کی خوبصورتی سے ایسا متحیر نہیں ہوتا جیسا کہ اوس کے وسطی ایوان کی وسعت کو دیکہہ کر حیران ہوجاتا ہے۔ تاہم صحن مسجد کی خوبصورتی میں بہی کوئی کلام نہیں۔ اوسکے گرداگرد حجرے بنے ہوئے ہیں۔ سیاہ و سفید مرمر کی بلند اور تنگ محرابیں نازک نازک ستونوں پر کہڑی ہیں۔ اور وسط میں بہت بڑا حوض ہے۔ جامع احمدیہ کا ایک خاص وصف جو دیگر مساجد کو حاصل نہیں یہہ ہے کہ اوس کے چہہ مینار ہیں۔ احمد اول کے عہد تک صرف بیت اللہ شریف کے چہہ مینار تہے۔ چنانچہ سلطان احمد کی اس جسارت سے امام مکہ ایسا ناراض ہوا کہ اوسے مجبورًا کعبہ میں ساتواں مینار بنوا دینا پڑا۔ میناروں کا نچلا حصہ باہر سے دکہائی نہیں دیتا۔ وہ آن شاندار درختوں سے جو چاردیواری کے اندر موجود ہیں چہپے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہہ درخت مسجد کی عمر کے یعنی تقریبًا تین سو برس کے ہیں۔

مگر جامع سلیمانیہ یعنی سلطان سلیمان اعظم کی مسجد جو سلطان کے حکم سے استاد زمانہ سنان پاشا نے فن معماری

---

[1] مسجد سے یہاں مصنف کی غالبًا ایسی مسجد سے مراد ہے جسے خود مسلمانوں نے تعمیر کیا ہو۔ ایسی نہ کہ کسی گرجہ یا مندر کو مسجد بنا

ہیں جسکی برابر آج تک کوئی ترک پیدا نہیں ہو سکا تعمیر کیا تہا۔ کل مساجد سے خوبصورتی میں بدرجہا بڑہی ہوئی
ہے۔ یہہ تیسری پہاڑی کی چوٹی پر ہے۔ گنبد سرخ سنگ خام کے ایک ڈال چار ستونوں پر قایم ہے۔
دیواریں مختلف رنگوں کے مرمر سے تیار کی ہیں۔ محراب، منبر اور جالی دار پردہ جو سلطان کی نماز پڑہنے کی جگہ
کے گرد لگا ہوا ہے۔ براق مرمر کے کمال نفاست۔ نزاکت اور لطافت سے بیل بوٹے دار بنے ہوئے ہیں۔
نہایت اعلیٰ قسم کے رنگین شیشوں کے دریچے ایرانی ساخت کے ہیں۔ اور اقلیدس کی شکلوں کے مشابہ کمال
موزونیت سے تیار کیے گئے ہیں۔ کیونکہ اسلام کسی جاندار کی تصویر کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک گیلری
ہر قسم کے خزینوں کی محفوظ مکان کا کام دیتی ہے۔ اوس میں فرش سے لیکر چہت تک مختلف شکلوں اور جسامت کے
صندوق اوپر تلے چنے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان صندوقوں میں سونا۔ چاندی۔ جواہرات اور قیمتی پارچات
بہرے ہوئے ہیں۔ یہہ چیزیں وہاں اس طرح رکہی ہوئی ہیں جیسے کہ یورپ میں بنکوں میں رکہی جاتی ہیں۔ قیمت سب
درج رجسٹر ہیں جن میں سے بعض سو سال سے زیادہ عرصہ کی وہاں رکہی ہیں۔ اور باوجودیکہ اس اثنا میں کئی
انقلاب اور سینکڑوں فساد و ہنگامے ہو چکے ہیں۔ مگر وہ بالکل محفوظ پڑی ہیں۔ کبھی انکو کہولا یا چہوا نہیں گیا۔ وہ
صرف اصل رجسٹر شدہ سندات کے دکہانے پر واپس لیجا سکتی ہیں۔ سلیمانیہ گو کمال دلفریب ہے۔ مگر اوسکے
باغ کے دو مقبرے دلچسپی میں اوس پر بھی سبقت لیجا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں خود سلیمان کی تربت ہے
اور دوسرے میں اوسکی مشہور ملکہ سلطانہ روکسلانا (روسناک یا خورم) کی قبر ہے۔ ان دونوں کی عمارت ہشت پہلو
ہے۔ اور دونوں پر تمام کمال سیاہ و سپید روغنی چینی کی کہپریلیں لگی ہوئی ہیں۔ سلیمان کے مقبرہ کے گردا گرد
محراب دار گیلری ہے۔ اور اندر کی طرف گنبد سنگ مرمر اور سماق کے ستونوں پر قایم ہے۔ مقبرہ میں بانی
مسجد کی قبر کے علاوہ اور بھی کئی قبریں ہیں۔ ان تمام قبروں میں جسد خاکی آغوش زمین میں مدفون ہیں۔ اور
انکے اوپر بہت بڑے بڑے بلند تعویز یا صندوق جنکے بالائی حصے محراب دار ہیں بنے ہوئے ہیں۔ اور یہہ صندوق
قیمتی دوشالوں اور سنہری حاشیہ کی مخملی چادروں سے ڈہنپے ہوئے ہیں۔ ہر متوفی سلطان کی قبر کے تعویذ
کے سرہانے انکی پگڑی معہ مرصع کلغی یا کسی اور قسم کے مرصع زیور کے رکہی ہے۔ سلیمان کی تعویز میں یہہ
ایک اور خصوصیت ہے کہ اوس کے گرد نازک سا جنگلا بہرا ہوا ہے جس پر سیپ کا کام ہے۔ بعض سلاطین کی
قبروں پر دستاروں کے ساتھ وہ مرصع نشان بھی آویزاں ہیں جو وہ زندگی میں پہنتے رہتے تہے۔ روکسلانا
کی تربت کی حالت بے خبری کی وجہ سے اچھی نہیں ہے۔ وہ زبردست عورت [illegible] زندگی میں سیاہ و سفید

کی مالک تہی اور جس نے اپنی سنگدلانہ مقاصد کی قربان گاہ پر رحم و کرم کے تمام جذبات اور تاثرات کو بھینٹ چڑہا دیا تہا۔ مرجانیکے بعد اب بعالم فراموشی اور حالت کس مپرسی میں پڑی ہوئی ہے۔ تعویذ کے ارد گرد وہ دیوار دن سے کھپریلیں گر رہی ہیں اور دوشالوں پر بہی بوسیدگی اور عدم توجہی کی علامتیں نمودار ہیں۔ ان دونوں قبروں پر بہت بڑی عمر کا ایک بو قامت شمشاد کا درخت کہڑا ہے۔ یہہ درخت ٹرکی میں بکثرت موجود ہیں اور ان کے شوخ سبز پتے سرو کے درختوں کے سیاہ پتوں کے مقابلہ پر جو ہر قبر کے گرد ہوتے ہیں عجب خوشنما نظر آتے ہیں۔

اس مسجد کو دیکہنے سے کچہہ دنوں بعد ہم نے وہ چہوٹی سی خوبصورت مسجد دیکہی جو سلیمان اول نے دو مقتول بیٹوں کی یادگار میں جنکا خون بیرحم روکسلانا کے سر چڑہا تہا سخت ندامت و افسوس کی حالت میں تعمیر کرائی تہی۔ ان میں[1] سے ایک کا نام محمدؐ تہا جو دوسری بیگم کے بطن سے تہا۔ وہ اس سنگدل عورت کی ترغیب اور مکروہ تحریکات پر اپنے غضب آلود باپ کے روبرو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تہا۔ دوسرا خود روکسلانا کا بیٹا شاہزادہ جہانگیر تہا۔ جو اس خوفناک سانحہ کیوقت موجود تہا۔ اوسے محمدؐ سے کمال محبت تہی۔ وہ بے تحاشا اپنے مقتول بہائی کے تن بیجان پر گر پڑا۔ اور جب درباریوں نے اوسے اٹہانے کی کوشش کی تو اوسے بہی مردہ پایا۔ خونخوار ملکہ نے اسکی قصاص میں سلیمان سے جبراً حکم موت حاصل کر کے محمدؐ کو نوعمر بیٹے کو قتل کرا دیا۔ جس تربت میں یہہ دونوں شاہزادے مدفون ہیں وہ سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے اور جو مسقف راستہ مقبرہ کو جاتا ہے۔ اوس پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ پہلو بہلو ہی مسجد سنان نے تعمیر کی تہی اوسکی کل عمارتیں اچہی حالت میں ہیں۔ اور انکی پوری نگہداشت ہوتی ہے۔

شاہی مساجد میں سے ایک سلطان بایزید کی تعمیر کردہ ہے۔ اسے بایزیدیہ یا مسجد کبوتران پکارتے ہیں۔ یہہ سر عسکریت یعنی وزارت حربیہ کے بڑے پہاٹک کے اندر واقع ہے۔ اس میں صرف صحن قابل دید چیز ہے۔ مسجد بذاتہا چنداں دلفریب نہیں صحن کی ارد گرد کے حجرے ٹہیٹہ عرب طرز عمارت کی ہیں۔ اوس کے ستون سب ایک سے اِل اور سبز سنگ سماق سرخ سنگ سماق۔ سیاہ و سفید مرمر اور دیگر اقسام کے پتہروں کے

[1] مصنفہ نے مقتول شاہزادوں کے نام اور انکی قتل کے حالات درست نہیں تحریر کیے۔ ایک شاہزادہ کا نام مصطفےٰ اور دوسرے کا نام بایزید تہا۔ اور ان میں سے کوئی بہی روکسلانا کا بیٹا نہ تہا۔ اول الذکر ۱۵۵۲ء اور دوسرا ۱۵۵۹ء میں ایران میں قتل ہوا تہا۔ مفصل حالات کیلئے دیکہو تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اول صفحہ ۳۳۳ تا ۳۵۱ (مصنفہ مولفہ مترجم)

ہیں۔ وسط میں مسقف حوض ہے جا بجا خوبصورت سرو و شمشاد کے درخت بہی موجود ہیں۔ ہر ایک چہت بنیاد ستون کی چوٹی اور کارنیس پہ ہزاروں کبوتر موجود ہیں۔ جو متبرک سمجہے جاتے ہیں اور ان کو کبہی ہلاک نہیں کیا جاتا۔ ان کے محافظ کو اگر چند پیسے دیئے جائیں تو وہ کچہہ اناج بکہیریگا جس پر ہر طرف سے فی الفور سب جانور جمع ہو جائیں گے۔ ہر جمعہ کے جمعہ محلہ کے کتوں کو بہی کہانا دیا جاتا ہے۔ وہ اس ضیافت کیلئے سب طرفوں سے جمع ہو جاتے ہیں اور کہانے سے فارغ ہو کر ہر ایک ٹولی اپنے اپنے مسکن کو چلی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ سلطان بایزید نے کبوتروں کا ایک جوڑا مسجد کی نذر کیا تہا۔ یہہ سب کبوتر اسی ایک جوڑے سے بڑہے ہیں۔ مسجد کبوتراں چونکہ بڑے بازار کے قریب ہے۔ اوس کے حجرے بالعموم تاجروں سے بہرے رہتے ہیں۔ اجیر منشی بہی اس میں بیٹہتے ہیں جو اجرت لیکر غربا کو خط لکہہ دیتے ہیں۔ اگر کسی بیوپاری کو تہوڑی دیر کیلئے حجرہ سے باہر جانا پڑے تو وہ اپنا اسباب بالکل بےفکر ہو کر حجرہ میں ہی چہوڑ جاتا ہے۔ کیونکہ مسجد کی متبرک حدود کے اندر غریب سے غریب گدا گر بہی کبہی چوری کا مرتکب نہیں ہوگا۔

ایک اور شاہی مسجد جس کو دیکہنے کی ہم نے کوشش کی سلطان محمد فاتح جامع مسجد تہی۔ وہ چوتہی پہاڑی پر ہے۔ اور چوطرفہ کئی میلوں سے نظر آتی ہے۔ مگر جب ہم صادق بک کے ہمراہ وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ وہاں سیر کنندگان کیلئے کوئی سلیپر نہیں رکہے جاتے جس پر ہم کو صرف دروازہ کے اندر کہڑے ہو کر اوس کی وسیع المکانی۔ سادہ طرز اور بلا رنگ کے شیشوں کے دریچوں اور سفید چونہ گچ دیواروں کو دیکہنے پر قناعت کرنی پڑی۔ اس سادگی اور یکرنگی سے دیکہنے والے کی نظر میں چکا چوند سی پیدا ہو جاتی ہے۔ مسجد کی بیرونی حوض بالخصوص بہت بڑے تہے۔ ہر مسجد کے متصل اس غرض کیلئے حوض بنے ہوتے ہیں کہ اندر داخل ہونے سے پہلے پاؤں اُن میں دہولئے جائیں۔

ہم سلطان محمود ثانی مصلح کی تربت کو دیکہہ کر شستدر رہگئے۔ سلطان مرحوم ۱۸۳۹ء میں فوت ہوئے تہے۔ ترکوں کی قومی شاندار پوشاک کو اسی نے منسوخ کر کے عمامہ کی جگہ فیس اور سفید کشادہ شلواروں اور گہیرے دار چغوں کی جگہ سیدہے سادے فراک کوٹ کو رواج دیا تہا۔ گو اس نے اپنی زندگی میں کفایت شعاری اور سادگی کو رواج دینے میں سخت کوشش کی تہی۔ مگر اوس کے مرنیکے بعد اوس کے جانشینوں نے اوسکی خواہشوں اور منشا کی بالیقین کوئی پرواہ نہیں کی۔ کیونکہ اوسکا مقبرہ اگرچہ تہوڑے سے زمانہ کا بنا ہوا ہے۔ لیکن شان و شوکت میں سب سے گوئے سبقت لیجا رہا ہے۔ اوسکی عمارت چوندہیا دینے والے سفید سنگ مرمر کی

ہشت پہلو گنبددار عمارت ہے۔ دیواروں پر کاشی کی پچی کاری اور اوس پر کمال خوبصورت نقش و نگار ہیں۔ آٹھ میں سے سات طرفوں میں ایک ایک بڑا دریچہ ہے جن میں سنہری جالیاں لگی ہوئی اور نہایت ہی بیش قیمت مخملی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مقبرہ کی قبریں حسب معمول صندوق نما ہیں۔ محمود کی قبر کے تعویذ پر فقط ایک سادہ ترکی ٹوپی پڑی ہے جس پر کوئی طرہ یا کلغی یا مرصع کاری نہیں ہے البتہ کل تعویذ پر بیش بہا مخملی چادر جسکی حاشیے سنہری ہیں پڑی ہے۔ دائیں طرف مرحوم کی والدہ اور بائیں طرف اوسکے بد قسمت فرزند عبدالعزیز کی قبر ہے جو ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا تھا۔ عبدالعزیز کی قبر کا تکلفا باپ کی قبر کے تکلف سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی ہے۔ دونوں پر سلمہ ستارے کا کام ہے۔ عبدالعزیز کی ٹوپی میں خوشنما الماسی طرہ لگا ہوا ہے اور اوسکی قبر کی مخملی چادر پر سر سے پاؤں تک نہایت خوبصورت سنہری بیل بوٹے کاڑھے ہوئے ہیں۔ طبقہ عثمانیہ کا نشان بھی جسے عبدالعزیز نے قایم کیا تھا اوسکی قبر پر رکھا ہے۔ چار دلنظر چاندی اور سیپ کے کام کی رحلیں اور ان پر چند کمال خوبصورت اور بے نظیر قلمی قرآن شریف رکھے ہیں اور ہر ایک قبر کے گرداگرد بہت بلند وزنی اور چاندی کے شمعدان موجود ہیں۔

ایک دن بازاروں سے واپس آتے وقت ہمارے فرزند کو خیال آگیا کہ ہم اسوقت سلیمان اعظم کے داماد رستم پاشا کی تعمیر کردہ مسجد کے بالکل قریب ہیں۔ جو چھوٹی مساجد میں نہایت ہی خوبصورت اور خوشنما ہے۔ وہ ایک تنگ سے کوچہ میں چاروں طرف سے مکانات میں ایسی گھری ہوئی ہے کہ بہت کم سیاحوں کو اوس کا پتہ ملتا ہے۔ ہماری گاڑی ایک نچلے سے دروازہ پر کھڑی ہوگئی جس میں سے مسجد کی ڈیوڑھی کو تنگ سی سیڑھیاں جاتی ہیں۔ ڈیوڑھی مسجد کے برابر چوڑی ہے۔ مسجد کے کواڑ بند تھے۔ اور کوئی آدمزاد نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن ہمارا لڑکا کوچبان کی مدد سے مسجد کے محافظ کو بڑی مشکل کے بعد آخر تلاش کر لایا۔ جب تک وہ اوسکی تلاش میں پھرتے رہے ہم ڈیوڑھی کے بے نظیر چینی کے کام کو بڑے شوق سے ملاحظہ کرتے رہے۔ ایسی خوبصورت مسجد کیلئے ایسی ہی نفیس ڈیوڑھی شایان تھی۔ مسجد کی پچی کاری بالکل صحیح سالم ہے کہیں سے ایک کھپریل بھی نہیں اکھڑی۔ نہ کہیں سے کوئی چپٹی اڑی ہے۔ بیل بوٹے مختلف مزاج کے نیلے رنگ کے ہیں اور سفید زمین پر بنائے گئے ہیں۔ اور بمشکل ہی کوئی جگہ اون سے خالی ہے۔ یہہ بیلیں دیواروں میں فرش سے لیکے چھت تک چلی گئی ہیں۔ بعض دھاریاں چوڑی اور بعض پتلی ہیں۔ اون کے نقشے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مگر ہیں سب بے نظیر۔ اس مسجد کو دیکھکر کبھی یقین

یقین نہیں آسکتا کہ ساڑھے تین سو برس ہوئے اسے استاذ المعمارین سنان نے تعمیر کیا تھا۔ ہم نافرانی مسجد کو بھی گئے۔ تقریباً ایک سو تیس برس ہوئے اسے بلند کرسی پر جہاں سے مرمرا کی خوب سیر ہوتی ہے تعمیر کیا گیا تھا۔ مگر وہاں سیر کنندگان کیلئے سلیپر نہیں تھے۔ ہم اس چھوٹی سی خوبصورت مسجد کے صرف دروازہ پر ہی کھڑے رہ سکتے تھے۔ جہاں سے ہم اوسکی ہلکی پھلکی گیلری کو جو مسجد کے اندرونی حصہ کے گرداگرد سفید مرمر کے ستونوں پر بنی ہوئی ہے دیکھ کر اوسکی تعریف کرتے رہے۔ یہ کل عمارت مسجد کی بجائے زیادہ تر مقبرہ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ اور مربع کی بجائے یہ بھی ہشت پہلو۔ اس میں دو چھوٹے سے مینار بھی ہیں۔ ہم واپس جا ہی رہے تھے کہ موذن نے ان میں سے ایک پر کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کر دی۔

والدہ سلطان کی بڑی مسجد کو ہم نے کئی دفعہ دیکھا۔ پیرا کی طرف سے غلطہ پل کو عبور کرتے وقت وہ عین سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ مگر اون برقعوں پر اوس کے باغ کے مقبروں کو جو نہایت ہی خوبصورت ہیں ہم اس لئے نہ دیکھ سکے کہ اونکی مرمت ہو رہی تھی۔ تاہم ایک سہ پہر کو صادق بک ہمیں وہ گیلریاں اور کمرے دکھانے لے گیا۔ جو خاص سلطانی استعمال کیلئے مخصوص ہیں۔ ان کا رخ مسجد کی طرف ہے۔ اون سب پر چینی پچی کاری کا کام ہے۔ بعض دیواروں پر تختیاں دیجوں کے نیلے رنگ کی ہیں۔ اور باقی سبز رنگت کی ایک چھوٹے سے کمرے میں اینٹ کی رنگت کے سرخ پھول بنے ہوئے ہیں۔ جن سے عجب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ تمام کمروں میں قرآن شریف کی آیات منقوش تھیں بعض دریچوں کے آئینے بھی عمدہ رنگین اور منقش تھے۔ اور لکڑی کا کام بھی بہت عمدہ تھا۔ ایک اور چھوٹی سی مسجد کا ذکر جس کی بھی ہم نے سیر کی تھی تفصیل شہر سے باہر جانیکے حالات میں کرونگی۔

(۸) بلدز سرا میں ضیافت

پہلی مرتبہ جلوس سلاملق دیکھنے کے بعد سلطان المعظم کی بارگاہ میں شرف حضوری حاصل ہونیکی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اوس سے ایک یا دو دن بعد میرے خاوند کو اطلاع دیگئی کہ انگریزی سفیر اور محاربۂ کریمیا کے وقت کے افسر جنرل کینٹ کے ہمراہ جو ہمارے والے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا دوسرے دن محل سلطانی میں ہماری دعوت ہے۔ اطلاع میں یہ تصریح نہیں ہوئی تھی کہ ضیافت پرائیویٹ ہی یا سرکاری اسلئے میری شمولیت غیر متحقق تھی۔ ضیافت کے پرائیویٹ ہونیکی صورت میں یہ خود بخود مفہوم ہوجاتا

کہ میں بھی خاوند کے ساتھ جاؤں۔ ضیافت کی نوعیت کا پختہ پتہ ضیافت والے دن کی صبح کو ملا۔ اُس وقت اطلاع ملی کہ وہ سرکاری ہوگی جس پر ہمیں سفارت خانہ جاکر وہاں سے مدعوین کو رخصت ہوتے دیکھنے پر قناعت کرنی پڑی۔ ہمارے فرزند کو بالصراحت نام لیکر دعوت میں شریک کیا گیا تھا جس سے جلالت مآب کی بدرجہ غایت شفقت واضح ہورہی تھی۔ جب ہم باریاب ہوئے تھے۔ تو وہ سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اور اوسوقت حضور ممدوح نے ازراہِ ذرہ نوازی ہمیں مخاطب کرکے ارشاد فرمایا تھا کہ "تمہارے لڑکے کی قطع وضع نہایت شریفانہ اور ممتاز ہے" سفیر، ہمارا فرزند، اور اعلیٰ ترجمان رسمی پوشاک میں تھے۔ اور میرا خاوند اور جنرل کینیٹ جن کے پاس کوئی وردی نہ تھی مجبوراً شام کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ مگر دونوں مجیدیہ تمغے لگائے ہوئے تھے جو اول باریابی کے موقعہ پر اون کو عطا ہوئے تھے۔ اس جماعت کے محل میں پہونچنے سے پہلے ہی پاشاؤں کی تعداد کثیر وہاں جمع ہوچکی تھی۔ وہ سب کے سب زرق برق کی وردیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے سینے ستاروں اور فیتوں سے مزین ہورہے تھے۔ اعلیٰ ترجمان نے ان کو انگریزی مہمانوں سے روشناس کردیا۔ اُن میں اکثر وزراء بھی شامل تھے بلکہ **غازی عثمان** بھی موجود تھے۔ میرے خاوند نے غازی ممدوح کو فرنچ زبان میں کہا کہ "میں قبل ازیں ڈیوک آف ولنگٹن (فاتح نپولین) اور مولٹکی (فاتح پیرس و سیڈان) دونوں سے مصافحہ کرچکا ہوں۔ اور اب شیر پلیونا سے بھی ایسا کرنیکا فخر حاصل ہوگیا ہے"۔ سلطان المعظم رونق افروز ہوئے تو منیر پاشا رئیس التشریفات کی وساطت سے انگریزی مہمانوں کے ساتھ کمال خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے گفتگو کرتے رہے۔ بادشاہوں کے درباری گو مفت کی تنخواہیں لیتے ہوں۔ مگر منیر پاشا کی نوکری کو کبھی ایسا نہیں کہا جاسکتا۔ اُن کو بڑا کام دینا پڑتا ہے ضیافت میں اول سے آخر تک وہ اپنے نامور آقا کے پیچھے شاہی احکام مہمانوں کو پہونچانیکے لئے بالکل تیار دست بستہ کھڑے تھے۔

چند لمحوں کے بعد کل مجلس جسکے آگے جلالت مآب تھے کھانے کے کمرہ کو گئی۔ میز طلائی برتنوں سے جن میں سے چند واقعی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ تھے جگمگا رہی تھی۔ سلطان المعظم میز کے صدر میں متمکن ہوئے۔ سر کلیر فورڈ انگریزی سفیر، دائیں طرف جلالت مآب اور صدر اعظم کے درمیان اور جنرل کینیٹ حضور ممدوح کے بائیں ہاتھ تھے۔ میرا خاوند وزیر حرب اور وزیر بحریہ کے درمیان بیٹھا۔ اس مجمع کا نظارہ لاریب نہایت ہی شاندار ہوگا۔ کیونکہ اکثر ترک نہایت وجیہہ اور خوش شکل ہوتے ہیں اور داڑھیاں رکھتے ہیں جو نہایت موزون اور مقطع ہوتی ہیں۔ اور ان سے چہروں پر رعب و وقار پایا جاتا ہے۔ پروفیسر نے گھر آکر مجھ سے ذکر کیا کہ

کہ اس مجمع کو دیکھہ کر دل کو سچی خوشی اور مسرت حاصل ہوتی تہی۔ تقریبًا تیس آدمی ضیافت میں شریک تہے۔ ترکوں کی متحیر کر دینے والی خوبصورتی سے بڑھ کر تعجب انگیز کرنیوالی یہہ بات تہی کہ کل میز کے گرد کامل خاموشی چہائی ہوئی تہی۔ سلطان المعظم کے سوا اور سب خاموش تہے۔ جلالت مآب انگریزی سفیر سے بہت پرجوشی کے ساتہہ گفتگو کرتے رہے۔ گو حسب معمول یہہ مکالمہ بہی اول سے لیکر آخر تک ترجمان کی وساطت سے ہوتا رہا۔ میرے خاوند نے جو ترکی آداب طعام سے ناواقف تہا اپنے پڑوسیوں سے فرنچ میں بات چیت کرنی شروع کر دی۔ مگر انہوں نے ایسے مختصر جواب دئیے کہ اوسے بہی آخر سکوت اختیار کرنا پڑا۔ جس پر امیر المومنین نے جنہوں نے لاریب اس معاملہ کو دیکھہ لیا ہوگا منیر پاشا کو اشارہ کیا۔ اور اوس نے وزراء حرب و بحریہ کے کان میں کچہہ سرگوشی کی۔ اس پر وہ میرے سے بے تکلفانہ تکلم کرنے لگ گئے۔ امیر المومنین نے خود بہی اون کو آنکہہ کے اشارہ سے ایما کر دیا کہ آداب سلطانی کی اس خلاف ورزی کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ سلطان المعظم اور سلطانی عہدہ داران نے شراب کا ایک قطرہ نہ پیا۔ نہ میز پہ کوئی شراب موجود ہی تہی۔ خدام نے صرف عیسائی مہمانوں کو اوس کے جام بہر کر دیدیئے شراب کلیرٹ قسم کی تہی۔ جو ایسی عمدہ تہی کہ میرا خاوند رئیس التشریفات سے اوسکی نسبت دریافت کئے بغیر نہ رہ سکا عہدہ دار مذکور کا فرض ہے کہ دستر خوان شاہی پر جو مہمان ہوں اون کے لئے خود چکہہ کر شراب منتخب کرے۔ اوس نے جواب کی بجائے کندہوں کو ہلا دیا جسکا گویا یہہ مطلب تہا کہ "تم خود اچہی طرح قیاس کر سکتے ہو"۔ دستر خوان پر جو کہانے آئے۔ اون میں سکنجبین (پنچ) بہی تہی۔ وہ برف سے سرد کی ہوئی تہی۔ اور اوسکی بو ایسی تیز تہی کہ ہر ایک کو باسانی معلوم ہو سکتا تہا کہ اوس میں الکحل[1] ہے لیکن سلطان یا اون کے مہمانوں میں سے کسی نے اوس کے پینے سے احتراز نہ کیا۔ کیونکہ یہہ مرکب پنچ (سکنجبین) کہلاتا ہے۔ اور سکنجبین کی قرآن میں ممانعت نہیں ہے۔ مہمانوں کے لئے میز پر جو خلال پڑے تہے۔ اون میں سے ایک کو میرا خاوند ساتہہ لے آیا۔ اوس پر فرنچ زبان میں یہہ الفاظ منقوش تہے "شامپین (انگوری شراب کی ایک قسم) تو ہمیشہ زندہ رہے گی"۔ شاہی ضیافت ہو بہو کامل فرانسیسی ضیافت کا نمونہ تہی۔ طعام کی قسمیں ترکی اور فرنچ میں لکہی ہوئی تہیں۔ کل تیرہ قسم کے کہانے فہرست میں درج تہے۔ جو یکے بعد دیگرے سب کے سب میز پہ چنے گئے۔ سرکاری اعلان میں تاریخ ۲۳ جون درج تہی۔ مگر ضیافت انگریزی کلنڈر کے رو سے فی الحقیقت اتوار کے دن ۲۴ جون کو

[1] لیڈی صاحبہ کو خاوند کو جسکی سند پر وہ یہہ لکہہ رہی ہیں اس میں مغالطہ ہو گیا ہے۔ سکنجبین میں لیموں کی ہو یا سرکہ کی الکحل ہرگز نہیں پڑتا۔ چونکہ تیز سرکہ کی بو الکحل (روح شراب) سے بہت کچہہ ملتی جلتی ہے۔ صرف اس سے اون کو مغالطہ

ہوئی۔ پلاؤ وغیرہ ایشیائی طرز کے کھانوں کے علاوہ یورپین کھانے بھی تھے جن میں سے دو خاص انگریزی قسم کے تھے۔ جو انگریزی مہمانوں کے لئے خاص طور پر تیار کرائے گئے ہونگے۔ پلاؤ ترکوں کا ایسا مرغوب کھانا ہے کہ ممکن نہیں جس ضیافت میں کوئی ترک شامل ہو اس میں پلاؤ نہ ہو۔ میرے بیٹے نے مجھ سے ذکر کیا کہ جس طرف وہ تھا ادھر کے کسی مہمان نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ مگر کھانا اس قدر ہڑپ کیا کہ وہ حیران رہ گیا۔

بدوران ضیافت سلطان المعظم نے منیر پاشا کو یہ پیغام دیکر میرے خاوند کے پاس بھیجا کہ حضور ممدوح الطاف شاہانہ کے مزید اظہار کے لئے عنقریب مجھ کو نشان شفقت عطا فرمائیں گے۔ یہ نشان صرف عورتوں کے لئے ہے۔ چنانچہ چند دنوں ہی کے بعد محل ہمایوں کا ایک عہدہ دار یہ خوبصورت نشان مجھے ہوٹل میں پہونچا گیا۔ نشان سرخ مخمل کے صندوقچہ میں جس پر سنہری ہلال اور ستارہ بنا ہوا تھا بند تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت جو تمغے بالعموم عطا فرماتے ہیں میرے والا تمغہ ان سے زیادہ خوبصورت اور مرصع کار ہے۔ یہ تمغہ طلائی ستارہ کی شکل کا ہے جسکی پانچ کرنیں نکلی ہوئی ہیں۔ ہر کرن پر نہایت ہی خوبصورت سبز مینا کاری سے پتے اور لعلوں کے پھول بنے ہوئے ہیں۔ اور سرے پر آبدار الماس جڑا ہوا ہے۔ ستارہ ڈھالا ہوا نہیں۔ سونے کو ہاتھ سے کوٹ کر بنایا گیا ہے۔ اس ستارہ کے ساتھ ایک اور پانچ کرنی ستارہ سرخ مینا کاری کا ہے۔ یہ دونوں ستارے دوش بدوش ہیں اور انکے وسط میں ایک مدور طلائی ٹکیا ہے۔ اس پر سلطان المعظم کا طغرا کندہ ہے۔ اور گرداگرد سبز مینا کاری کی بیل ہے جس کے ساتھ ساتھ تین مرتبہ طلائی عربی حروف میں لفظ "شفقت گستردہ" ہے۔ فیتہ جس سے لٹکایا جاتا ہے سفید آبدار ریشمی کپڑے کا ہے۔ اس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی سرخ دھاریاں ہیں۔ جو دو سبز خطوں کے درمیان ہیں۔ تمغہ سرخ کوفت کاری کے ہلال و ستارہ کے ذریعہ سے اس فیتہ سے بندھا ہوتا ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر انگریز مہمان اور چند اعلیٰ اراکین قہوہ اور سگرٹ نوشی کے لئے سلطان المعظم کے ہمراہ دوسرے کمرہ میں گئے۔ جلالت مآب نے صرف یہی نہیں کہ بنفس نفیس سگرٹ پیش کئے بلکہ خود دیا سلائی روشن کر کے میرے خاوند کو دی۔ ایک متصلہ وسیع کمرہ میں جو کھجور کے پودوں اور پھولوں سے خوب آراستہ تھا راگ گایا جارہا تھا۔ سلطان المعظم نے کسی قدر فخر و مباہات کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ کل سازندے اور گوّیے ترک ہیں۔ سرود خوش الحان اور عمدہ تھا۔ اور گویوں کے گلے صاف اور وہ خوب اعلیٰ تربیت یافتہ تھے۔ جلالت مآب کو

خود بھی موسیقی کا بہت شوق ہے اور اکثر آپ اپنے ایک صاحبزادہ کے ساتھ بلکہ جیسے کسی دن اس فن پر کمال حاصل ہو جائیگا۔ ہارمونیم بجایا کرتے ہیں۔ اوس رات بہت وقت گذر جانیکی وجہ سے شاہزادے شامل نہ ہوئے مگر سلاملق کے موقعوں پر ہمیں اون کا دیدار ہوتا رہا۔ وہ اوس وقت خوبصورت عربی گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے۔ اور خوب چاق چوبند مضبوط اور چھریرے جسم کے معلوم ہوتے تھے۔ سلطان المعظم بہت رات گذرے اپنے مہمانوں سے رخصت ہوئے۔ جب وہ کمرہ سے باہر تشریف لے گئے۔ تو صدر اعظم نے کہا۔ جلالت مآب اب رات دو یا تین بجے تک کام کرینگے۔ اور پھر سویرے سے ہی اٹھکر کام میں مشغول ہو جائیں گے۔ وہ خود بھی بہت کم آرام لیتے ہیں اور اپنے وزرا کو بھی کم آرام کرنے دیتے ہیں۔ وزیر اعظم نے یہہ بھی کہا کہ جلالت مآب اپنے کل کاغذات کو ایسے سلیقہ اور ترتیب سے رکھتے ہیں کہ جس کاغذ کی ضرورت ہو اوس کو اپنے کام کرنیکے کمرہ سے تاریکی میں بھی باسانی نکال سکتے ہیں۔

ہر ایک امر کا خفیف ہو یا اہم سلطان المعظم بذات خود فیصلہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ آخر انسان ہیں اور نیز دوسرے انسانوں کی طرح اون کے دن کے بھی چوبیس ہی گھنٹے ہوتے ہیں۔ بلشتیا خفیف معاملات کی وجہ سے جن پر اون کے احکام کا حصول لازمی ہے کئی زیادہ اہم معاملات معرض تعویق میں پڑے رہتے ہیں اور اکثر کئی کئی مہینوں تک بلا تصفیہ رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں ایک معاملہ کا ذکر کرتی ہوں۔ تھراپیا (مضافات قسطنطنیہ جو باسفرس کے یورپی ساحل پر آباد ہے) میں جس لنگر سے انگریزی سفارت کا حفاظتی جہاز باندہا جاتا تھا۔ اوس کے قریب پانی میں ایک چٹان ڈوبا ہوا تھا جس سے دریا کے مد و جزر کے بعض موقعوں پر جہاز کو نقصان پہونچ جانے کا احتمال تھا۔ مگر چونکہ سلطان المعظم کے حکم کے بغیر وہ لنگر اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جا سکتا تھا سفیر نے ہمارے جانے سے پہلے کی عرضی دی ہوئی تھی کہ لنگر مذکور کو چند فیٹ ہٹا دینے کی اجازت مل جائے۔ ہم ترکی میں تین مہینے رہے اور ہماری روانگی تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

ضیافت کے بعد جو پہلا جمعہ آیا۔ اوس جمعہ کو ہم پھر بطور شکر گذاری اور شاہی آداب بجا لانے کے لئے سلاملق میں حاضر ہوئے۔ اور جب منیر پاشا حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہونچانے آئے تو میں نے اون کی معرفت تمغہ شفقت کی مرحمت کا شکریہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ سلطان المعظم کی خدمت میں کہلا بھیجا۔ سلاملق سے ماقبل کی رات کو انگریزی سفارت میں بڑی بھاری دعوت تھی جس میں میں نے بڑے فخر و ناز اور ساتھ ہی مسرت و فرحت کے ساتھ اس تمغہ کو لگا کر شامل ہوئی تھی۔

اسکے بعد اور دو دفعہ ہم سلاملق میں شریک ہوئی۔ ایک دفعہ تب جبکہ نوجوان خدیو بھی وہاں موجود تہا۔ اور اوس کے اعزاز میں سلطان المعظم کے مسجد سے تشریف لیجانیکے بعد کل فوج پرے باندھ کر گذری تہی چند نو عمر افسروں کو قاعدے کے ساتھہ پریڈ مارچ کرتے دیکھہ کر جو انہوں نے برلن میں سیکہا تہا طبیعت کو بہت فرحت ہوئی۔ مگر اون افسروں کے لئے جنکی عمریں نسبتاً بڑی تہیں عموماً پہاڑی سے تیز قدمی کے ساتھہ نیچے جانا سخت تکان دہ کام تہا۔ خدیو جتنا عرصہ قسطنطنیہ میں ٹھہرے۔ برابر آزردہ رہے اون کو توقع تہی کہ خود مختار بادشاہ کی طرح اونکی تعظیم و تکریم ہوگی۔ اور سلطان المعظم نے اونکی خاطر ویسی ہی کی جو باجگذار حکمران کے مناسب حال ہوسکتی تہی چنانچہ محل ہمایوں میں اون کو بڑی ہی ضیافت دیگئی۔ اوس میں اون کو صدر اعظم کے بعد بحیثیت سوم رکن سلطنت جگہ دیگئی۔ سلاملق میں سلطان المعظم نے اونکو اپنے ہمراہ مسجد جانیکی دعوت نہ کی۔ صرف یہہ اعزاز کیا گیا کہ جلوس اور فوج کا "مارچ پاسٹ" (پرے باندھ کر سامنے سے گذرنا) دیکہنے کے لئے سفراء کی کوٹھی کے متصل اون کو ایک علیحدہ کوٹھی میں بٹھایا گیا۔ آخری دفعہ ہم بڑی مشکلوں سے سلاملق میں شامل ہوسکے۔ میرے خاوند کو اپنی تصنیف کردہ کتب موسومہ "مشرق کی مقدس کتابیں" سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کرنیکی اجازت ملگئی تہی۔ اور یہہ کتابیں انگلستان سے پہونچگئی تہیں۔ جب وہ جمعہ آیا۔ . . . . . جبکہ ہم نے آخری مرتبہ سلاملق کو جانا تہا تو ہمیں یہہ خیال نہ رہا کہ چونکہ ٹرکی میں غروب آفتاب سے وقت کا شمار ہوتا ہے۔ اس لئے موسم گرما میں یورپین طرز شمار وقت کے بارہ بجے ٹرکی وقت میں سویرے سے[لہ] ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب سلاملق کے عازمین کو لیجانیوالا جہاز جو صرف ایک دفعہ چلتا ہے ٹہیراپیا پہونچا تو ہم اوسوقت تیار نہ تہے۔ اوس کے چلے جانیکے بعد ہم نے کسی قدر دقت کے ساتھہ گاڑی بہم پہونچائی اور اوس میں سوار ہوکر یلدیز کی طرف روانہ ہوئی۔ تہیراپیا سے پہلے ہم کو گھنے درختوں کی گہاٹی موسومہ "کراؤ بیرو" (آب سرد) پر چڑہنا پڑا۔ اسکے بعد ہم اوس بڑے نام شاہراہ پر ہوگئے جو باسفورس کے کنارہ کی پہاڑیوں کی چوٹی چوٹی پیرا کو جاتی ہے۔

لہ ناظرین کو اس کا مطلب بالتشریح اس سے بآسانی سمجھہ میں آجائیگا۔ سرما میں انگریزی وقت کے عموماً پانچ بجے دن غروب ہوتا ہے۔ اور چونکہ ترکی وقت کا اوس سے ایک کا عمل شروع ہوگا۔ انگریزی وقت کے جب دوپہر کے بارہ بجیں گے۔ اوس وقت ترکی وقت کے ۱۹ بجیں گے۔ لیکن گرمی میں دن بڑہنا شروع ہوجاتا ہے حتی کہ جون میں تقریباً آٹھہ بجے دن غروب ہوتا ہے۔ چنانچہ اوس موسم میں جب انگریزی وقت کے دوپہر کے بارہ بجیں گے ترکی وقت کے سولہ بجیں گے۔ مترجم۔

سڑک اس قدر خشکی کی طرف ہٹی ہوئی ہے کہ ہم باسفرس کے پانی کو نہ دیکھ سکے۔ تاہم ساری سڑک سے باسفرس کے ایشیائی ساحل کی پہاڑیوں کا نظارہ ہوتا رہا۔ شروع شروع میں تو یہ تیلی سڑک اچھی تھی۔ مگر جوں جوں دار الخلافہ کے قریب پہونچتے گئے۔ وہ خراب ہوتی گئی۔ حتی کہ آخر میں اس قدر گہری نالیاں اور بڑے بڑے گڑھے آگئے کہ ہم کو مجبوراً سڑک چھوڑ کر کہیتوں میں سے جس طرح بن پڑا گذرنا پڑا۔ جب ہم یلدز پہونچے تو کل فوجیں صف بستہ ہو چکی تھیں۔ مگر ہم فوج سواران کی صف کو چیر کر آگے بڑھ گئے۔ اور اسی وقت ہمیں صادق بک مل گیا وہ ہماری طرف سے بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ اوسکی نگرانی میں ہم جھٹ پٹ سفرا کی بارہ دری میں پہونچ گئے۔ میرے خاوند نے تہوڑی سی عبارت لکھ کر اوس میں مشرق کی کتب مقدسہ کی تالیف اور طبع کے مقاصد و مدعا کو واضح کیا تھا۔ اور اس عبارت کا سفارت کے ایک ترجمان سے سلیس ترکی میں ترجمہ کرا کر اوسے چند روز پیشتر محل ہمایون کو بھیج دیا تھا۔ اور ساتھ ہی سلطان المعظم کی خدمت میں یہ عرض کر بھیجا تھا کہ ہم ایک ہفتہ میں رخصت ہو جائینگے۔ جب رئیس التشریفات حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہونچانے آیا تو اوس نے پروفیسر کو کہا کہ سلطان المعظم تمہاری تحریر سے جس کا لفظ لفظ حضور ممدوح نے مطالعہ فرمایا ہے کمال محظوظ اور متاثر ہوئے ہیں۔

سلاملق کے بعد صادق بک ہم کو اوسی کوشک میں لیگیا کہ جہاں پہلی سلاملق کے بعد ہمیں شرف باریابی حاصل ہوا تھا۔ ایک بڑے کمرہ میں لیگیا۔ وہاں بہت سے آدمی (جو سب کے سب مرد تھے) سعادت حضوری ملنے یا سلطان المعظم کے احکام سننے کے انتظار میں جمع تھے۔ یہاں ہمیں حاجی علی گرشید چیمبرلین (اعلیٰ حاجب) سے جو نہایت متین اور باوقار کمال خوبصورت پیرمرد ترک ہے روشناس کرایا گیا۔ جس کمرہ میں ہم تھے۔ اوس میں سلطان المعظم منتظران جمال کو شرف دیدار عطا فرما رہے تھے اون دونوں کے درمیان وہ مسلسل آمد و رفت کرتا رہا۔ کل حاضرین کو قہوہ اور سگریٹ اور مفرح برف میں سرد کیا ہوا شربت بادام دیا گیا۔ اور ہم سب ایک دوسرے کی طرف باوقار خاموشی سے بیٹھے تکتے رہے۔ حتی کہ صادق بک نے علامہ زمان جلال الدین افغانی کو جو نہایت معزز اور نہایت مشہور و ممتاز شیخ ہے لا کر میرے خاوند سے معرف کرایا۔ اور اون دونوں میں فی الفور زبان فرنچ کردوں اور سلطنت عثمانیہ کی دیگر اقوام پر طویل و دلچسپ گفتگو شروع ہو گئی۔ ایک روسی افسر بھی جو پاس کھڑا تھا۔ حالانکہ اوسے اس مضمون پر بہت تہوڑا علم تھا گفتگو میں شامل ہو گیا۔ اور اوس نے پروفیسر اور جلال الدین کی رائے سے جو دونوں بالکل متفق الرائے تھے مختلف رائے ظاہر کی۔ ہم سب بیٹھے ہوئے

اون کی دلیلوں کو سنتے رہے۔ کہ اتنے میں گرینڈ چیمبرلین نے سلطانی کمرہ سے برآمد ہوکر ہم سے خاوند سے کہا کہ سلطان المعظم تمہاری تحریر پڑھ کر بہت خوش ہوئے ہیں اور گو آج وہ بہت مصروف ہیں اور تم سے ملاقات نہیں کرسکتے۔ تاہم حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا ہے کہ جانے سے پہلے وہ تم سے ایک دفعہ پھر ضرور ملاقات کرنا چاہتے ہیں جس کے لئے کوئی دن بعد میں مقرر کیا جائیگا اور تم کو چاء یا کھانے پہ مدعو کیا جائیگا۔" ہم سے ہٹ کر حاجی علی شیخ جلال الدین کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اُس سے کہا کہ سلطان المعظم نے تم کو باسفرس کے کنارہ ایک مکان عطا فرمایا ہے۔ بعدازاں پھر پروفیسر کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ جلالت مآب نے تم کو عزت و قدر افزائی کا اعلیٰ ترین نشان "تمغہ لیاقت" بھیجا ہے جسے حضور ممدوح بہت شاذونادر عطا فرماتے ہیں"۔ وہ ایک چھوٹا سا خوبصورت طلائی تمغہ ہے اور سلطان المعظم اوسے باقی سب طبقوں کے تمغوں سے افضل سمجھتے ہیں۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا۔ کہ میرا خاوند اون عیسائیوں سے علاوہ جو سلطان المعظم کی ملازمت میں داخل ہیں پہلا عیسائی ہے جسے یہ تمغہ عطا ہوا ہے (یعنی اس سے پہلے جن معدودے چند خوش نصیب عیسائیوں کو یہ تمغہ ملا تھا وہ سلطان المعظم کے ملازم تھے) صادق کا چہرہ اس نشان کو پروفیسر کے سینہ سے ٹانکتے وقت خوشی سے تمتما اُٹھا تھا۔ فی الواقع سلطان المکرم کی نوازش اور عنایت کا یہ بہت بھاری ثبوت تھا۔ یہ تمغہ ایک چھوٹے سے سرخ فیتہ سے جس کے کنارے سبز ہیں لٹکا ہوا ہے۔ اور ترکی میں اوس پر یہ الفاظ نقش ہیں "یہ اون کے واسطے مخصوص ہے جو لیاقت صداقت اور ہمت مردانہ ظاہر کریں"۔ رخصت ہونے پر ہم نے بیرونی ایوان کو ملازموں سے بھرا ہوا پایا۔ وہ سب انعام کے متوقع تھے۔ ہم نے ترجمان سے جو وہاں ہمارے انتظار میں بیٹھا تھا درخواست کی کہ جو کچھ مناسب ہو نوکروں کو دیدے۔ اوس نے دو پونڈ ترکی (ایک پونڈ اور سولہ شلنگ) سب میں تقسیم کردیئے۔ ہم نے صادق کو اپنی روانگی کا وقت بتا کر اوس سے التجا کی کہ وہ عہدہ داران مجلس ہمایون کو اچھی طرح سے بتا دے۔ . . . . کہ ہم اس ہفتہ کے اندر جانیکا پختہ عزم رکھتے ہیں۔ گو ہم جانتے تھے کہ سلطان کا پیغام پہنچ جانے کے بعد اور بالخصوص تمغہ لیاقت کے عطیہ کے بعد ہم پر ایک طرح سے واجب ہوگیا ہے کہ اگر سلطان المعظم ہم کو اوس دن سے پہلے جس دن ہم نے وطن کی طرف واپس جانے کا تصفیہ کیا ہوا تھا۔ شرف باریابی عطا نہ فرما سکیں تو ہم اپنی روانگی کو چندے ملتوی کردیں۔

(۹) پرانی شہر پناہ

پرانی شہر پناہ اور فصیلوں کی خوبصورتی کا ذکر ہمارے فرزند نے اپنے کئی خطوں میں کیا تھا۔ چنانچہ ہم نے صادق بک سے جس نے بھی اون کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک سہ پہر اس گشت پر صرف کرنے کا فیصلہ کیا۔ کبھی یہہ فصیل سارے شہر کے گرد موجود تھی۔ اور وہ دیوار جو سمندر کی طرف کی فصیل کہلاتی تھی اور گوشۂ محلسرا سے یدی قلہ (ہفت برج) تک بحیرہ مرمرا کے کنارہ کنارہ بنی ہوئی تھی۔ ریلوے لاین کی تعمیر کے وقت تک اچھی عمدہ حالت میں کھڑی تھی۔ مگر جب لاین بنی تو وہ تقریبًا اوس موقع سے گذری جہاں پر دیوار تھی جس پر اوسے گرا دیا گیا اور اب کہیں کہیں اوسکا کوئی ٹکڑا کھڑا رہا ہے۔ باقیماندہ فصیلوں کی طرح دریائی فصیل کو بھی ابتدا قسطنطین اعظم نے تعمیر کرایا تھا۔ اور پھر قیصر تھیوڈوسیس ثانی نے (جو ۴۰۸ء سے ۴۵۰ء تک حکمران رہا) اوسکی خوب طرح مرمت کرائی تھی۔ وہ ایک قسم کے پشتہ پر جو دیوار کے پائیں میں بڑے بڑے چٹانوں کا بنا ہوا ہے بنائی گئی تھی اور باقیماندہ آثار سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ موجوں کے زور کو توڑنے کے لئے وہ عمدًا بخط مستقیم یعنی سیدہی نہیں بنائی گئی تھی۔ دریائی فصیل دوسری فصیلوں سے کم چوڑی ہے۔ یہہ امر بتارہا ہے کہ خود تنہا سمندر کو بھی کافی حفاظت خیال کیا گیا تھا۔ اکثر جگہ کتبوں کے نشان موجود ہیں جن پر تھیوڈوسیس کا نام کندہ ہے اور کل فصیل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ زمانہ میں اوس میں تقریبًا دس دروازے تھے جن سے اون بیشمار گرجوں کو جو عین اوس سے اوپر کے بنے ہوئے تھے۔ اور نیز شہر کے اندرونی حصوں کو سمندر کی طرف سے راستے جاتے تھے۔ مگر یہہ فصیل جو ہر ایک جگہ سے ٹوٹی ہوئی اور غلیظ گلیوں سے ملی جلی ہوئی ہے وہ فصیل نہیں۔ جسکا ہمارے بیٹے نے ذکر کیا تھا اور جس کو دیکھنے کے لئے ہم روانہ ہوئے تھے۔ ہم ریل پر یدی قلہ کو گئے یہہ قلعہ اوس زاویہ پر ہے جو دریائی جانب اور خشکی کی طرف کی فصیلوں کے التصاق سے بنتا ہے خشکی کی طرف کی فصیل اس موقع سے خلیج تک تقریبًا پانچ میل لمبی چلی گئی ہے۔ اس قلعہ کو محمد فاتح نے تعمیر کرایا تھا۔ اور کسی وقت اسیران سلطانی کے محبس کا کام دیتا تھا۔ اب وہ کھنڈر پڑا ہے۔ سات میں سے تین برج منہدم ہو گئے ہیں۔ اور باقیماندہ چاروں پر بھی گھاس اگا ہوا ہے۔ ایک تاریک سے دروازہ میں سے گذر کر جو بند رکھا جاتا ہے ہم صحن میں پہونچے۔ وہ تختہ گیاہ معلوم ہوتا تھا۔ اوسکی بائیں طرف وہ برج ہے جس میں اوس سلطنت کے سفیر جس سے باب عالی کی جنگ چھڑ جائے فی الفور مقید کر دیئے جاتے تھے۔ یہہ برج آخری دفعہ ۱۷۹۸ء میں استعمال

ہیں لایا گیا تہا۔ جبکہ فرنچ سفیر کچہہ عرصہ کے لئے اوس ہیں نظر بند کیا گیا تہا۔ قلعہ کی نگرانی اور حفاظت پر ہمیشہ ینگچری فوج کا دستہ مامور رہتا تہا۔ اور یہیں یہہ سرکش فوج اون سلاطین کو جن سے وہ بگڑ جاتی تہی قید کر کے لے آیا کرتی تہی۔ اور اون میں سے بعض کو یہیں اوس نے قتل بہی کیا تہا۔ ہم نے اون کمروں کو جا کر دیکہا جن میں فرنچ سفیر مقید رہا تہا۔ اون کے فرش کچے تہے۔ روشنی کا کوئی راستہ نہ تہا۔ اور صرف ایک تنگ تاریک پیچ دار راستہ سے جسکی ایک شخص بہی بآسانی حفاظت کر سکتا تہا۔ اون تک پہونچا جاتا تہا۔ وہاں سے قیدی کا بہاگ سکنا بالکل ناممکن تہا۔ اس برج سے باہر قریب ہی ایک گہرا کنواں ہے جسے خونی کنواں پکارتے ہیں اس میں اون لوگوں کے سر گرا دیئے جاتے تہے۔ جو ایک متصل چہوٹے سے صحن میں قتل کئے جاتے تہے یہ روایت ہے کہ روس کی ملکہ کیتھرائین اعظم کے سفیر کونٹ اوبریسکاف کو موجود الوقت سلطان نے کسی خفیف سی رنجش پر جو دونوں ملکوں میں ہو گئی تہی اس کنوئیں میں لٹکا دیا تہا اور تین دن اوس کو میں نے نہو دیا تہا۔ چند ہلوان زینوں پر چڑہنے سے ہم بلند سطح پر پہونچ گئے۔ یہاں سے مرمرا کا جو دہوپ کی سنہری کرنوں سے طلائی چادر کی طرح جگمگا رہا تہا دور تک ایسا شاندار نظارہ ہوتا تہا۔ کہ انسان اوسے مدت العمر فراموش نہیں کر سکتا۔ دن سخت گرم تہا۔ اور صادق نے مجہے اس بلندی پر اپنے بیٹے کے پیچہے جانے سے روکنے کی بہتیری کوشش کی تہی۔ مگر جب کامیاب نہ ہوا تو اکیلا ہی اوداسی بہرے صحن میں بیٹہ گیا۔ اوسکی وردی بہت ہی چست اور پتلون بہت تنگ تہی جس سے اوس کو اوپر نیچے چڑہنے اترنے میں بہت دقت ہوتی تہی۔

جب ہم اس ہولناک قلعہ سے باہر نکلے تو میں نے شکر کا کلمہ پڑہا۔ پہر اپنی گاڑی کے پاس پہونچکر اوس پر سوار ہو گئے اور ایسے راستہ سے جو باقاعدہ پہاٹک ہونیکی بجائے شگاف سا معلوم ہوتا تہا پرانی فصیل سے باہر کی طرف ہو گئے۔ جہاں پہونچتے ہی کل منظر جو خوبصورت مگر ساتہہ ہی سنسان تہا ہماری نظروں کے سامنے پہیل گیا۔ جہاں تک ہماری نگاہ پہونچتی تہی۔ دیوار ہی دیوار اور اُس کے بے شمار برج دکہائی دیتے تہے۔ اوسکی منہدمہ حالت پر وئیدگی جنگلی انگوروں اور دوسرے پودوں کی بیلوں سے جو چاروں طرف پہیلی ہوئی رہتیں چہپی ہوئی تہی خشکی کی طرف کی فصیل اول سے آخر تک تہری تہی جس کے اب بہی برابر نشان موجود ہیں۔ اندرونی فصیل۔ بیرونی فصیل۔ اسکے آگے مٹی کا پشتہ اور پہر خندق۔ خندق چار صدیوں کی مسلسل روئیدگی سے تقریبًا پر ہو گئی ہے جس کے درختوں کی ہنری دیواروں کے ساتہہ ساتہہ چلی جاتی ہوئی عجب کیفیت دکہاتی ہے۔ ہماری دائیں طرف قریب طلائی دروازہ اور اوس کے دونوں مینارے تہے۔ جو سنگ مرمر کے بنے

ہوئے ہیں۔ یہی وہ محراب فتح تھی جس سے قیاصرہ بڑے ٹھاٹ سے ہو قیصوں پر شہر میں داخل ہوکر بازار فتح کے راستہ ایا صوفیا کو جایا کرتے تھے۔ دروازہ سے باہر سمندر کا ہموار ساحل ہے رومی قیصر یہاں پر جہازوں سے خشکی پر اترکر دروازہ میں داخل ہوا کرتے تھے۔ اب اس دروازہ میں دیوار چن دی گئی ہوئی ہے جس سڑک پر ہم نے گذرنا تھا وہ ایسی بری تھی کہ عربوں کے سوار اور کسی قسم کے گھوڑے اوس پر سے چلنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔ اس پر کسی وقت پختہ فرش موجود تھا۔ مگر اب بنیاد پتھروں کے ٹوٹ جانے یا اکھڑ پڑنے سے اس قدر گڑھے پڑ گئے ہوئے ہیں کہ آخر ہمیں بہت سا حصہ پیدل چلنا پڑا۔ راستہ میں ہماری بائیں طرف کھلے میدان میں ارمنی ہسپتال۔ یونانی یتیم خانہ اور کئی دیگر اسی قسم کی عمارتیں آئیں۔ مگر ہماری توجہ تمام تر اون برجوں اور پھاٹکوں کی طرف مبذول تھی جو ہماری دائیں طرف شہر پناہ کی لمبی دیواروں میں بنے ہوئے تھے اور جن میں سے ہر ایک کے متعلق کوئی تاریخی روایت یا قصہ مشہور تھا۔ یا یونانی لاطینی زبان میں کوئی کتبہ موجود تھا جس دروازہ کو اب "سلی وری کاپوسی" پکارا جاتا ہے۔ یونانی شہر کو لاطینوں کے ہاتھ سے پھر فتح کرنے پر اوسی کے راستہ داخل ہوئے تھے۔ اس دروازہ سے متصل ہی باہر کی طرف درختوں کے جھنڈ میں بلوق لی کا مشہور کنواں ہے۔ مجھے اوسے نہ دیکھنے کا بہت افسوس ہوا۔ کیونکہ نیم برشتہ مچھلی کا قصہ اسی کے متعلق مشہور ہے اسجگہ پانی کے بہت سے چشمے ہیں۔ چنانچہ اسے پہلے حضرت مریم کے چشموں کی جگہ پکارا جاتا تھا۔ روایت یہہ ہے کہ قسطنطنیہ کے فتح کے وقت یہاں ایک راہب رہتا تھا جب ترکوں نے شہر پر آخری حملہ کیا۔ اوسوقت وہ مزے سے بیٹھا ہوا مچھلیاں تل رہا تھا جسوقت اوسے کسی نے کہا کہ ترک شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو اوس نے کہا "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہہ مچھلیاں کڑاہی سے اُچھل کر پانی میں چلی جائیں۔ تو پھر البتہ میں یقین کر لوں"۔ اوسکے کہنے کی دیر تھی کہ مچھلیاں اچھل کر پانی میں چلی گئیں جنکی اولاد کا نیم برشتہ مچھلیوں کی طرح آدھا جسم سیاہ اور آدھا سفید ہوتا ہے۔ بلوق لی کی فطرتی دلفریبی اور خوبصورتی پر بائی زنطینی شعرا اور نویسندوں نے خوب خوب جوہر طبع دکھائے ہیں۔

فصیلوں کے تقریبًا ہر ایک برج پر کوئی نہ کوئی کتبہ ضرور موجود ہے جو اوسکی تعمیر یا مرمت ہائے مابعد کی تاریخوں کا پتہ بتا رہا ہے۔ دروازہ توپ کاپوسی کے دونوں طرف فصیل تقریبًا منہدم تھی۔ اور ایک جگہ نالہ لیکس کے قریب اب تک بہت بڑا شگاف صاف دکھائی دیتا ہے۔ ترک اسی کے راستہ پہلے پہل داخل ہوئے تھے۔ دروازہ کی بہت کم مرمت کی گئی۔ اس دروازہ کو توپ دروازہ اس لئے پکارا جاتا ہے۔

کہ محاصرہ کے وقت ترکوں نے اوس کے مقابل بڑی بڑی گراں وزن توپیں نصب کی تہیں۔ لاطینی بہی
صلیبی لڑائیوں کے وقت اسی شگاف کے قریب شہر میں داخل ہوئے تہے۔ اور اسی شگاف پر آخری محاصرہ
میں جنوا کا بہادر گسٹینی نی آنی زخمی ہوا تہا۔ اور اوس کے لڑائی سے ہٹ جانے پر اوس کے تمام تنخواہ دار یا بندہ
سپاہی بہی چلے گئے تہے۔ قسطنطین نے عین توپ کاپوسی کے اندر ہی آخری وقت تک غنیم کی دل بادل فوج
قہار سے مقابلہ کرتے ہوئے مردانہ وار اپنی جان قربان کی تہی۔ حملہ آوروں کی تعداد دو لاکہ تہی جن کے
مقابلہ میں اکثر مورخین کا خیال ہے کہ شہر میں آٹہ ہزار سے زیادہ قواعد دان محافظین نہ تہے۔ تاہم یہہ چہوٹی سی
جماعت ۵۳ دن تک دشمن سے اپنے شہر کو بچائے رہی۔ بہادر قسطنطین کی لاش کشتیوں کے پشتوں کے
نیچے پائی گئی تہی۔ اوسکی دلیرانہ بہادری نے محمد پر ایسا اثر کیا تہا کہ اوس نے لاش کو ادب احترام سے
دفن کرنے کا حکم دیا۔ اور قسطنطنیہ میں ہمیں یہہ بہی سننے کا اتفاق ہوا کہ آخری یونانی قیصر کی قبر پر سرکاری خرچ سے
ہر وقت ایک چہوٹا سا لمپ روشن رہتا ہے۔ کسی گائڈ بک میں اس کا ذکر نہیں۔ مگر یہہ یقینی امر ہے کہ اس
بات کو درست سمجہا جاتا ہے۔ قسطنطنیہ کا وہ سارا حصہ ایسا غلیظ اور ویران ہے کہ ہم نے خود موقعہ پر جاکر اوس کے
تصدیق کرنے کا کبہی خیال تک نہ کیا۔ یہہ عجب اتفاق تہا۔ ہم اوس نظارہ کو جس نے مکتب کے ایام سے
ہمارے دلوں پر نہایت گہرا اثر ڈال رکہا تہا۔ اوس فاتح قوم کے ایک فرد کی رفاقت میں دیکہ رہے تہے جس کے
باسفرس سے دہلی جانب موجود ہونیکی نسبت شروع سے ہمارے دلوں میں یہہ سمجہا دیا گیا تہا کہ یہہ عیسائیوں کے
لئے ایک سخت وہبہ ہے۔ صادق بک کے چہرہ سے معلوم ہوتا تہا کہ توپ کاپوسی اور اوسکے ملحقات کو
دیکہ کر اوس پر کوئی چنداں اثر نہیں ہوا۔ غالبًا اوس نے اس کے متعلقہ تاریخی حالات پر اوسوقت نظر نہیں
دوڑائی ہوگی۔ مجہ اوسکی لاپروائی سے ایک طرح کا سخت صدمہ پہونچا کیونکہ میں خوبصورت شہر اور اوس کے پر فضا
مضافات کا خیال کرتے وقت دل میں یہہ کہہ رہی تہی کہ اگر صادق اوس وقت اپنے آبا و اجداد کے کارناموں پر
کوئی فخر ظاہر کریگا تو میں اوسے معذور سمجہونگی۔ اس دروازہ سے آگے دیوار سے باہر مکروہ اور قابل نفرین
سڑک کے بائیں ہاتہ تمام کہلے میدان میں ایک وسیع قبرستان پہیلا ہوا ہے۔ پہاڑی کی چوٹی پر اور وادی
کے دامن میں الغرض جہاں تک نظر کام کرتی تہی۔ قبروں کے لمبے لمبے پتلے ستون نظر آتے تہے۔ اور اون کے
اتنے استنے ہوتے اور بلند سر سایہ ڈالے ہوئے تہے کہ اون جیسے ہم نے پہلے نہیں دیکہے تہے۔
توپ کاپوسی سے تہوڑے ہی فاصلہ پر دریدہ برج ہے۔ جو سب برجوں سے زیادہ خوبصورت اور حیرت افزا

ہے۔ اس میں ادرنہ پاپ کی توپوں کے ایک گولہ سے جو سنگ مرمر کا تھا شگاف پڑ گیا تھا۔ اور گو اوس کے دونوں حصے بالکل جدا جدا ہوگئے ہیں مگر وہ ابتک قایم کھڑا ہے۔ یا جب ہم نے دیکھا اوس وقت قایم کھڑا تھا۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ ۱۸۹۴ء کے زلزلہ میں وہ گر پڑا تھا۔ لیکن اس خبر کی تصدیق اب تک ہمارا ٹیا موقع پر جا کر نہیں کر سکا۔ چارسو برس تک اس دریدہ برج کا صحیح سالم کھڑا رہنا معجزہ سے کم نہیں معلوم ہوتا۔

توپ کاپوسی کے آگے ادرنہ کاپوسی دروازہ ایڈریا نوپل ہے ہم قہریہ یعنی بیل بوٹے دار مسجد کو دیکھنے کے لئے اوس کے راستہ اندر داخل ہوئے۔ یہہ کسی وقت عیسائیوں کا گرجہ تھا۔ جو ایک نہایت ہی قدیم گرجہ کی جگہ بارہویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اوس زمانہ میں شہر کا یہہ حصہ جو اب ویران و سنسان پڑا ہے بلاشری محل کے قرب کے باعث جس میں بازنطینی سلاطینی اور فتح پانیکے بعد پھر یونانی قیاصرہ رہتے تھے۔ نہایت آباد اور بارونق تھا۔ محاصرہ کی آخری رات کو جبکہ چاروں طرف سے مایوسی چہا رہی تھی۔ اسی محل سے قسطنطین جام ہلاکت پینے کیلئے فصیل کو گیا تھا۔ محل کا موقع ہم سے دور نہ تھا۔ مگر صادق کو اوس کا کچھہ علم نہ تھا۔ اسلئے ہم وہاں نہ گئے۔ علاوہ بریں وہاں جانیکی چنداں ضرورت بھی نہ دیکھی گئی۔ اب صرف سفید جگہ ہی جگہ باقی ہے ترکوں نے اوسکا تمام قیمتی سامان اور مصالح مسجدیں اور مقبرے بنانے کیلئے اوٹھا لیا ہوا ہے۔ وہ خود اوس میں کبھی رہایش پذیر نہیں ہوئے اور اب وہ جگہ جو سالہائے دراز تک مشرقی سلطنت کا مرکز اور زنانہ عیش و عشرت اور مطلق العنانہ جرایم اور جبر و ستم کا اکھاڑہ رہچکی تھی کل استنبول میں غلیظ ترین اور سب سے ویران مقام ہے۔ مگر اس بیان کو چھوڑ کر میں مسجد کی طرف آتی ہوں۔

اوس کی بیرونی اور اندرونی ڈیوڑھی پر اب تک بیل بوٹے موجود ہیں جو کمال خوبصورت اور بالکل قایم ہیں۔ دیواروں اور چھتوں پر انجیل کے واقعات اور مریم کی سرگذشتوں کے مرقعے اور تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اور بغلی عمارت میں کئی تصویروں کے چند خوشنما سر باقی ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ کسی وقت یہہ کل عمارت تصویروں سے بہری ہوئی تھی۔ اس مسجد کو دیکھہ کر ہمیں تعجب ہوا کہ اس میں بیل بوٹوں اور تصویروں کو کیوں سالم رہنے دیا گیا ہے۔ حالانکہ اسے قسطنطنیہ کے فتح ہونے پر فوراً ہی مسجد بنا لیا گیا تھا۔ اور باقی تمام ایسے گرجوں میں جو آیا صوفیا کی طرح مسجد بنائے گئے تھے بیل بوٹوں پر قلعی پھیر دیگئی تھی۔ اور اون میں نقش و نگار کے بہت کم آثار کہیں رہنے دیئے گئے تھے۔

مسجد کو دیکھہ کر ہم پھر ادرنہ کاپوسی کے راستے باہر نکلکر فصیل سے باہر باہر ایوب کی طرف چلے

پرشے سے تہیوڈوسی اس کی بناکردہ فصیل اس موقع پر جہاں سے ایوب کی طرف ابتدائی شروع ہوتی ہے ختم ہو جاتی
ہے اس سے آگے جو شہر پناہ ہے۔ اوسکی نسبت خیال ہو کہ اوسے قیصر مینوال کومنینس نے بنایا تھا۔ اور یہہ غالباً
اوس نے تہیوڈوسی اس کی تعمیر کردہ دیوار کے اوس حصہ سے علاوہ جو اب بالکل معدوم ہو گیا ہے۔
محل بلاشرنی کی مزید حفاظت کیلئے تعمیر کرائی تہی۔ اِس دیوار میں ایک قابل دید چیز اگری کاپوسی یا سنہری
دروازہ ہے۔ روایت ہے کہ ترک اوسوقت جبکہ یونانیوں کو کوئی توقع نہ تہی اس دروازہ میں سے داخل ہو کر
ادن پیا چانک جا پڑے تہے۔ دروازہ عموماً بند رکہا جاتا تہا۔ مگر اوس دن قیصر نے اوسے اپنی فوج کے گذرنے
کے لئے کہلوا دیا۔ اور یہہ امر ترکوں کو فی الفور معلوم ہو گیا۔ میری رائے ہو کہ ممکن ہو چند ترک اس دروازہ میں
سے بہی گذرے ہوں۔ مگر یہہ متفق علیہ ہو کہ فوج حملہ آور کا حصہ کثیر اوس شگاف کے راستہ سے اندر داخل ہوا
تہا۔ جو اونکی توپوں نے فصیلوں میں کر دیا تہا۔ اور جواب تک ادرنہ کاپوسی کے قریب دکہائی دے رہا ہے
اوس زاویہ پر جہاں کومنینس کی فصیل تہیوڈوسی اس کی فصیل سے ملتی ہے۔ نام نہاد محل بیلی ساری اس
(تکفور سرار) کا بقایا کہڑا ہے۔ مجہے بعد میں سخت افسوس ہوا کہ ہم نے بیرونِ فصیل کے اندر جا کر اوس کو کیوں نہ
دیکہا۔ گرچوں کے سوا بازنطینی عمارتوں کے بہت کم نمونے اب باقی رہ گئے ہیں اور انہیں منجملہ اون
معدودے چند کے ایک یہ محل ہے۔ اس محل کا اگوارا اب تک کہڑا ہے جسکی تصویریں بعد میں میری نظر سے
گذری ہیں۔ اوسے دیکہہ کر وینس کے پرانے محل یاد آجاتے ہیں۔ اِس محل کو مشہور جنیل بیلی ساری اس
سے کوئی تعلق نہیں۔ شہر کے اِس محلہ کا پرانا نام بلاشی تہا۔ اور خیال کیا گیا ہے کہ اسی کو بگاڑ کر محل کا نام
بیلی ساری اس رکہہ دیا گیا ہے۔ اِسے قسطنطین کا محل بہی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ وہ قسطنطین پورفیرو
جینی ٹس کے وقت کا ہے۔

یہاں پر سڑک بالکل ہی خراب ہو۔ اور بڑی ڈہال کہا کر خلیج کو جاتی ہے جس وہ موضع ایوب کی جانب نیچے
جو قسطنطنیہ کے گرد و نواح کے نہایت خوبصورت اور پرفضا مقامات میں شمار ہوتا ہو جا ملتی ہے ہم نے اس
موضع کو ایک جمعہ کے دن دیکہا تہا جبکہ ہم صادق بک کے اہتمام سے ایک دس چپوؤں کی قایق پر
سوار ہو کر یورپ کے چشمہ ہائے شیریں کی سیر کرنے گئے تہے جس مقام پر حضرت ایوب انصاری رسول
اللہ کے صحابی ہشتاد ہجری میں جبکہ عربوں نے پہلی مرتبہ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تہا شہید ہوئے تہے۔ وہاں سفید
مرمر کی خوبصورت مسجد کہڑی ہے۔ مقام شہادت محمد فاتح کو آٹہہ سو برس بعد خواب میں معلوم ہوا اور اوس نے

وہاں یہہ مسجد تعمیر کردی کہ کبھی عیسائی کو اوس کے اندر داخل ہونے - بلکہ اوس کے بیرونی صحن کے قریب آباد ہونیکی بھی اجازت نہیں - ہر نئے سلطان کی کمر میں یہیں ابوالسلاطین عثمان بانی خاندان کی تلوار باندہی جاتی ہے - اس کے قریب ہی فس (ترکی ٹوپی) بنانے کا بڑا کارخانہ ہے - جہاں کل فوج کے لئے ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں - اس کل نظارہ کو اوس دن بالکل مشرقی رنگ دینے کے لئے ہمیں اون سبز پہاڑیوں کی چوٹی تک جو ایوب سے پرے گولڈن ہارن (خلیج) سے بتدریج اٹھتی ہوئی چلی جاتی ہیں لدے ہوئے اونٹوں کی بھی قطار آہستہ آہستہ چلی ہوئی دکہائی دی -

مگر میں پہر دیوار کی طرف متوجہ ہوتی ہوں - بندرگاہ کے کنارہ کی فصیل کا بہت تہوڑا حصہ باقی بچا ہے صرف کہیں کہیں اک دو برج یا دروازہ کہڑا رہ گیا ہے - اس طرف کی سڑک بھی جو متصدرہ فصیل اور خلیج کے درمیان فنار یعنی یونانی محلہ میں سے گذرتی ہے - بہت ہی ناقص اور خطرناک ہے شہر کے اس حصہ میں سب سے زیادہ قابل دید اور دلچسپ وہ چند ایک مکانات ہیں - جو اہالی وینس کے غلبہ کے وقت سے چلے آتے ہیں - اور جن کو دیکھ کر انسان کو وینس کے چھوٹے محل یاد آجاتے ہیں - استنبول کے اس حصہ میں یونانیونکی طرح یہودی بھی بکثرت آباد ہیں - فرش کے ناقص ہونے سے گاڑی بہت آہستہ آہستہ چل سکتی تھی - جب ہم اندرونی پل پر جس سے اوپر طے آہن پوش لنگر انداز ہیں پہونچے تو خدا کا شکر کیا اور پل پر سے گذر کر اوس سڑک پر چڑھ گئے جو متذکرہ بالا قبرستان کے کنارہ کنارہ انگریزی سفارت اور ٹریم لاین کو جاتی ہے - یہہ سڑک ڈہلوان ہے - اگرچہ نسبتاً بہت اچھی تھی اوس کی چڑہائی میں ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوئی قسطنطنیہ میں ہم نے جس قدر چیزیں دیکھی ہیں - اون سب سے یہہ پرانی فصیلیں تاریخ عالم کی واقعی اور سچی یادگاریں ہونیکی وجہ سے زیادہ عرصہ تک ہمیں یاد رہینگی - بائی زنطین کا پرانا شہر گوشہ محلسرا اور اوس ہموار زمین سے جو گوشہ مذکور کے متصل ہے زیادہ رقبہ آباد نہ تہا تقریباً استنبول کی موجودہ حدود تک قسطنطین نے ہی بڑہایا تہا - اور اوسی نے اوس کے گرد یہہ شہر پناہ اور فصیلیں بنائی تہیں جنکو گرد ہم نے چکر لگایا تہا اور جنکو قیاصرہ مابعد درست اور چست کراتے رہتے تھے - ہون - ایرانی - اور صلیبی مجاہدین نے ان دیواروں پر یکے بعد دیگرے حملہ کیا - اور غلبہ یونانیوں نے اسے لاطینیوں سے صرف اسلئے پہر فتح کیا کہ دو سو برس بعد عثمانی ترک اون کو ہمیشہ کے لئے اوس سے خارج کر دیں - یہہ تمام واقعات ان دیواروں پر جو بتدریج معدوم و منہدم ہو رہی ہیں - کیونکہ ترک جانتے ہیں کہ وہ موجودہ زمانہ کے جنگ و جدال میں محافظت کا کوئی کام نہیں دے سکتیں -

اُپنے اُپنے نشان پیچہے چہوڑ گئے ہیں۔ اون کے گرداگرد پہرنے والے کی نظروں میں اِس عظیم الشان شہر کی قسمت اور ہلال کے سامنے صلیب کے مغلوب ہونیکا واقع فی الفور پہر جاتا ہے۔ اللہ اکبر جن دروازوں اور برجوں نے ایسے ایسے جانگداز معرکے دیکہے ہیں اونکی پیشانی پر اب یہہ حکم ثبت ہے کہ اون میں سے ہر ایک "با ہمن و امان آہستہ آہستہ معدوم ہوجائیگا"! جہاڑیاں۔ بیلیں۔ پودے اور درخت زمانہ اور جنگ وقتال کے ڈالے ہوئے شگافوں کو چہپائے ہوئے ہیں اور اون کو دیکہنے والا آہ سرد یہہ کہتا ہوا گہر کو واپس لوٹتا ہے کہ ایسا عبرت بخش اور ساتہہ ہی دلاویز منظر دنیا میں اور کوئی موجود نہیں ہے۔

(۱۰) باسفرس کے کنارہ پر جلسے اور دعوتیں

باسفرس پر جلسہ کا نام ہی کانوں کو بہلا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایسی دعوت کا مزہ۔ خوبصورتی اور کیفیت کا صحیح اندازہ کچہہ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے باسفرس کو دیکہا ہو۔ ۹ رجون ہمارے بیٹے کی سالگرہ کا دن تہا۔ اِس تقریب پر ہم نے اون میں سے بعض کو جو اوسکی اقامت قسطنطنیہ میں اوس پر بہت مہربان رہے تہے شہر سے باہر دعوت دینے کا ارادہ کیا۔ ہمارے رفیق شفیق صادق نے اِس تجویز کو بہت پسند کیا۔ اور بڑی سرگرمی سے اوسکی تکمیل کے درپے ہوگیا۔ ہم نے دعوت کے لئے جزائر شاہزادگان کے جو خوبصورت جزائر قسطنطنیہ سے جہلملے سے دکہائی دیتے ہیں سب سے بڑے جزیرہ پرینکاپو کو تجویز کیا۔ جس پر وہ فی الفور تیار تہا کہ میں وہاں جانیکے لئے سلطان المعظم کی دخانی کشتیوں میں سے ایک کا انتظام کر لونگا۔ کہانے کا انتظام کرنے کا ذمہ انگریزی سفارت کی خانسامے نے لیا۔ اور اپنے کام کو قابل تعریف طور پر پورا کیا۔ ہم اپنے دوستوں کو مدعو اور کل انتظام مکمل کرچکے تہے کہ صادق بک نے آکر کہا کہ سلطان المعظم جن کو چہوٹے سے چہوٹے معاملہ کی جو ہورہا ہو خبر ہوتی ہے نہیں چاہتے کہ ہم دخانی کشتی پر سواری کریں۔ کیونکہ اسی سال کی شروع میں ایک افسوسناک سانحہ گذرا تہا جس میں دخانی کشتی مع کل طلائی ظروف کے جو اوس میں تہے غرق ہوگئی تہی۔ اِسکے عوض حضور ممدوح دو دس چپوں کی قائقیں اور باسفرس کو شکوں میں سے وہ محل ہمارے سپرد کرنے کو تیار ہیں جو قندیلی سے تہوڑا سا اوپر ایشیا کے آب شیریں کے دہانہ پر قلعہ دیلی حصار کے مقابل باسفرس کے تنگ ترین موقع پر ہے۔ عام خیال ہے کہ کیخسرو شاہ ایران نے اسی موقع سے جو خوبصورت باسفرس کا خوبصورت ترین مقام ہے عبور کیا تہا۔ ہمیں کہلے میدان کی دعوت اور

پرین کاپو کے جنگلات صنوبر میں سیر گشت کو ترک کرنا گوارا نہ تہا۔ مگر سلطان المعظم کی انعام شاہانہ کو بکمال
شکر گذاری قبول کرنیکے سوا اور کوئی چارہ نہ تہا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر ہم اپنے اپنے مہمانوں کو توپخانہ عامرہ
کی گھاٹ پر پہنچا۔ وہ نہایت خوبصورت اور پر تکلف آراستہ قائیقیں ہمارے لئے تیار کہڑی تہیں جا بجا۔ ہر ایک
قائیق پر دس دس قائیقچی تہے۔ سب کی شلواریں بڑی گہیر دار سفید رنگ کی تہیں۔ اور جاکٹیں بہی سفید
رنگ کی بروصہ کے ریشمی کپڑے کی تہیں جنکے حاشیوں پر سنہری لیس ٹنکی ہوئی تہی۔ یہہ بتانے کی تو
کوئی ضرورت نہیں کہ سب کے سروں پر فس تہیں۔ ہماری پارٹی میں کئی ملکوں کے لوگ شامل تہے۔ مگر
آپس میں گفتگو انگریزی میں ہی ہوتی تہی۔ دس چپو کشتیوں کو ہوا کی طرح اڑائے لئے جاتے تہے۔ پہلو دولمہ
باغچہ کے سفید مرمری طویل اگوارہ کے سامنے سے اور ۔ پہر چراغاں کے مربع شکل محل کے پاس سے
گذرے۔ اسی محل میں عبد العزیز مرحوم نے اس دنیا کو الوداع کہا تہا۔ اب اوس میں سلطان المعظم کا بڑا
بہائی اور متقدم مراد (خامس) رہتا ہے جسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس قدر شراب پیتا ہے جو آخر
ایک دن اوسکی جان لیکر رہے گی۔ اس محل کے گرد ہر وقت ہتیار بند سنتریوں کا پہرہ رہتا ہے۔ کسی کشتی
کو محل کے بہت نزدیک ہوکر گذرنے کی اجازت نہیں کسی سے ایسی غلطی ہوئی اور سنتریوں نے جہٹ
اوس پر بندوقیں سر کیں۔ پہلے صرف ڈرانے اور متنبہ کرنیکے لئے اون کو ہوا میں سر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس صورت
میں بہی گولی کے اوپر سے آکر کشتی میں گرنے کا احتمال برابر رہتا ہے۔ چراغاں کے بعد بگلر بک کا بے نظیر
محل آیا۔ یہہ باسفرس کے تمام محلوں میں سب سے خوبصورت ہے۔ اسے عبد العزیز مرحوم نے تعمیر کرایا
تہا۔ بعد ازاں دریا کی شیطانی دہار ہو سے جو ایشیائی ساحل کی ایک اس کے گرداگرد بڑے زور سے بہتی ہے
(اور اسی لئے اوسکا یہہ نام رکہا گیا ہے) مردانہ مقابلہ کے بعد گذر کر قندیلی میں اور دوستوں کو ہمراہ لینے کے
لئے تہوڑی دیر ٹہرے اور ایک گھنٹہ سے کچہہ زیادہ عرصہ میں خوبصورت سلطانی کوشک میں جو خالص
سفید سنگ مرمر کی ہے پہونچ گئے۔ اس کوشک کو سلطان عبد المجید کی والدہ ماجدہ نے جو ۱۸۳۹ء سے ۱۸۶۱ء
تک حکمران رہا تعمیر کرایا تہا۔ نوکروں کو جو ایک اور بڑے قایق میں کہانے کا سامان لائے تہے دوپہر کا
کہانا تیار کرنے پر لگا کر ہم کوشک کے کمروں کی سیر کرنے لگ گئے۔ ہر منزل میں چار کمرے ہیں۔
ان کے علاوہ وسط عمارت میں خوبصورت عالیشان ایوان ہے۔ اونچلی منزل میں خدام کے لئے مکانات
بنے ہوئے ہیں۔ تمام کمرے کمال شان و شوکت کے ساتھ آراستہ ہیں۔ میزیں اور کرسیاں بہت

خوبصورت ہیں اور اون پر نبت کاری کی ہوئی ہے۔ الماریاں بھی منقش اور ان پر سنہری بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں۔ قالین کہیں نہیں۔ مگر فرشوں پر رنگ برنگ پتھروں کی پچی کاری۔ اور اوپر سے اون کو خوب پالش کیا ہوا ہے۔ محل کی تمام دیواریں بھی سنگ مرمر کی ہیں۔ ایک باغ کی دیواریں بھی اسی پتھر کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے وسط میں بڑا پھاٹک ہے۔ یہ دروازے بھی مرمر کے ہیں اور اون پر کندہ کاری کی ہوئی ہے۔ باغ خوب آراستہ پیراستہ ہے۔ نپولین سوم (شہنشاہ فرانس) کی ملکہ یوجینی کو اسی محل میں اتارا گیا تھا۔ اور اوسکی خاطر اسکی خاص اہتمام سے آرائش کیگئی تھی۔ یہاں آکر ہم سب کی یہی رائے ہوئی کہ ترکی میں پکنک (کھلے میدان کی دعوت) کرنیکے لئے پرنس کاپو کے کشادہ مرغزار کی نسبت یہ مقام زیادہ موزون ہے۔ کھانا سب سے بڑے کمرے کی بیش قیمت منقش میز پر جو سارے کمرہ میں پھیلی ہوئی تھی چنا گیا۔ اس طرح کی کئی شاہی کوٹھیاں باسفورس کے کناروں پر سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہیں۔ سلطان المعظم ان میں وقتاً فوقتاً اپنے بادشاہ اور دیگر معزز مہمانوں کو اتارا کرتے ہیں اسی لئے جیسا کہ ہم نے اس کوشک کو پایا وہ ہر وقت صاف ستھری اور تیار رکھی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت محل بگلر بیگ ہے جس میں اکثر ممالک غیر کے فرمانروا فروکش رہ چکے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہونیکے بعد ہمارے نوعمر مہمانوں نے محل سے باہر گانے کی آواز سن کر گانے والے کو اندر بلانے کا تقاضا کیا۔ وہ ایک اطالین تھا اور ایک آرگن (ارغنون) بھی اوس کے ساتھ تھا۔ اوس کے آنے پر خوب پالش کئے ہوئے اور چمکیلے فرش پر ناچ شروع ہو گیا۔ صادق پاشا نے بچپن میں تربیت پائی تھی۔ ناچ کا بہت مشتاق اور اوس میں خوب ماہر ثابت ہوا۔ دیر میں ہم ایک خوبصورت مرمریں فوارہ کو دیکھنے چلے گئے۔ اوس پر بیل بوٹے کا نہایت نفیس کام ہے۔ اور آیتیں کندہ ہیں۔ وہ محل کی چار دیواری سے باہر ایک لمبے ہموار گھاس کے تختہ کے کنارہ پر جس کے گرد اگرد شمشاد اور صنوبر کے درخت ہیں واقع ہے۔ یہ تختہ گیاہ گوق صو (آب نیلگوں) کے کنارہ تک چلا گیا ہے۔ گوق صو کا مشہور نام "ایشیا کا آب شیریں" ہے۔ افسوس اوس دن جمعہ نہ تھا۔ گرمی کی موسم میں جمعہ کے دن یہاں سرسبز وادی پر ترکی مخدرات کے جھرمٹ کے جھرمٹ لگے ہوتے ہیں۔ جو اپنی اپنی قالینوں پر بیٹھی ہوئی قہوہ اور سگریٹ پیتی رہتی ہیں۔ ناچ کے بعد ہم قائقوں پر بیٹھ کر دریائے آب شیریں کے راستہ عربوں کا عجیب وغریب راگ سننے کے لئے جو سہ پہر کے وقت وہاں کے بلاک (؟) میں ہی ہوتا ہے ... ان کی تفریح کے لئے بڑا باغ ہیں

گایا جاتا ہے "مبترک چاہ" یعنی آیا زمنڈ کو گئے۔ وادی گوق صو کیسی خوبصورت نہ پائی گئی جیسی کہ ہم کو توقع تھی۔ انگلستان کے اکثر چھوٹے چھوٹے دریاؤں کی سبزی اور فضا سے اوسکی سبزی کچھہ زیادہ دلفریب نہ تھی۔ گو چند ترکی شعرا نے اوسکی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے ہوئے ہیں۔

چاہ مبترک کے قریب پہونچکر ہم ایک مکان کے پاس خشکی پر اتر آئے۔ وہ ایک قسم کا قہوہ خانہ سا ہے۔ اور اوسکی کرسی دریا کے کنارہ سے تقریباً عمودی اٹھی ہوئی ہے۔ فوراً کرسیاں لائی گئیں اور ہم گویوں کے سامنے ایک لمبی قطار میں بیٹھ گئے۔ اون کا گانا بجانا کچھہ خوشگوار نہ تھا۔ اور وحشیانہ قسم کا تھا۔ وہ ساز بھی رکھتے تھے اور زبانی بھی گاتے تھے۔ اور بیچ میں کبھی کبھی عربی شعر پڑھتے جاتے تھے۔ اون کی آوازیں کرخت نہیں۔ اور اون ترکی گویوں کی آوازوں سے جنکا گانا میرے خاوند نے بلذر کوشک میں سنا تھا کچھہ بھی نسبت نہیں رکھتی تھیں۔ ہمارے عقب میں ایک سخت ڈھالدار ٹیلے کی چوٹی پر ایک ملندا جالیدار مکان تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ترکی خاتونیں اسکے پیچھے بیٹھ کر راگ سنتی ہیں۔ قہوہ نوشی کرنیکے بعد میں نے اون خاتونوں سے ملاقات کرنیکی خواہش ظاہر کی جس پر ہماری جماعت کی لیڈیوں میں سے ایک جو ترکی بول سکتی تھی میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئی۔ ٹیلہ پر چڑھ کر ہمیں ایک اونچا جالی دار پھاٹک ملا جسے کھول کر ہم ایک لمبی گیلری (برآمدہ) میں جسکے گرداگرد سب طرف جالی لگی ہوئی تھی داخل ہو گئیں۔ ان کے پیچھے بیٹھنے والیوں پر گو باہر سے نظر نہیں پڑتی۔ مگر جو کچھہ نیچے ہو رہا ہو اوسے وہ بخوبی سن اور دیکھ سکتی ہیں۔ ہماری جماعت کو محل ہمایون کے ایک ایڈیکانگ کے ہمراہ آتا دیکھ کر ان بیگمات کو ہمارا حال معلوم کرنیکا بڑا اشتیاق ہو گیا ہوا تھا۔ چنانچہ جب ہم پہونچیں تو ہم سے جماعت کے مختلف افراد (زرق برق کی پوشاک پہنی ہوئیں نوجوان لڑکیوں۔ نوجوان مردوں اور پیرانہ سالوں) کے متعلق کئی سوال کئے گئے۔ ایک نہایت ہی خوبصورت خاتون نے جس سے ہم نے بات چیت کی ہمارے کھلے (یعنی بے نقاب) چہروں پر بڑا رشک ظاہر کیا۔ اوس نے کہا کہ میرا یشمک گو بہت باریک ہے (وہ فی الواقع نہایت ہی نفیس اور باریک ململ کا تھا) تاہم منہہ اور ناک کو اوس سے ڈھانپنے سے سخت گرمی ہوتی ہے۔ اوس دن سخت گرمی تھی اور خاتون موصوف نے اوسوقت کیونکہ وہ جالی کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اپنے یشمک کو کھسکا کر نیچے کر دیا ہوا تھا۔ ان خاتونوں میں سے کسی نے بھی ہماری آزادی پر اچنبھا ظاہر نہ کیا۔ نہ یہہ آزادی اون کو بری معلوم ہوئی۔ بلکہ ایک طرح سے اون کو

ہس پر رشک آتا تہا۔ اور اون کے چہروں سے واضح ہوتا تہا کہ ہماری اس ملاقات سے اون کو بہت ہی خوشی ہوئی تہی۔

جب شام کا وقت قریب ہو گیا۔ تو صادق پاشا نے چلنے پر اصرار کرنا شروع کیا۔ اوس نے کہا کہ تہوڑی ہی دیر میں دوسرے لوگ بہی اپنی چہوٹی چہوٹی قایقوں پر جو کناروں کے ساتہہ بندہی ہیں سوار ہو جائیں گے اور اوسوقت اونکی اس قدر بہیڑ ہو جائیگی کہ نالہ میں جسکا پاٹ بہت چہوٹا ہے۔ ہماری کشتیوں کا جو بڑی اور لمبی ہیں گذرنا محال ہو جائیگا۔ ہمارا دل تو ابہی چلنے کو نہیں چاہتا تہا۔ مگر وجہ معقول تہی۔ گوک صو سے نکل آنے پر باسفرس میں ہمارا سفر بہت جلد طے ہو گیا۔ کیونکہ واپسی کے وقت اوس کا دہارا بہی اسی رخ تہا۔ راستہ میں "بلکو وان" پرندوں کے بیشمار جہنڈ ہمارے پاس سے گذرے۔ یہہ چہوٹے سے سیاہ رنگ کے جانور ہیں۔ جو (ابابیلوں کی طرح) ہر وقت اڑتے رہتے ہیں۔ اور پانی کی سطح کے متصل [illegible] ہیں اوپر نیچے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اون کو کسی شخص نے ایک لحظہ کے لئے بہی خشکی یا پانی پر بیٹہتے ہوئے نہیں دیکہا۔ چنانچہ اس مسلسل حرکت کی وجہ سے اون کا نام "راہ گم کردہ ارواح" پڑ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رات کے وقت وہ غالبًا اون سیاہ چٹانوں پر بسیرا کر لیتے ہیں جو بحیرہ اسود کے دہانہ پر ہیں۔ ہم بہت ہی جلد توپخانہ کی گہاٹ پر پہونچ گئے۔ جہاں سے ہم اپنے مہمانوں سے جدا ہو گئے اور اوس دن کی خوشگوار سیر و تفریح اختتام کو پہونچ گئی۔

ہماری دوسری پکنک کا مقام پہلی کے مقام سے بالکل مختلف تہا جب سفرا[1] تہراپیا کو گئے تہے تو ہم بہی اوسی محلہ میں جا کر وہاں کے ایک ہوٹل میں فروکش ہو گئے تہے۔ جولائی کے شروع میں قائم مقام انگریزی سفیر نے (اصل سفیر رخصت پر گئے ہوئے تہے) تجویز کی کہ بندوں پر پکنک کا جلسہ کیا جائے۔ یہہ بند جو بلغراد کے سبزہ زار میں باغچہ کوئی کے قریب ہیں عظیم الوسعت تالاب ہیں جن میں اہالی قسطنطنیہ کے استعمال کے لئے موسم سرما کی بارشوں کا پانی جمع کیا جاتا ہے۔ جن بندوں پر ہم نے پکنک کی تجویز کی تہی۔ وہ سلطان محمود بند اور والدہ بند کے نام سے مشہور ہیں۔ اور دو گہاٹیوں کے دہانہ میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے چٹانوں کی مضبوط دیواریں تعمیر کر کے بنائے گئے ہیں۔ انکے چاروں طرف بلوط۔ صنوبر۔ شمشاد

[1] جیسا کہ لیڈی صاحبہ پہلے بتا آئی ہیں۔ سفراء ممالک غیر گرمیوں میں محلہ تہراپیا میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں باسفرس کے کناروں پر بہی اون کے لئے محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

بید مجنوں اور سرو وغیرہ مختلف قسم کے درخت موجود ہیں اور انہی درختوں کے جنگلوں کی باحتیاط نگرانی
اور خبرگیری پہ پانی کا ذخیرہ منحصر ہے۔ اس جلسہ کے شرکا انگریزی اور جرمن سفارتوں کے عہدہ دار اور
ہم میاں بیوی تھے۔ اکثر مرد زین سوار تھے۔ باقی دیسی گاڑیوں پر جو ارابہ کہلاتی ہیں سوار ہوئی۔ ہر ایک
ارابہ کے اندر چار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ سایہ کے لئے اوپر ایک طرح کا سائبان سا ہوتا ہے۔ اور چونکہ اون گاڑیوں
میں کمانی نام کو نہیں ہوتی۔ خراب سڑک پہ سواریوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ مگر یہہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا
ہے کہ جو سڑک منہدوں کو جاتی ہے وہ بہت اچھی ہے یہہ سڑک باسفرس کے کنارہ کنارہ جاکر قرح
بورنو کے پاس سے جہاں صنوبر کے چند شاندار درختوں کے جھنڈ میں ایک متبرک کنواں یعنی ایازمہ ہے گذرتی
ہے۔ اور پہر بیوک درہ سے کچھ ورے یکبارگی بائیں ہاتھ کو خشکی کی طرف مڑکر "وادی کلاں" کی کنارہ
کنارہ جو ادنی اعلیٰ کل جماعتوں کی ترکی مستورات کی عام تفرج گاہ ہے چلی جاتی ہے۔ بشرطیکہ موسم صاف
اور مطلع ابرآلود یا مکدر نہ ہو۔ سہ پہر کے وقت یہہ وادی اول سے آخر تک چمکدار قالینوں سے بھری ہوتی ہے
جو شمشاد کے بڑے بڑے درختوں کے نیچے بچھے ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک پر پانچ پانچ چھہ چھہ یا اس سے کم و
بیش عورتوں کی ٹولیاں بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ ہم کو تخمیناً بیس ارابوں اور گاڑیوں کی لمبی قطار راستہ
میں ملی۔ ان گاڑیوں میں سفید بیل جتے ہوئے تھے۔ اور اون کے اندر برقع پوش مستورات بیٹھی ہوئی تھیں جو سارا
دن اس وادی میں بسر کرنیکے بعد اپنے اپنے قالینوں کو لپیٹ انکو اپنے ساتھہ گاڑیوں میں رکھہ کر گھروں کو
واپس جا رہی تھیں۔ اون کے گذر جانے پر ہمیں بتایا گیا کہ یہہ براتنیں تھیں۔ وہ تھراپیا میں سوینی کوئی کو
جو باسفرس کے کنارہ پہ تھراپیا کے بعد دوسرا موضع ہے چلی جا رہی تھیں۔ ابھی یہہ گاڑیاں تھراپیا میں
ہی تھیں کہ بیوقت ہونا شروع ہوگیا تہا۔ اور گاڑیبان اپنے سست رفتار بیلوں کو جلد جلد چلانے کے لئے
عجب شور و غل اور جد و جہد کر رہے تھے۔ کیونکہ ترکی عورتوں کیلئے لازمی ہے کہ وہ سورج غروب ہونیکے
وقت گھر پہونچ جائیں۔ یہہ لمبی قطار اوس موڑ سے جو ینی کوئی کو تھراپیا سے اوجھل کئے ہوئے تہا ابھی ساری
نہیں گذری تہی کہ تقریباً پوری تاریکی پڑ گئی۔ گاڑیوں پر لال ٹینیں روشن کر دیگئیں۔ اور سواریوں نے چھوٹے
ٹپکنے اور گولے چلانے شروع کر دیئے جن سے یہہ کل قافلہ بتدریج بڑھتی ہوئی تاریکی میں بڑے برے

؎۱ لیڈی صاحبہ غالباً اس طبعی مسئلہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ جنگلات اور سبزی کی موجودگی کثرت بارش
کا باعث ہوتی ہے۔ مترجم

کر کھائے شب تاب کے جلوس کے مشابہ ہو گیا۔ مگر بیل اپنی وہی ٹکے چال چلتے رہے۔ اون کو اپنے ہانکنے والوں کی چابکوں اور ہائے پکار کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

وادی کلاں میں تھوڑے سے کچھ اوپر شمشاد کے دو بڑے بڑے درخت کھڑے ہیں جنکے تنے بالکل کھوکھلے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تنا اتنا بڑا ہے کہ اوس میں ایک خاصہ اچھا کمرہ بنا ہوا ہے۔ جو قہوہ خانے کا کام دیتا ہے۔ ترکی بیگمات وادی میں اپنے قالینوں پر بیٹھی ہوئیں یہیں سے سارا دن قہوہ منگوا کر پیتی رہتی ہیں۔ عام خیال ہے کہ یہہ درخت گاڈفری[1] ڈی بولان کے وقت کے ہیں۔ تخمیناً تین میل تک سڑک کے کنارہ کنارہ وادی کلاں میں سے محمود اول کی مسقف نہر گذرتی ہے۔ یہہ نہر اون جنگلوں سے جہاں ہم جارہے تھے پیرا اور غلطہ کو پانی پہونچاتی ہے۔ اور ویسی ہی مضبوط اور خوشنما ہے جیسی کہ بائی زنطینی قیاصرہ کی تعمیر کردہ مسقف نہریں۔ سڑک نہر کی ایک محراب کے نیچے سے گذر کر اوس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور وادی کلاں کے آخری سرے کے قریب پہونچکر دائیں طرف کو ہو جاتی ہے اور تھوڑی دور آگے جاکر ایک اور سڑک جو اس سے فراخ اور بہتر ہے بائیں طرف کو ہو کر پہاڑی کے نیچے موضع بلغراد کو جاتی ہے۔ لیڈی میری[2] وورٹلے مانٹیگو اس گاؤں کے جس مکان میں رہتی تھی وہ ابھی تک موجود ہے۔ بلغراد

[1] یہہ فرانس کے علاقہ بولان کے سردار کونٹ یوسٹس کا بڑا بیٹا تھا۔ ۱۰۶۰ء میں پیدا اور ۱۱۰۰ء میں فوت ہوا۔ پہلی صلیبی لڑائی میں عیسائی فوج کے ایک دستہ عظیم کا کمانڈر تھا۔ اور فتح فلسطین و بیت المقدس کے بعد وہاں کا بادشاہ بنایا گیا تھا۔ جنگ مذکور کیلئے وہ اپنی جایداد کو رہن کر کے ۱۰۹۶ء میں وطن مالوف سے روانہ ہوا تھا۔ مترجم

[2] یہہ لیڈی انگلستان کے امیر کبیر ایولین پی ری پانٹ ارل آف ہیلی فاکس کی جو بعد میں ڈیوک ہو گیا تھا۔ سب سے بڑی لڑکی تھی۔ اسے اعلی درجہ کی تعلیم دیگئی تھی۔ اور لاطینی زبان میں اوس نے خود اپنی محنت سے خاصی مہارت پیدا کر لی تھی۔ ۱۷۱۲ء میں بائیس برس کی عمر میں وہ ایڈورڈ وورٹلی مانٹیگو چارلس مانٹیگو ارل آف ہالی فاکس کے چچازاد بھائی کے ساتھ نکل بھاگ گئی اور بعد میں اوس سے شادی کر لی۔ اس شخص نے پارلیمنٹ میں بڑی ناموری پیدا کی۔ وہ انگلستان کے مشہور نویسندہ ایڈیسن کا دوست تھا۔ ۱۷۱۶ء میں وہ دربار قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر کیا گیا۔ جہاں اوسکی بیوی بھی ساتھ گئی۔ قسطنطنیہ کی اقامت کے دوران میں اس خاتون نے شہر مذکور کی تمدنی دلفریبی اور فضا پر اپنے دوستوں کو کئی دلچسپ خط لکھے۔ اسی جگہ اوسے معلوم ہوا کہ ترکی کے کسان چیچک کے انسداد کیلئے ایک طرح کا ٹیکا لگاتے ہیں۔ اوس نے وہی عمل اپنے لڑکے پر کیا۔ اور اس طرح اس طریقہ کو مشرقی یورپ میں رایج

کے قریب جو بند کلاں ہے وہ دراصل ایک چھوٹی قدرتی جھیل ہے جو چاروں طرف سے گھنے جنگلوں سے
گھری ہوئی ہے۔ ہم نے اس بند کو بھی بعد میں جاکر دیکھا تہا۔ مگر وہ محمو اور والدہ بندوں جیسا خوبصورت
نہیں۔ بند اونکی طرح بالکل مصنوعی ہے۔ گو اوس میں بھی پانی کے روکنے اور نکالنے کے لئے ایک خوشنما اور
اور پہاٹک بنا ہوا ہے۔ ہم محمو بند کے پاس سے جو سخت گنجان جنگلوں میں چھپا ہوا ہے گذر کر والدہ بند سے
تہوڑے سے فاصلہ پر گاڑیوں سے اتر پڑے۔ اور چاء بیٹھ کر پینے کے لئے مناسب موقع تلاش کرنے
لگ گئے۔ بند کے قریب قریب تمام عمدہ موقعوں پر ترکی خاتونوں کے جہرمٹ بیٹھے ہوئے تھے۔
جن کو مردوں کی موجودگی سے پریشان خاطر نہ کرنے کے لئے ہم اپنا لنگر کھنگر لئے ہوئے جنگلوں پر چڑھ
گئے۔ اور تہوڑی دیر میں ہمیں ایک کشادہ گیاہ دار میدان مل گیا۔ جہاں ہم نے اپنا اسباب کہول دیا۔
لیکن ہمارے جرمن رفیق ابھی تک نہ پہونچے تھے۔ اور شیرینی وغیرہ کا سامان اون کے ذمہ تہا۔ پارٹی
کے انگریزی ارکان نے تمام شربات یکھن۔ روٹی اور میوہ جات کا ذمہ لیا ہوا تہا۔ ہم میں سے چند
گھوڑوں پر اونکی تلاش میں گئے اور اون کو بند کلاں کے کنارہ پر جا پایا۔ ہر فریق کو اوسی بند کی خبر تہی۔
جس جس کو وہ گئے تھے۔ یعنی ہمیں صرف والدہ بند کی اور جرمنوں کو صرف بند کلان کا علم تہا۔ چاء پینے
کے بعد ہم نے والدہ بند کی خوب سیر کی۔ اکثر ترکی خاتونیں اوسوقت تک رخصت ہو گئی تہیں جس سے
ہم سب بآسانی ادہر اودہر گشت کر سکتے تھے۔ جس جنگل میں بیٹھ کر ہم نے کہانا وغیرہ تناول کیا تہا اوسکی
سطح بند کے پانی کی سطح اور اوس مضبوط سنگ مرمر کی دیوار کی چوٹی کے برابر تہی جو کہاٹی کے ایک سرے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰۔ کرنے کا باعث ہوئی ۱۷۱۸ء کے آخیر میں انگلستان واپس آکر قصبہ ٹوئکنہم میں سکونت پذیر
ہوئی۔ وہاں اوسکی مشہور شاعر پوپ کے ساتھ گہری آشنائی ہو گئی۔ مگر بعد میں بگاڑ ہو گیا۔ اور شاعر مذکور نے اپنی
معشوقہ کے چال چلن اور لیاقت پر کئی ہجو آمیز غزلیں لکہیں جنکی بدولت اوس پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعوی کیا گیا۔
لیکن اوسوقت اوس نے کہاں کو فرضی دیوان غزلوں کا مصنف ہونے سے انکار کر دیا۔ ۱۷۳۹ء میں کسی وجہ سے جو درست
معلوم نہیں ہو سکی لیڈی موصوفہ اپنے خاوند سے جدا ہو کر اٹلی کو چلی گئی اور ۱۷۶۱ء تک وہاں کے شہر وینس میں رہائش
رکہہ کر انگلستان واپس آئی۔ جہاں ۱۷۶۲ء کو فوت ہو گئی۔ وہ ۱۶۹۰ء میں پیدا ہوئی تہی۔ اوسکا لڑکا ایڈورڈ ماؤنٹیگو بھی
عجب نالائق تہا بچپن میں دو دفعہ گہر سے بہاگ گیا پہلی دفعہ لندن میں ایک بہنگی کا شاگرد بن گیا اور دوسری مرتبہ ہسپانیہ میں جاکر خچر بانی کرتا رہا۔
اور آخر جوان ہو کر ترکی چلا گیا اور وہاں ترکوں کے اوضاع و اطوار اختیار کر لئے۔ یہ ۱۷۱۳ء میں انگلستان میں پیدا ہوا اور ۱۷۷۶ء
میں فوت ہوا۔ مترجم

پر بنی ہوئی ہے اور پانی کو روکے تھمی ہے۔ ہم دیوار بند کی چوٹی چوٹی چلتے پھرتے رہتے۔ دیوار کا ہیکی ہے۔ خاصہ پل معلوم ہوتی ہے۔ دونوں طرف سنگ مرمر کی فصیل بنی ہوئی ہے اور اکثر جگہ کتبے لگے ہوئے ہیں جن پر دیوار کی ابتدائی تعمیر اور مابعد کی مرمتوں کی کیفیت کندہ ہے۔ دیوار کی چوٹی اس قدر چوڑی ہے کہ تین گاڑیاں آسانی کے ساتھ دوش بدوش چل سکتی ہیں۔ ہم اوس راستہ پر جو بند کے کنارہ کے جنگل ہیں ہے کچھ دور آگے بڑھتے گئے۔ اور واپسی کے وقت وادی سے نیچے جاکر دیوار کے دامن تک پہنچ گئے۔ وہ کم از کم ساٹھ فیٹ بلند اور سفید مرمر کے بڑے بڑے چٹانوں سے بنی ہوئی ہے۔ موسم بہار میں بارشوں اور برفوں کے پگلنے کے بعد بند بالکل بھر جاتا ہے۔ اور پانی تقریباً دیوار کی چوٹی تک بلند ہو جاتا ہے۔ ہم نے اوسے شروع جولائی میں دیکھا۔ اس وقت پانی چوٹی سے کئی فیٹ نیچے تھا۔ یہہ بند نہایت ہی خوبصورت اور دلکش ہیں۔ انہیں دیکھکر انسان حیران رہجاتا ہے کہ کیا مصنوعی چیزیں بھی ایسی خوبصورت ہو سکتی ہیں؟ اونکی دلفریبی کا بڑا باعث وہ جنگلات ہیں جو اون کے چاروں طرف موجود ہیں اور مختلف اقسام کے بے تعداد درخت اون میں کھڑے ہیں۔ میں ان جنگلوں کی نسبت اوپر کہہ آئی ہوں کہ لازمی طور پر اونکی کمال نگہداشت اور متواتر حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ ہمیں شام تک وہاں نہ ٹھہر سکنے کا بہت رنج تہا مگر مجبوری تھی ٹرکی میں شفق بہت قلیل العرصہ ہوتی ہے اور گھر تک فاصلہ بہت بڑا تھا۔ واپسی کے وقت جرمن سفارت کے ایک سکرٹری کا گھوڑا تھراپیا کے ناگفتہ بہ فرش سے پھسل پڑا۔ اور سوار کو خاصی چوٹ آئی جس سے اوسے کئی دن صاحب فراش ہونا پڑا۔ اور یہ سیر جس سے اور سب طرح طبیعت بہت محظوظ ہوئی تھی اوسی عرصہ دراز تک بری طرح یاد آتی رہی۔

(۱۱) دربار قربان بیرام

ایک دن صادق بک نے ہمیں کہا "یہہ تو ظاہر ہے کہ تم قربان بیرام (عید الضحی) کا دربار ضرور دیکھو گے۔ تمہارا سفیر تمہیں اوس میں نہیں لیجا سکتا۔ مگر بحیثیت مہمانان سلطانی اس بات کا آسانی کے ساتھ انتظام ہو سکتا ہے"۔ بیرام سے تھراپیا کو آنے سے پہلے ہی کئی دنوں سے ہم لوگونکو بازاروں میں ادھر ادھر دنبے اور مینڈھے لیجاتے دیکھتے رہے تھے۔ ان میں سے بعض خوب موٹے

تازہ ہوتے تھے۔ یہہ قربان بیرام کی قربانیوں کے لئے بیچے جارہے تھے۔ اِس دن تمام اسلامی دنیا میں خوشی منائی جاتی ہے۔ اور یہہ تیوہار بارہویں قمری مہینے کے دسویں دن کو ہوتا ہے جب ہم قسطنطنیہ میں تھے۔ اوس سال ۲۴ جون کو یہہ عید ہوئی تھی۔ ہر ایک کنبہ کے مالک کو خاندان کے آدمیوں کے لحاظ سے ایک یا زیادہ مینڈھے قربانی کرنے پڑتے ہیں۔ مالک کے لئے یہہ بھی لازمی ہے کہ نماز عید کے بعد اون کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ بعد ازاں کچھ حصہ غربا میں بانٹ دیا جاتا ہے اور باقی گھر میں کھایا جاتا ہے۔ یہہ تیوہار اسحاق[1] کی قربانی کی یادگار میں ہے۔ چونکہ یہہ عید بار صبح کے وقت بہت سویرے منعقد ہوتا ہے۔ ہم نے سونے کا انتظام پیرا میں کیا تا کہ دور سے نہ آنا پڑے ۔ ساڑھے آٹھہ بجے بعد دوپہر یعنی غروب آفتاب کے وقت ایک بڑی توپ اس امر کی علامت میں چلائی گئی کہ تیوہار شروع ہو گیا ہے۔ اوسی وقت سے گھنٹوں اور توپوں کا شور و غل۔ اور راگ رنگ شروع ہو گیا جو ساری رات ختم نہ ہوا۔ ہم سویرے ہی لیٹ گئے۔ مگر شور و غل سے سو نہ سکے۔ ساری رات توپیں اور آتش بازیاں چلتی اور گھنٹیاں بجتی رہیں۔ اور کتے اس غیر معمولی بے آرامی سے بلا وقفہ تمام رات چلاتے رہے۔ دو بجے بعد نیم شب کے وقت مختلف رجمنٹیں اوس سڑک پر جس کے راستے سلطان المعظم نے یلدیز سے باہر برآمد ہو کر دولمہ باغچہ میں رونق افروز ہونا تھا صف بستہ کھڑا ہونے کے لئے ہوٹل کے پاس سے گذرنی شروع ہو گئیں۔ ہر ایک رجمنٹ کے آگے آگے اوس کا بینڈ بجتا جاتا تھا۔ اور چونکہ بازاروں میں رات کو روشنی نہیں ہوتی سینکڑوں آدمی لال ٹینیں لئے ہمراہ ہوتے ہیں جب یہہ لالٹین بردار پہاڑی پر چڑھ کر میرے کمرہ کے دریچوں کے پاس سے گذرتے تھے تو اونکی لالٹینیں جگنوؤں کی طرح چمکتی دکھائی دیتی تھیں۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم ساڑھے پانچ بجے گاڑی پر سوار ہو گئے اور گرینڈ رو (جادہ کبیر۔ کلاں سڑک) کے راستہ جرمن سفارت کے پاس سے گذر کر پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے چھ بجے سے چند منٹ بعد عین محل کے پائین میں پہونچ گئے۔ اوس دن موسم نہایت صاف تھا اور باوجود اس قدر سویرا ہونیکے گرمی ابھی سے محسوس ہونے لگ گئی تھی۔ ہمارا صادق دوست صادق

[1] چونکہ عیسائی کتابوں میں حضرت اسمٰعیل کے بجائے حضرت اسحاق کا نام ہے۔ اسی لئے لیڈی صاحبہ نے بھی حضرت اسحاق کا نام لکھہ دیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں بچہ بچہ بھی جانتا ہے کہ حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل کی قربانی دینے لگے تھے۔ مترجم

اپنی سب سے بیش قیمت وردی پہنے اور تمغے لگائے ہوئے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ ہمیں فی الفور سفراء کے آرام کرنے کے کمرہ میں جو بسرعت تمام تیار ہوتا جا رہا تھا لے گیا۔ اوس میں ہم ہی صرف ایسے شخص تھے جنکا کسی سفارت سے تعلق نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے بعد میں سنا کہ ہماری اس خوش نصیبی پر دیگر انگریز سیاحین کو جو اوسوقت پیرا میں فروکش تھے سخت رشک ہوا تھا۔ سات بجے کے بعد وزیر تشریفات (ماسٹر آف سیریمونیز) ہم سب کو بلانے کے لئے آیا۔ جس پر ہم لوگ جھٹ پٹ کمرہ سے نکلکر باغ میں سے ہوا اور ہی گذرتے ہوئے بیشمار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک لمبی گیلری میں جو دنیا کے عظیم ترین دربار شاہی ایوان کی ایک طرف بنی ہوئی ہے پہونچگئے۔ باغ سے گذرتے وقت ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان المعظم محل میں رونق افروز ہو گئے ہوئے ہیں۔ اور کہ ہم دربار بیرام کے سب سے شاندار نظارہ کو دیکھنے سے محروم رہے ہیں۔ جلالت مآب نقرہ گھوڑے پر جسکا کل سامان مرصع ہوتا ہے سوار ہو کر محل میں داخل ہوتے ہیں اور کل درباری جن کے گھوڑے اور اون گھوڑوں کا ساز و سامان بھی قابل دید ہوتا ہے حضور ممدوح کے جلو میں ہوتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کو جو سفراء کے کمرہ میں تھے سلطان کے ورود کا نظارہ اسلئے نہیں کرنے دیا گیا تھا کہ سلطان المعظم گھوڑے سے اترتے ہی قربانی کا دنبہ ذبح کرتے ہیں۔ اور یہہ رسم ہے کہ کوئی کافر قربانی کو نہ دیکھنے پائے۔ اس دنبہ کو جو انگورہ کی نسل کا قد آور جانور تھا اور اوسکی اون برف ایسی شفاف تھی۔ گذرتے وقت ہم نے اون سیڑھیوں کے دامن میں بیجان پڑا ہوا پایا جنکے راستہ سلطان المعظم اپنے کمروں میں تشریف لیگئے تھے۔

گیلری میں پہونچنے پر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ایوان کے فرش سے اس قدر بلند اور خود ایوان اس قدر وسیع ہے کہ جو لوگ نیچے کھڑے ہوں اون کے خط و خال کی بمشکل تمیز ہو سکتی ہے چند خادموں کے سوائے جو ادہر اودہر دوڑ رہے تھے۔ ایوان میں اسوقت اور کوئی شخص نہ تھا۔ اور تخت شاہی کے سوائے (جو بڑی آرام کرسی کی شکل کا تھا اور اوس کے آگے پاؤں رکھنے کا موندھا رکھا ہوا تھا۔ اور دونوں طلائی مخمل سے منڈھے ہوئے تھے) کل ایوان خالی تھا۔ تخت کمرہ کے بالائی سرے میں تھا۔ اور اوسکا رخ کمرہ میں داخل ہونیکے بڑے پہاٹکوں کی طرف تھا۔ ان دروازوں پر چھوٹی سی گیلری ہے۔ اوس میں بینڈ کا طائفہ بیٹھا ہوا تھا۔ جو دربار کے شروع ہونے تک دلفریب نغمہ سرائی کرتا رہا۔

---

[1] مدعا یہ ہے کہ اس ایوان کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہے۔ مترجم۔

جس گیلری میں ہم تھے وہ ایوان کے نصف طول سے زیادہ لمبی نہیں۔ پھر بھی وہ اس قدر بڑی ہے کہ اچھی خاصی کمرے کا کام دیسکتی ہے۔ خاتونیں سب سے آگے کٹھرہ کے ساتھ ساتھ بیٹھیں جنکے پیچھے (مرد) اون کے پیچھے کھڑے ہوئے عقب میں بلند دریچوں کے نیچے ایک لمبی میز بچھی ہوئی تھی جس پر طلائی ظروف میں جملہ اقسام کی لطیف ولذیذ ماکولات ومشروبات چنے ہوئے تھے۔ ایوان بتدریج پر ہونا شروع ہوگیا۔ اور چونکہ سلطنت کے ہر ایک شخص کو جو کرنیل یا کرنیل سے زیادہ مرتبہ رکھتا ہو عیدین کے درباروں میں شریک ہونیکا حق حاصل ہے۔ شاندار وردی پوشوں کا بہت بڑا مجمع موجود ہوگیا یہ مربع کی تین ضلعے بنا کر ایک دوسرے کی پیچھے صفوں میں کھڑے ہوگئے۔ ایوان کا وسط جو تخت کے بالمقابل تھا کھلا رہنے دیا گیا۔ محل سلطانی کو اراکین ملازم درجہ بدرجہ تخت کے پیچھے لمبی صف میں کھڑے ہوئے سب زرق برق کی وردیاں پہنے ہوئے۔ اور اکثر تمغے بھی لٹکائے ہوئے تھے۔ اون میں سب سے اول اعلیٰ خواجہ سرا کھڑا ہوا۔ دوم خواجہ سرا جو بڑا لمبا اور دبلا پتلا آدمی تھا نمبر دوم نمبر پر اور سلطان کے دو داماد دوں سے اوپر تھا۔ ایوان کی جو کچھ اوسوقت کیفیت تھی جبکہ سب لوگ داخل ہوچکے تھے اور سلطان المعظم کے رونق افروزی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ حد بیان سے باہر ہے اور اوس سے بڑھ کر شاندار نظارہ کا خیال کرنا مشکل ہے۔ ہر قسم کی وردی وہاں موجود تھی صحرا عرب کے جبہ وعمامہ پوش عرب شیوخ۔ امام۔ علماء اور وزراء سب کے سب تمغوں سے جگمگا رہے تھے میں نے صادق بے سے پوچھا کہ سلطان المعظم کی رونق افروزی میں اس قدر دیر کیوں ہوئی ہے۔ اب آٹھ کا عمل ہوگیا ہے۔ اوس نے جواب دیا حضور ممدوح بہت سویرے سے بیدار ہوکر نماز کے لئے تشریف لیجانے سے کسی قدر تھک جانیکے باعث سوگئے ہیں۔ اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اونکی استراحت میں مخل ہو۔ آخر ہنبیہ کھیا موقوف ہوگیا اور وہ درمیانہ قامت با جلال شخص جسکا سب انکھیں انتظار کررہی تھیں۔ تخت کے قریب کے دروازہ سے ایوان میں برآمد ہوگیا۔ صرف اکیلے غازی عثمان امیر المومنین کے ساتھ تھے۔ وہ سادہ فوجی فراک کوٹ اور باقی کل شاندار مجمع کی طرح فس پہنے ہوئے تھے اور ایک خمدار سنہری قبضہ کی تلوار زیب کمر تھی۔ کوئی تمغہ یا نشان کسی طرح کا زیب تن نہ تھا۔ اون کے داخل ہوتے ہی ہر ایک شخص جو ایوان میں موجود تھا فرش تک جھک گیا اور جب تک وہ تخت پر نہ بیٹھ گئے اسی وضع میں رہا۔ عثمان غازی تخت سے دائیں طرف کھڑے ہوگئے۔ سنہری حاشیہ کا ایک رومال اون کے دائیں بازو پر پڑا ہوا تھا جسکو مجمع کے اون لوگوں نے بوسہ دیا جو درجہ میں کم ہونیکی وجہ سے سلطان کو مس کرنیکا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔

جس وقت سلطان المعظم تخت پر متمکن ہوگئے تو دربار ہمایوں کا ملا آگے بڑھ کر حضور ممدوح کے بائیں
ہاتھ کھڑا ہوگیا اور دھیمی آواز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اوس کے ساتھ ہی کل حاضرین نے بھی دعا کے
لئے ہاتھ اونچے کر لئے۔ جب وہ اس سے فارغ ہو کر پیچھے ہٹ گیا تو کمال خاموشی کے ساتھ آداب بجا
آوری کی رسم شروع ہوگئی۔ دائیں طرف سے پاشا سلطان المعظم کے سامنے سے گذرنے شروع
ہوئے۔ قریب پہونچکر وہ فرشی کورنش بجا لاتے اور رومال کو بوسہ دیتے۔ پھر گردنیں جھکائے ہوئے
خلیفۃ المسلمین کے بائیں ہاتھ جاکر پیچھے کو ہٹ جاتے۔ اور پیچھے ہٹتے وقت بھی دائیں ہاتھ سے فرش
دل اور پیشانی کو چھوتے ہوئے آداب بجا لاتے۔ جو درباری قواعد سے مانوس تھے۔ وہ اس حرکت کو
نہایت صفائی اور سلیقہ کے ساتھ عمل میں لائے۔ لیکن جو سجات کے اکثر پاشاؤں کو سخت مشکل پیش آئی۔
اونکی حرکات بہت ہی بھونڈی تھیں۔ ہر ایک تسلیمی حرکت کے بعد تھوڑا سا وقفہ کرنیکے بجائے وہ پے در پے
بلا توقف سب حرکتیں ایک ساتھ کرتے رہے۔ اور پیچھے سے دوسروں کے آجانے پر سلطان المعظم کی نظر سے
اوجھل ہوجانے پر بھی دیر تک یہی کئے جاتے رہے۔
جو پاشا سلطان المعظم کے ذاتی دوست تھے اون کو سلطان کے قدموں پر سر بسجود نہ ہونے دیا گیا۔
سلطان المعظم اون کو ہاتھ سے خفیف سا اشارہ کر دیتے تھے کہ وہ صرف نیچے جھکیں قدموں پر نہ گریں۔ معمر
رؤف پاشا کو جسکی ایک ٹانگ پلیونا میں ضائع ہوگئی تھی۔ ایسا ہوگیا ہوا تھا کہ اوسے سلطان کو سلام کرنیکے
بعد کمرہ کا سارا عرض طے کر کے پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ سلام سے فارغ ہوتے ہی تخت کے
پاس سے پیچھے کو ہٹ کر ایوان سے باہر چلا گیا۔ اوس کے سوا اور کوئی شخص باہر نہ گیا۔ دو باتوں کی طرف سب
کو خاص توجہ ہوئی۔ دربار سے چند دن پہلے روسی سفیر بلغاری ایلچی سے نہایت نخوت اور غرور کے ساتھ
پیش آیا تھا جس پر سلطان المعظم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایلچی مذکور دربار کے موقع پر شاہی خانوادہ اور محل ہمایون
کے متعلقین کے ساتھ نیچے ایوان میں کھڑا ہوتا کہ سفرا کی کتابہ دیں اوسکی بے حرمتی ہونے کا
احتمال نہ رہے۔ اس حکم کی تعمیل پورے طور پر ہی یا۔ پوشاک پہنے نیچے کھڑا ہوا۔ اور اپنی پوشاک کی وجہ سے ارد گرد
کی تمام زرق برق کی وردیوں میں نہایت نمایاں ہو رہا تھا۔ دوسرا قابل غور واقعہ مصر ول خدیو اسمعیل کی باریابی
تھی۔ وہ اوس وقت کہنہ رشتہ ناطہ کی وجہ سے جس کو وہ ابھارنا چاہتا تھا سخت معتوب ہو رہا تھا چنانچہ
جب وہ پیر مرد سلطان المعظم کے سامنے ہوا تو حضور ممدوح کے چہرہ پر کوئی ایسی علامت نمودار نہ ہوئی
جس سے پایا جائے کہ سلطان نے اوسے پہچانا ہے جس پر اوسے بھی اوروں کی طرح پیشانی رگڑنی پڑی۔
اور ایوان کی دوسری طرف جانا پڑا۔ سلطان نے اوس پر ایک بھی نگاہ عنایت نہ ڈالی۔ آخر سب لوگ

سامنے سے گذر کر ایوان کے گرداگرد پھر اپنی اپنی جگہ پر صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ اور اب پہلی مرتبہ پھر سکوت ٹوٹ گیا۔ رئیس التشریفات سیز پاشا نے ہال کے وسط میں آکر باواز بلند پکارا "شیخ الاسلام" یہہ آواز پڑنے کے ساتھہ ہی ایک دراز قامت باجلال پیر مرد جو دراز سفید جبہ اور عمامہ پہنے اور طبقہ مجیدیہ کی اعلیٰ حمایل زیب تن کئے ہوئے تہا۔ اوس کہلی جگہ سے جو وسط میں تہی تخت کی طرف بڑہا۔ جب وہ قریب پہونچا تو سلطان المعظم نے ایستادہ ہو کر اوس کے سامنے سر جہکا دیا۔ اور شیخ الاسلام نے ہاتہہ اوٹہا کر جلالت مآب کے لئے خیر و برکت کی دعا مانگی۔ تمام پاشاؤں نے بہی ساتہہ ہی ہاتھہ اوٹہا لئے تہے۔ دعا سے فارغ ہو کر شیخ الاسلام ایک طرف کو کہڑے ہو گئے۔ اور سلطان المعظم پہر تخت پر بیٹھہ گئے۔ بعد ازاں کل دیگر علماء نے ایوان کے بیچوں بیچ آگے بڑھ کر تسلیمات عرض کیں۔ سب کی پوشاکیں نہایت چمکدار اور بیش قیمت تہیں۔ اون کے جبے سیاہ۔ سبز۔ اودی اور نیلگوں ساٹن کے تہے بعض کے سفید رنگ کے تہے۔ اور اکثر تمغے اور نشان لگائے ہوئے تہے۔

آخری عالم کے سامنے سے گذرتے ہی جلالت مآب کسی کو کسی طرح کا سلام کرنیکے بغیر کہڑے ہو گئے کل حاضرین پہر لب فرش تک جہک گئے اور حضور ممدوح حضرت غازی عثمان کو ساتہہ لئے ہوئے ہال سے باہر تشریف لیگئے۔ چشم زدن میں ہال خالی ہو گیا اور ہم سب کہانے کی میزوں پر ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ گو ابہی صرف نو بجے تہے۔ مگر اکثر نے پانچ بجے کا ناشتہ کہایا ہوا تہا۔ محل سے گہاٹ کو واپس آتے وقت جہاں سفراء دول کی دخانی کشتیاں اون کے انتظار میں کہڑی تہیں ہم بیشمار قہوہ خانوں کے پاس سے گذرے۔ وہ سب کے سب پاشاؤں اور افسروں سے بہرے ہوئے تہے۔ جو دربار کی حاضر باشی کی کوفت اور تکان کو پوری دریاں پہنے ہوئے قہوہ اور سگرٹ پینے سے دور کر رہے تہے صادق بک نے اوس دربار میں حاضر ہونا تہا جو خاص محل ہمایوں کے متعلقین اور عہدہ داروں کے لئے علیحدہ بہی منعقد ہوتا ہے۔ اسلئے وہ ہم سے ہال کے دروازہ سے رخصت ہو گیا۔ میں نے اوس سے پوچہا۔ یہہ دربار کس وقت ہوگا۔ اوس نے جواب دیا۔ یہہ بتانا محال ہے۔ جلالت مآب اب پہر استراحت فرمائینگے۔ اور یہہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ وہ کب بیدار ہونگے!!

آسٹرین سفیر نے ہمیں اپنی کشتی پر بیٹھ جانیکو کہا۔ جسے ہم نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا۔ اور دس بجے سے تہوڑی بعد پہر اپنے یہاں پہونچ گئے۔ مگر باوجود اسقدر سویرے پہنچنے کے ہمیں یہی معلوم ہوتا تہا۔ کہ ہم بڑا لمبا سفر کر کے آئے ہیں۔

۱۳۔ جدید عجائب گھر اور میدان سے برآمد شدہ تعویزات قبور قدیمہ

ناظرین یہہ سرخی دیکہہ کر کہیں یہہ خیال نہ کریں کہ میں قسطنطنیہ کی گائیڈ بک لکھنے یا موسیٰ اور جبتہ بکر کی

تیار کردہ گائیڈ بکوں سے انتخاب و اقتباس دینگا ہوں۔ مرّے کی تیار کردہ گائیڈ بک کا تازہ ترین ایڈیشن عمدہ ہے اور بیڈیکر کی کوئی سی گائیڈ بک ہو جو ہر وقت مفید نہ پائی جائے۔ ان کتابوں کے علاوہ قسطنطنیہ اور باسفرس کے چیدہ چیدہ منظروں کی عکسی تصویریں بھی عام دستیاب ہو سکتی ہیں۔ بالخصوص قسطنطنیہ کے فوٹوگرافر عبداللہ نے باسفرس کی شفاف ہوا میں اس بے نظیر شہر اور اوس کے ملحقات کی جو بے شمار تصویریں اتاری ہیں۔ صفائی اور درستی میں کسی نویسندہ کی قلم نہ کسی مصور کی پنسل اون کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تاہم جس امر کی میں لوگوں کو ترغیب دینا چاہتا ہوں وہ یہہ ہے کہ وہ خود قسطنطنیہ جا کر وہاں کے نظاروں کا بچشم خود مزا لیں جس طرح کہ میں نے کیا ہے۔ مگر اسکے ساتھہ ہی میری یہہ بھی نصیحت ہے کہ کسی شخص کو وہاں پہونچنے سے پہلے کسی گائیڈ بک کا معاینہ کرنیکے بغیر اس شاندار شہر کے منظروں کی دیکھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے۔ نہ کسی کو وہاں پہونچکر باقاعدہ راہبر اور ترجمان کے بغیر خود بخود اون مقامات کا راستہ معلوم کر لینے کی کوشش کرنا چاہئے جنکے دیکھنے کا وہ مشتاق ہو۔ البتہ اوس کو راہبر اور ترجمان کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لینا واجب ہے۔ یہہ میری بڑی خوش قسمتی تھی کہ مجھے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ترک دلیلیہ (یہہ کہنا چاہئے کہ عربی) راہبر کا کام دینے کیلئے مل گیا تھا۔ وہ یکے از یاوران سلطانی تھا اور جلالت مآب نے اوسے اس کام پر مامور فرما دیا تھا کہ جب تک ہم قسطنطنیہ میں ٹھہریں۔ وہ ہمارے ساتھہ رہے۔ راہبری کے علاوہ وہ ہم کو ترجمان کا کام دینے ہی کے قابل نہ تھا۔ بلکہ اوسکی وردی کے طفیل جہاں جاتے تھے۔ ہمیں کوئی روک نہیں ہوتی تھی اور ایسے ایسے خزانے بڑی خوشی سے دکھائے جاتے تھے جو اول تو کسی کو نہیں یا شاذ و نادر کسی کو دکھائے جاتے ہیں۔ صادق[1] بک (یعنی یاور موصوف) جرمن۔ فرنچ۔ ترکی اور عربی بول سکتا تھا۔ اور برلن میں کچھ عرصہ رہ آنے سے وہ ہمارے اون جذبات اور خیالات کو جن خیالات سے کہ ہم اہالی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳۔ سڑکوں اور قابل دید عمارات وغیرہ کے حالات اور دیگر ایسے امور جنکا جاننا مسافر کو غیر ملک میں فائدہ بخش ہو درج ہوتے ہیں۔ یورپ میں ایسی گائیڈ بکوں کی تیاری کیلئے مرّے اور بیڈیکر کے دو کارخانے بہت مشہور ہیں۔ اول الذکر انگریزی ہے اور دوسرا جرمن ہے۔ گو اسکی بہت بڑی شاخ انگلستان میں بھی ہے۔ مترجم

[1] سفر و مظالم (ضمیمہ) کے دوران میں ایشیائے کوچک کے صوبوں میں عیسائیوں کو بالجبر مسلمان بنانیکے الزامات کی تحقیقات کیلئے پچھلے دنوں (یعنی ۱۹۱۳ء میں) جو کمیشن سلطان المعظم نے روانہ کی تھی صادق بک بھی اوس کا ایک رکن تھا۔ مصنف

(کمیشن مذکورہ کے مفصل حالات کے لئے دیکھو رسالہ سفر و مظالم آرمینیا و دول ثلاثہ۔ مترجم)

یورپ مشرق کے باشندوں اور اون کے اوضاع و اطوار کو دیکھتے ہیں بآسانی سمجھ سکتا۔ اور وہ باتیں ہیں دکھا اور بتا سکتا تھا جو کہ یورپینوں کے لئے خاص دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ وہ ترکی عہدہ دار اور ہر پہلو سے پورا محب وطن ترک تھا۔ وہ اپنے شہنشاہ کا سچا جان نثار تھا۔ اور بشرط ضرورت اوسکو اور نیز اپنے ملک اور اپنے مذہب کیلئے لڑنے اور جان قربان کرنے کو بالکل تیار۔ اوس نے ہم کو ہر ایسی چیز دکھائی جو بجز اور زائد تکلیف اور تردد کے بغیر دیکھی جا سکتی تھی قسطنطنیہ کو تاریخی اور آثار قدیمہ کے لحاظ سے پوری پوری طرح سے دیکھنا میرے امکان سے باہر تھا۔ کیونکہ میں اطبا کے حکم سے وہاں آرام کرنے کے لئے گیا تھا۔ اور اس لئے مجھے اسی پر قناعت کرنی پڑی کہ قدیم یادگاروں اور کھنڈروں کے پاس سے جو بزبان حال مجھ سے تکلم کرتے تھے سواری گذر کر اون کو ایک نظر دیکھ لوں۔ اور اون کے دیکھنے سے جو پرانے زمانے کے واقعات دل و دماغ میں موجزن ہو جاتے تھے۔ اور جن سے بعض تاریخی عمارتیں میری نگاہ میں اس طرح منور ہو جاتی تھیں جیسے کہ گویا اون میں برقی روشنی کر دیگئی ہے۔ اون کے خفیہ خفیہ بیان کردہ قصوں کو گوش دل سے بغور سنتا رہوں۔

فی زمانا ہر ایک اجنبی ذرا سی محنت سے قسطنطنیہ کی بڑی بڑی یادگاروں کا معاینہ کر سکتا ہے۔ صرف وہاں کے محافظوں کو تھوڑی سی بخشش دینی پڑتی ہے۔ لیکن یہہ خیال بالکل غلط اور مبنی بر وہم ہے کہ جو سیاح مسجدوں میں داخل ہوتے ہیں۔ ترک اون کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ یہہ درست ہے۔ کہ وہ اون سیاحوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتے اور اون کو خوش آمدید نہیں کہتے۔ لیکن یہہ امر صرف بزدل سیاحوں کا اپنا پیدا کردہ وہم اور ظن ہے۔ کہ وہ کل عیسائی کتوں کو قتل کرنیکے خواہشمند ہوتے ہیں بعض مقامات میں بے شک عیسائیوں کو جانے کی ممانعت ہے۔ اور اگر کوئی اجنبی لاعلمی یا غلبہ شوق تجسس کی وجہ سے وہاں چلا جائے تو جو ترک اوسجگہ موجود ہو اوسے صاف کہدیتا ہے کہ میں تمہاری اس حرکت کو پسند نہیں کرتا۔ مگر اس بات کا اوسکو کبھی شان و گمان بھی نہیں ہوتا کہ اپنی اس ناپسندیدگی کو خنجر کے ذریعہ سے ظاہر کرے۔ ایسے بزدلوں یا اتہام لگانے والوں کو معلوم رہے کہ اور شہروں کی طرح قسطنطنیہ میں بھی پولیس اور قانون موجود ہے۔ اور زمانہ سابق کی طرح مذہبی پرجوشی اب وہاں کسی بیجا حرکت یا تشدد کیلئے کوئی وجہ معذوری اور بہانہ نہیں ہو سکتی۔ ایک ترک گاڑی والے نے ہم سے کچھ سخت کلامی کی تھی مجھ امید ہے کہ عمر بھر اوس سے یہہ خطا پھر دوبارہ سرزد نہ ہوگی۔ وہ اسی وقت قید خانہ بھیجدیا گیا اور اوسکا لائسنس

ضبط کر لیا گیا تھا۔ یہہ ممکن نہیں کہ کسی شہر میں کبہی کوئی سختی یا زیادتی نہ ہو۔ فرانس کے (جنوبی ساحل کے قصبہ) ایکو مارٹے میں بہی (جہاں موسم بہار میں اکثر لوگ ممالک غیر سے قیام صحت اور دماغی آرام کے لئے جاتے ہیں) زیادتیاں وقوع میں آتی رہتی ہیں۔ اور قسطنطنیہ میں بہی آتی رہیں گی لیکن فرق یہہ ہے کہ ٹرکی میں فرانس کی نسبت بہی ایسی زیادتیوں کی بہت زیادہ جلد سزا دیجاتی ہے[۱]۔ قسطنطنیہ کے اون نظاروں میں سے جن میں تہوڑے سے عرصہ سے عوام کو داخل ہوسکنے کی اجازت ملی ہے۔ اور اسوجہ سے اکثر لوگوں کو اونکی ابہی چنداں خبر نہیں ہوئی سب سے اہم اور مشہور اشیاء قدیمہ کا نیا عجائب گہر ہے۔ اوس کے بیش بہا اور حیرت افزا خزینوں کے متعلق کتابوں میں اب بہی ابہی تک کوئی مفصل ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اکثر سیاح اوسکا نام تک سننے کے بغیر قسطنطنیہ سے واپس چلے جاتے ہیں۔

استنبول میں اشیاء قدیمہ کا عجائب گہر سالہا سے دراز سے قایم ہے۔ مگر بہت کم لوگوں نے اوسے دیکہنے کی تکلیف گوارا کی ہے۔ اور وہ اس قابل بہی نہ تہا کہ کوئی ایسا مسافر جسے اور بہت کام ہوں اوسے ضرور جا دیکہے۔ بجائے اس کہ اشیاء قدیمہ کو غیر ممالک کے لوگ اوٹہا لے جائیں یا وہ برباد ہوتی رہیں۔ اون کو جمع کرنے کا خیال سب سے اول فتح احمد پاشا کو ہوا جس نے ۱۸۵۰ء میں چند پرانے ہتہیاروں اور دیگر قدیم اشیا سنیٹ اسرین کے گرجہ میں جمع کیں ۱۸۷۵ء میں صبحی پاشا نے جو کچہہ عرصہ کیلئے وزیر معارف (سررشتہ تعلیم) رہا تہا اور خود بہی سکہ جات قدیمہ کا ماہر مبصر تہا کل مجموعہ کو قدیم محلسرا کے اندر چینی لی کوشک میں منتقل کر دیا۔ یہہ کوشک قسطنطنیہ میں قدیم ترین اسلامی عمارتوں میں سے ہے۔ اسلامی فن تعمیر کے نمونہ کا کام دینے کے لئے یہہ کوشک نہایت ہی کار آمد ہے۔ بالخصوص چینی کی جو کہپریلیں دیواروں پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ صنعت و استادی میں نہایت ہی کامل ہیں۔ خیر یہہ ذکر تو ضمنًا تہا۔ کوشک مذکور کے کمرے جلد پُر ہو گئے۔ اور پچہلے چند برسوں میں جبکہ حمدی بک اور دیگر اشخاص کی محنت اور جد و جہد سے ٹرکی میں اشیاء قدیمہ کی تلاش کا از سر نو شوق پیدا ہو گیا تو اون نئی چیزوں کے لئے جو بافراط دستیاب ہو گئی تہیں نئے بڑے بڑے کمرے بنانا ضروری ہو گیا۔ ٹرکی سر زمین صنعتی خزاین کی کان معدن ہے جس معدن کو ابہی تک بہت کم کہولا گیا ہے اور جس سے

---

[۱] آرمینیوں کے ہنگاموں کے بعد بہی میری یہی رائے ہے۔ اوس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میری رائے اب بہی درست ہے۔ اور وہ یہہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے اونکی مذہب کی وجہ سے نفرت نہیں کرتے۔ آرمینیوں سے جو اون کو نفرت ہے۔ وہ قومی اور سیاسی اسباب پر مبنی ہے۔ مصنف

اب تک زیادہ تر ممالک غیر کے لوگ ہی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ شایقِ اشیاء قدیمہ شیلیمن اور اون
متعدد علمی مہموں کو جو انگلش، فرنچ اور جرمن گورنمنٹوں نے سلطنت عثمانیہ کے مختلف حصّوں کو روانہ کی تھیں
نادر اشیاء کے برآمد کرنے میں جو نمایاں کامیابی ہوچکی ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ اگر عثمانیہ گورنمنٹ
اس کام کو بہ نسبت حال زیادہ باقاعدگی سے اختیار کرے تو اوسکے عجائب گھر بہت جلد یورپ کے بہترین
عجائب خانوں کے ہمسر بلکہ اون سے فایق ہوجائیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ اس کام کا آغاز تو ہوگیا ہے
اور عمدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ چنانچہ اس تھوڑے سے عرصہ ہی میں حمدی بک کے استقلال اور موجودہ
بیدار مغز فرمانروا عبدالحمید کی فیاضانہ سرپرستی اور امداد سے قسطنطنیہ میں ایک ایسا نیا عجائب خانہ
موجود ہوگیا ہے جس پر ہر ایک ترک بجا طور پر فخر و مباہات کرسکتا ہے۔ اس عجائب خانہ کو ولوری آفندی
معمار نے چینی لی کوشک کے مقابل تعمیر کیا تھا۔ اور یہہ زیادہ تر پرانی قبروں کے اون شاندار تعویذوں کے
لئے بنایا گیا تھا جو ۱۸۸۷ء میں حمدی بک کو زمین کے نیچے سے دستیاب ہوئے تھے۔ اس دستیابی
کی فی الفور تمام یورپ میں دہاک بندھ گئی۔ اور اوس کے متعلق طرح طرح کی مبالغہ آمیز حالات شایع
کئے گئے گو لکھنے والوں میں سے کسی نے اون تعویذوں کو جو حمدی بک نے بمقام صیدان[1] زمین سے
نکالے تھے بچشم خود معاینہ نہیں کیا تھا۔ کئی لوگوں نے حمدی بک پر اعتراض کئے ہیں کہ اوس نے
ان بیش بہا خزینوں کو اتنا عرصہ دنیا کی نظر سے پوشیدہ و مقفل رکھا۔ بلکہ بعض نے تو یہہ بھی کہہ دیا کہ
اوسے یہہ چیزیں ٹرکی میں رکھنی واجب نہ تھیں۔ اوسے مناسب تھا کہ ان تعویذوں کو فی الفور یورپ
کے کسی بڑے عجائب گھر میں بھیج دیتا۔ ہر ایک کا یہی خیال تھا کہ ٹرکی کو ان قدیم زمانہ کی اشیاء پر
کوئی حق نہیں ہے۔ یہہ لوگ اس امر کے مشکور ہونے کی بجائے کہ بارے ٹرکی میں بھی صنعت قدیمہ کا
ایک سچا عاشق پیدا ہوگیا ہے اور اوسے سلطان المعظم کی فیاضانہ امداد اور ہمدردی حاصل ہوگئی ہے
اسلئے یہہ شکایتیں کرنے لگ گئے کہ ہیں ٹرکی۔ اور وہ ان چیزوں کو اپنا ملک ظاہر کرنے کی جرات
کرے۔ یہہ بغض اس درجہ تک بڑھا ہوا ہے کہ اب اسوقت بھی جو پرانی صنعت کے نمونے ترکی قلمرو
سے حاصل ہوں اون کو جائز یا ناجائز وسایل سے اٹھانے اور چرا لیجانے کے لئے ہر ایک امر مباح اور
جائز سمجھا جاتا ہے حتی کہ حمدی بک نے ایسے بے اصول اور بے ایمان لوگوں کے ہاتھ سے
تنگ آکر جو صنعت قدیمہ کے نہایت ہی خوبصورت نمونوں کو زمین سے نکال کر بے دریغ ملک سے

[1] صیدان یا صیدا ارض شام کے ساحل پر دمشق سے عین بجانب غرب تقریباً پچاس میل اور بیروت سے بجانب
جنوب تخمیناً پچیس میل کے فاصلہ پر بحیرہ شام کے کنارہ پر واقع ہے۔ مترجم

باہر بیچ ڈالتے تہے۔ سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کر کے یہہ حکم صادر کرادیا کہ اس قسم کی خرید وفروخت
ناجائز اور سزا کی مستوجب ہے۔ کل ملکوں میں یہی قانون رائج ہے۔ وہاں کوئی اسکی شکایت نہیں کرتا
مگر ٹرکی میں اسکو رواج کی نہ فقط شکایت ہی کیجاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات بظاہر علم اشیاء قدیمہ کے منافع
وبہتری کا بہانہ کر کے اور دراصل ذاتی کینہ اغراض کیلئے اوسکی خلاف ورزی کو بھی معیوب نہیں سمجہا جاتا ہے۔
دیہہ ہے عیسائی اہل یورپ کی ایمانداری اور راست بازی! سلطان المعظم جب یہہ دیکھتے ہونگے کہ
حمدی بک اور بمقام صیدار اوسکی محنت وتردد کی جو سرپرستی کیگئی ہے اوس ہی کیسا بے نظیر نتیجہ بہتر
ہوا ہے تو وہ اپنے دل میں بیشک بہت خوش ہوتے ہونگے۔ اس وقت بھی دنیا کا کوئی عجائب خانہ تعویذہائے
قبور اور تدفینی یادگاروں کے معاملہ میں قسطنطنیہ کے جدید امپیریل عجائب خانہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔
اور ابھی آخرالذکر کے ذخیرہ میں بہت بڑا اضافہ ہونے کا پورا یقین ہے۔ باوجود عام خبر نہ ہونیکے اب بھی
یورپ کے اکثر حصوں سے شوقین طالب علم قسطنطنیہ آکر عجائب گہر میں گھنٹوں تک صیدار کی تعویذوں کو
بنظر غور دیکھتے رہتے ہیں۔ جب اونکی عام شہرت ہوگئی تو اوس وقت اس علم کے شوقین سیاح اس
کثرت سے قسطنطنیہ پہونچا کرینگے جس طرح سے کہ مقام پارتھنیاں کی مرمریں مورتوں کی طفیل لندن
کے برٹش عجائب گہر کو کھنچے چلے جاتے ہیں اور میلو کی مورت زہرہ کے گرد پیرس کے محل لوور میں
ہر وقت سینکڑوں آدمیوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔ یہہ تعویذ اول اول محض
اتفاقیہ برآمد ہوئے تہے۔ ۱۸۸۷ء میں ایک شخص مسمی محمد شریف ایک قطعہ زمین کو جو موضع ہلیلہ کے
قریب صیدار سے بجانب شمال مشرق تقریباً صرف ایک میل اور ساحل بحیرہ روم سے فقط چند سو
گز کے فاصلہ پر اوسکی ملکیت تہا۔ عمارتی مصالح کے لئے کہدوا رہا تہا۔ اوس شخص کو معلوم نہیں تہا کہ
جس زمین کو میں کہدوا رہا ہوں وہ متبرک ہے۔ البتہ اوس نواح میں یہہ پرانی روایت چلی آتی تہی کہ قرب و
جوار کی زمین کسی زمانہ میں قبرستان تہی۔ فرانس کا رینان اسی قرب وجوار میں تلاش کرتا رہا تہا۔ اگر یہہ
بیش بہا عجوبات روزگار اوسے ملجاتے اور محل لوور میں بادشاہ اشیمونیضر کی قبر کے مشہور تعویذ کے
دوش بدوش جو ہلیلہ سے بجانب جنوب سوا میل کے فاصلہ پر مقام مغارات ابلون سے دستیاب ہوا تہا
اور اب لوور کے کمال مشہور اور بیش قیمت عجائبات میں سے گنا جاتا ہے رکہا جاتا تو رینان اور فرانس کو
اس کامیابی پر کیسی کچھ خوشی ہوتی۔ مگر یہہ اونکی قسمت میں مقدر نہ تہا۔ حالانکہ اسی بادشاہ کے عین قدموں کے

تلے اوس کے باپ تابنیث شاہ صیدار کی بہی قبر کا تعویز تہا۔ اشیمونیظر کا تعویز ڈیوک ڈومی لاہنی مرحوم نے ۵ ہزار فرنیک کو خریدا تہا۔ حمدی بک کو جو تعویز ملا وہ اشیمونیظر کے باپ تابنیث کی قبر کا ہے۔ مگر اس سے رینان کو کوئی رشک ہوا۔ رشک و حسد اوسکی ذات میں تہا ہی نہیں چنانچہ جن لوگوں نے سب سے اول ترکی فاضل کو اوسکی خوش نصیبی پر مبارکباد دی تہی انہیں سے ایک رینان تہا۔ اور جیسی سچی خوشی اوس کو اس برآمدگی سے ہوئی۔ کسی اور کو نہ ہوئی ہوگی۔ صرف تابنیث کا تابوت ہی ایسا ہے جس پر اب تک کوئی کتبہ ملا ہی۔ اس پر دو کتبے ہیں ایک مصر کے پرانے خط تصویری میں اور دوسرا اہالی فنیشیا کی قدیم زبان میں۔ مصری کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تابوت میں ابتداً ایک مصری جرنیل موسومہ پنفطاہ مدفون ہوا تہا اور فنیشی کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے آخر اس میں تابنیث شاہ صیدار کا جسم مردہ بند کیا گیا۔ یہی نام لوہڑ والے تابوت پر موجود ہے۔ اوس پر اشیمونیظر خود کو تابنیث اور اماش طورش کا بیٹا بتاتا ہے۔

اسی تابوت کے قریب ایک اور برآمد ہوا جسے پہلے کسی نے کہولا یا لوٹا نہ تہا جب وہ کہولا گیا تو اوس میں ایک طلائی کمر بند۔ شاہی حلیہ یا ہالہ۔ بالوں کی ایک زلف۔ ہڈیاں۔ دانت اور ململ کی پٹیوں کے ٹکڑے پائے گئے۔ یہہ تابوت سیاہ سنگ مرمر کا ہے اور انسان کے جسم کا نقش اوس پر نمودار ہے جس کی وجہ سے انسانی تابوت پکارا جاتا ہے۔ اور چونکہ اشیمونیظر لوہڑ والے تابوت پر خود کو تابنیث اور اماش طورث کا بیٹا لکہتا ہے۔ اور یہہ تابوت بہی چونکہ اوسی غار میں سے برآمد ہوا تہا اس لئے اغلب ہے کہ اس میں اماش طورث کا جسم مدفون تہا اور یہہ دانت وغیرہ اوسی کے ہیں یہہ تابوت پایوں کہو کہ وہ لوگ جو ان میں سب سے آخر دفن ہوئے۔ بقول بعض مورخین پانچویں صدی قبل مسیح اور بقول ماسپیرو چوتہی صدی قبل مسیح میں گذرے ہیں۔ حمدی بک کا بیان ہے کہ اوس زمین کو جہاں سے یہہ برآمد ہوئے ہیں قبرستان کہنا درست نہیں۔ اور اوس کا یہہ بیان ایک حد تک صحیح بہی ہے۔ کیونکہ قدیم اہل فنیشیا کا یہہ وطیرہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مردوں کو کسی خاص قبرستان کی حدود میں دفن کرنیکے بجائے جہاں کہیں مرضی ہوتی تہی دفن کر دیا کرتے تہے۔ تاہم جس موقع سے یہہ تابوت نکلے ہیں۔ وہ غالباً تدفین کے لئے بہت مناسب مقام سمجہا جاتا تہا۔ یہہ تابوت ہلیلہ سے برآمد ہوئے ہیں اور ہلیلہ کی پہاڑی کے قریب کے باغ کے نام سے بہی جو بوستان المغارہ (حجروں اور غاروں والا باغ) ہے متلاشیوں کو اس مقام کی طرف توجہ ہو جانی چاہئے تہی۔ ۱۸۸۰ء کے شروع میں اسی موقع سے چند مسیحی قبریں

برآمد ہوئی ہوئی نہیں حمدی بک کو توقع ہے کہ جب ذرا زیادہ باقاعدگی کے ساتھ تلاش شروع کرنیکے قابل ہو جائیں گے۔ تو اون کو اس گرد و نواح میں اور بھی تابوت دستیاب ہونگے۔ اونکی اس توقع کے برآنے کے بظاہر بہت کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔ سردست اون کا بڑا کام یہہ ہے کہ اس معدن کو جو اوس نے کہولی ہے۔ غارتگروں کے ہاتھ سے جو تجارت یا علمی ہوس کو پورا کرنے کے لئے لوٹ مار سے باز نہیں آتے محفوظ رکہیں جب ان تابوتوں کے برآمد ہونیکی خبر شائقین آثار قدیمہ نے سنی تو طبعی طور پر اون کے دیکہنے اور دریافت کنندہ کی قلم سے اونکی پوری کیفیت معلوم کرنیکے لئے بیتاب ہونے لگ گئے۔ مگر بسا اوقات ایسی بے صبری اور بے قراری نامعقولیت کی حد تک پہونچ جاتی ہے۔ ۱۸ اپریل سے ۲۰ جون ۱۸۸۷ء تک تو برابر کہدوائی کا کام ہوتا رہا۔ پہر جب یہہ دیو قامت تابوت صیدا سے قسطنطنیہ کو باحتیاط تمام پہونچا دئے گئے۔ تو اونکی درستی اور مرمت باقی رہتی تہی کیونکہ گو فی الجملہ اون کو بہت تہوڑا نقصان پہونچا تہا۔ پہر بہی حمدی بک نے حجروں میں سے کئی سو ٹکڑے جمع کئے تہے جنکو موقع بموقع اپنی اپنی جگہ پر لگانا ضروری تہا۔ پہر اس مرمت کے مکمل ہو جانے پر بہی جب تک کہ اون کو نئے عجائب خانہ میں نذر کیا جائے۔ انہیں عوام کو دکہانا مناسب تہا۔ اور اس نئے عجائب خانہ کی تعمیر پر بہی کچہ وقت صرف ہونا لازمی تہا۔ وہ تیار ہو گیا ہے اور اب یہہ تابوت وہاں ہر ایک شخص دیکہہ سکتا اور جس طرح چاہے اون پر غور کر سکتا ہے۔ حمدی بک کی رپورٹ ۱۸۹۲ء سے شایع ہونی شروع ہوئی[1] اوس کے دو نمبر حصے شایع ہو چکے ہیں۔ اور تیسرے کی عنقریب شایع ہو جانیکا اشتہار ہو چکا ہے۔ جب اس امر پر غور کیا جائے کہ ان نتائج کے مرتب کرنے پر کس قدر مشکلات عدیدہ کو ہٹانا پڑتا ہے اور کہ قسطنطنیہ میں اس کام کے لئے جس کی واسطے برٹش میوزیم اور لوور میں باقاعدہ شاف موجود ہے کیسی تہوڑی مدد مل سکتی ہے تو ہر ایک منصف مزاج تسلیم کر لیگا کہ رپورٹ کے شایع کرنے میں کوئی بیجا توقف نہیں ہوا۔ دیگر ممالک کی طرح ٹرکی میں بہی مصنفین کو جبکہ وہ نہایت قیمتی کتابیں معہ تصاویر شایع کرنے چاہتے ہوں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ چنانچہ فرانس کا وزیر سررشتہ تعلیم کمال عزت و احترام کا مستحق ہے کہ اوس نے اس کتاب کی تیاری اور اشاعت میں مصنف کو پوری پوری امداد دی۔ کیا کبہی انگریزی وزیر کو بہی ایسا کرنے کی جرأت پڑتی ہے۔

---

[1] یہہ رپورٹ فرنچ زبان میں ہے۔ اور پیرس کی کتب فروش امی لیرو سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

حمدی بک کی تلاش وجستجو اور تصنیفات کا نتیجہ نہایت ہی اطمینان بخش ہے۔ اوس نے اپنی
صرف دو شب سے تہ خانوں کو جو زیر زمین مدفون تہے کہولا ہے۔ اور اون میں سے اوسے ۱۲ تابوت حاصل ہوئے
ہیں جن میں سے ۱۰ اول درجہ کے ہیں۔ ان تہ خانوں کے سب سے نیچے اور قدیم ترین حجرہ میں مصری تابوت
تہا۔ جو دراصل ایک مصری جرنیل کی قبر تہا۔ مگر بعد میں تانبیت کو اوس میں دفن کیا گیا تہا۔ دوسرے
حجرہ سے جس میں سات علیحدہ علیحدہ خانے تہے پورے سترہ تعویذ برآمد ہوئے۔

ناظرین کو خیال رہے کہ سب سے پہلے ایک بڑا درمیانی حجرہ برآمد ہوا تہا جس سے شمال مشرق۔ جنوب اور مغرب
کی طرف حجرہ مذکور سے بڑے بڑے حجروں کو جو پتھر کے متعدد تابوتوں سے بہرے ہوئے تہے رستہ
جاتا تہا۔ شمالی حجرہ میں دو تعویذ ملے۔ اس کمرہ کو صاف کرتے وقت دو راستے مشرق اور مغرب کو دو
اور حجروں کو جاتے ہوئے پائے گئے۔ مشرق کی طرف کے حجرہ میں ایک معمولی سا تعویذ تہا جس پر کسی
طرح کا کوئی کام نہ تہا۔ مگر مغرب والے میں سفید سنگ مرمر کے چار نہایت ہی خوبصورت اور بدیع تابوت
پائے گئے۔ سب سے بڑے تعویذ کے سرہانے والی طرف جسے حاکم صوبہ کا تعویذ پکارا جاتا ہے۔ ایک عجیب
مرقع بنا ہوا ہے جس پر رنگ آمیزی کے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ ایک مرد سر پر مشرقی
وضع کی پوشش کیے ہوئے اور گہیرے دار جبہ پہنے ہوئے ہے۔ اوس کے بائیں ہاتہ میں پیالہ ہے اور دائیں
ہاتہ میں جام ہے جسے وہ ایک خاتون کی طرف جو اوس کے سامنے کہڑی ہے کئے ہوئے ہے اور وہ اوس میں
صراحی سے عرق ڈال رہی ہے۔ خاتون مذکور کے پیچھے ایک اور عورت بیٹھی ہوئی ہے جو کہ سر کو اپنی پوشاک
کے دامن سے ڈہانپے ہوئے ہے اور پیر مرد کے دائیں طرف ایک اور عورت کہڑی ہے۔ پائنتی کی
طرف چار نوعمر مردوں کی تصویریں ہیں جو چہوٹے کوٹ پہنے اور ڈنڈے پکڑے ہوئے ہیں۔ تعویذ کی بڑی
طرفوں میں سے ایک پر ایک بوڑہا آدمی تخت پر بیٹہا ہوا ہے۔ تاج اوس کے سر پر ہے اور عصار شاہی
دائیں ہاتہ میں تہامے ہوئے ہے۔ وہ ایک چہار اسپہ گاڑی کو جس پر ایک نوجوان جو اپنے چہوٹے کوٹ کو کمر
سے باندہے ہوئے اور سر کو ہوا میں اڑتی ہوئی چادر سے ڈہانپے ہوئے ہے سوار ہونے لگا ہے دیکہ رہا ہے۔
ایک غلام لاٹہی پر سہارا دیئے کہڑا ہے اور گہوڑوں کو جو ابہی چلنے والے ہیں تہامے ہوئے ہے۔ دوسرا
نوکر ایک گہوڑے کو لگام سے پکڑے ہوئے ہے۔ تخت کے پیچہے بہی چند عورتیں ہیں۔ جو نمایاں نہیں رہ
گئیں۔ دوسری بڑی طرف غالبًا وہی پیر مرد گہوڑے پر سوار شیر ببر سے لڑائی کر رہا ہے۔ ایک

دوسرا سوار اسی شیر پہ نیزہ سے حملہ کر رہا ہے۔ دائیں طرف ایک سوار جس کا آسن اکھڑ گیا ہو اپنے گھوڑے کی لگام کو چپٹا ہوا ہے۔ پیر مرد کی تصویر کے پیچھے ایک ننھی ہرن ٹپا ہے اور ایک سوار اپنے گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان تصویروں کا مطلب بظاہر ایشیائیوں کی بڑے بڑے مشاغل۔ لڑائی اور شکار کو واضح کرنا ہے مگر ممکن ہو اس پیر مرد کی جو تخت پہ بیٹھا ہے اور جیسے اب حاکم صوبہ تصور کیا گیا ہے اور نوجوان کی تصویروں سے جو لڑائی پہ جانے کو تیار ہے۔ ہومر[۱] کی کسی داستان کا چربہ اتارنا مقصود ہو۔ اور غالباً یہہ نوجوان ہیکٹر یا پیرس ہو جو شہر ٹرائے کی دیواروں کے سامنے جا کر لڑائی میں شریک ہونے کے لئے پدر پیر آم سے رخصت ہو رہا ہے۔ اور یہہ مرقعے بھی اوسی قسم کی ہوں جس طرح کہ جو لباشی کی سنگین تصویریں ہیں اور صرف یہہ فرق رکھتی ہوں کہ نسبتاً بڑے پیمانہ پر بنائے گئے ہیں سرہانے کی طرف کے ترفع کی نسبت خیال ہے کہ اوس میں نزع کے وقت کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ اور وہ عورت جو پلنگ کی پائنتی بیٹھی ہے قریب المرگ پیر مرد کی نوحہ خوانی کر رہی ہے۔

اس عجیب غریب تعویز یا تابوت کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اس سے بھی زیادہ عجیب تعویز دستیاب ہو گئے۔ اوس کمرہ میں جو درمیانی حجرہ سے بجانب مشرق ہے سفید سنگ مرمر کے دو تابوت ملے۔ بائیں طرف والا تو سیدھا سادہ تھا۔ مگر دائیں طرف کا صنعت و دستکاری کا کامل نمونہ پایا گیا۔ اوس پہ جزائر ایونیئن کے قدیم مندروں کی طرز کا ایک مندر بنا ہوا ہو۔ اوس کے ستون دار کمرہ میں اٹھارہ طاق ہیں اور ہر ایک طاق میں ایک عورت یونانی لباس پہنے کھڑی ہے۔ اور ستون دھاری دار ہیں۔ اس مرقع پر بھی رنگ آمیزی کے نشان باقی ہیں۔ اوس کا نام تابوت نوحہ خواناں رکھا گیا ہے۔ مگر اسے دیکھہ کر یہہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہہ تصویریں ایک ہی شخص کی ہیں جس کو رنج و غم اور نوحہ خوانی کی مختلف اوضاع میں

---

[۱] ہومر زمانہ قدیم کا مشہور شاعر گذرا ہے۔ اوس کے مقام پیدائش اور سنہ ولادت وغیرہ کا پختہ حال معلوم نہیں۔ غالباً آٹھویں اور نویں صدی قبل مسیح میں گذرا ہے۔ عام روایت ہے کہ وہ سمرنا کے قریب پیدا ہوا تھا اور سولد الحرام تھا۔ اوسے یونانی شعرا میں وہی درجہ حاصل ہے جو فارسی شعرا میں فردوسی اور ہندی شعرا میں راماین و مہابھارت کے مصنفین کو حاصل ہے۔ اوس کی منظوم نظمیں سلاست زبان اور فصاحت و بلاغت میں قیامت تک یادگار رہینگی۔ اوس نے شہر ٹرائے کے محاصرہ اور لڑائی کا مفصل حال شاہنامہ کی طرز پر لکھا ہے۔ ٹرائے ایشیا کوچک میں بحر اسود اور بحیرہ روم کے قریب واقع ہے۔ جو دو صدیوں سے کھنڈر پڑا ہے۔ مترجم۔

دکھایا گیا ہے یا یہہ تصویریں کسی خاص شخص کی نہیں اور صرف رنج واندوہ کے مختلف طریق اظہار کو ظاہر کر رہی ہیں یعنی آیا اس کو تابوت نوحہ خواناں پکارنا چاہئے یا کہ تابوت نوحہ خوانی۔ تابوت کا ڈھکنا مندر کی چہت کے مشابہ ہے اور دونوں طرف سے ڈہالو ہے۔ اوس کے دونوں سروں پر تراشی ہوئی مورتیں ہیں اور کارنیس سے اوپر دونوں پہلوؤں پر جنازہ کے جلوس بنے ہوئے ہیں جو لمبائی میں تقریباً بیس انچہ ہیں۔ تابوت کے اندر چند مُردانی ہڈیاں اور سات کتوں کے سر پائے گئے۔ ان کے سوائے اور کوئی چیز نہ پائی گئی جس سے مردہ کا نام یا درجہ معلوم ہوتا۔ اوس میں جو قیمتی چیزیں پہلے سے کسی نے نکال لی ہوئی تہیں۔ اب تک تابوت کے اندر کتوں کے سر موجود ہونیکی وجہ ظاہر کرنے کی کسی نے کوشش نہیں کی۔

تیسری طرف جنوبی حجرہ میں مزدوروں کو سفید مرمر کا ایک تابوت ملا۔ جسکی شکل دیکہتے ہی معلوم ہوگیا کہ وہ لیسین[1] ساخت کا ہے۔ اون لیسین قبروں کی طرح جو برٹش میوزیم (عجائب خانہ) اور وائنا میں رکہی ہوئی ہیں یہہ تابوت بھی چوبی عمارتوں کے نمونہ پر پتھر کا بنا ہوا ہے۔ ڈھکنا ڈھلوان چہت کا کام دیرہا ہے جس کے دونوں سروں پر مثلث گوشے بنے ہوئے ہیں۔ اسکی تصویریں کی طرز یونانی تابوتوں کی تصویروں سے زیادہ قدیم اور درشت ہے۔ مگر اس سے اون کے زیادہ قدیم ہونے کا نتیجہ نکالنا ناممکن ہے۔ اونکی نسبت صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ پانچویں صدی قبل از مسیح سے جو کہ فنیشی تابوت کا زمانہ تہا۔ پہلے کی ہیں اور کہ تیسری صدی قبل از مسیح سے جس میں نسبتاً زیادہ کامل یونانی تابوت تیار ہوئے تھے بعد کی نہیں ہیں۔

لیکن سب سے سوا چنبھے کی چیز ابھی باقی تہی۔ مغربی طرف کے حجرہ میں ایک شاندار تابوت سفید سنگ مرمر کا معہ تین اور تابوتوں کے دستیاب ہوا۔ ان میں سے ہر ایک ایسا بیش قیمت ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی اشیاء قدیمہ کے متلاشی کو ملجاتا تو اوسی مدت العمر کے لئے فارغ البالی ہوجاتی۔ یہہ تابوت ۱۱ فیٹ لمبا اور چار فیٹ آٹھ انچ اونچا ہے اور اوسکا ڈھکنا تقریباً تین فیٹ بلند ہے۔ اسکا نام اسکندر فیلقوس[2] کا تابوت رکھا گیا ہے اور غالباً عرصہ دراز تک اسی نام سے پکارا جاتا رہیگا۔ گو اس دعوی کی تائید میں ایک بہی ایسی دلیل نہیں پیش کیگئی جو بحث پر قایم رہ سکے۔ اس کی ایک طرف شکار کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ اور دوسری طرف لڑائی کا جو یونانیوں اور وحشیوں میں ہو رہی ہے۔ وحشیوں سے غالباً ایرانی مراد ہیں۔ یونانی

---

[1] لیسیا ایشیاء کوچک کے جنوبی ساحل کے ایک حصہ کا پرانا نام تہا۔ مترجم

[2] اس تابوت کا شہزادہ حمدی لو عثمان سے جو عہد حکومت سلطان عبدالحمید میں فخریہ ذکر کیا ہے۔ مترجم

برہنہ بدن یا تنگ دامن قمیصوں اور مقدونوی شکل کی خودنما ٹوپیوں سے اور ایرانی چست پاجاموں اور کوٹوں سے جو سر اور ٹھوڑی کو بھی ڈھانپے ہوئے ہیں بآسانی تمیز ہو سکتے ہیں۔ گھوڑوں کے ساز و سامان کی بھی آسانی کے ساتھہ شناخت ہو سکتی ہے کہ یہہ ایرانیوں کے ہیں اور یہہ یونانیوں کے۔

مجھے افسوس ہے کہ اس تابوت کو اسکندر[۱] اعظم کا تابوت کیوں ظاہر کیا گیا ہے بلحاظ صناعی و دستکاری وہ بیشک نہایت عجیب اور نادر شے ہے۔ مگر تاریخی شہادت قیاس مذکورہ کی صریح مخالف ہے۔ زیادہ توضیح کرنے کی ہمیں کوئی حاجت نہ دیکھہ کر یہی بتانے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اسکندر بابل میں فوت ہوا تھا۔ جہاں سے اوسکی لاش پہلے مصر کے قدیم دارالخلافہ میمفس کو (جو قاہرہ سے بجانب جنوب دس میل کے فاصلہ پر اب ویران پڑا ہے۔ مترجم) اور پھر اسکندریہ کو پہونچائی گئی تہی۔ اور روم[۲] قیصر آگسٹس نے اوسکی قبر کو اسکندریہ ہی میں دیکہا تھا۔ اور اب تک کسی شخص نے بیان نہیں کیا کہ اوس نے اسکندر کی قبر کہیں اور جگہ دیکھی تہی۔ روایت ہے کہ کالی گولا[۳] اسکندر کے تابوت سے اوسکی زرہ بکتر خود پہننے کے لئے اپنے ساتھہ روستہ الکبری کو لے گیا تہا۔ اوسوقت اسکندر کی قبر اسکندریہ میں تہی۔ اور کسی نے کبہی ذکر نہیں کیا کہ وہ صیدا میں تہی۔ تابوت پر ایک سوار کی شکل ہے جس کے سر پر شیر کی کہال پڑی ہے۔ اسی اسباب کا یقینی ثبوت سمجہا گیا ہے کہ یہہ تصویر اسکندر کی ہے۔ مگر اسکندر ہی ایک ایسا بادشاہ نہیں جسکو سر کی پوشاک شیر کی کہال بنائی گئی ہے۔

علاوہ بریں اگر اس تابوت کی نسبت یہی فرض کر لیا جائے کہ وہ اسکندر کے لئے بنایا گیا تہا تو کیا کوئی مصور اور دستکار جسکی عقل بجا ہو۔ بادشاہ کو مرقع کے ایک کونے میں بناتا اور اوسکی تمیز کے لئے کوئی نشان شاہی نہ دیتا۔ مزید برآں کیا وہ تابوت پر ایسے مرقع نقش کرتا جن میں ایرانی مغلوب ہونیکی بجائے فاتح دکہائی دیتے ہوں؟ اس کو کلائی[۴] ٹس کا تابوت کہنا بہی اسی طرح بالکل بے بنیاد ہے۔ اخبارات میں اسکندر اور مصر کی مشہور حسین اور عشوہ فروش ملکہ کلیوپٹرا کی اصلی قبروں کی برآمد ہونے کی جو خبر شایع ہوئی تہی وہ محض اخباری

---

[۱] اسکندر ۳۵۶ قبل مسیح بمقام پلا پیدا ہوا۔ اور ۳۲۳ قبل مسیح میں بمقام بابل فوت ہوا۔ مترجم

[۲] قیصر آگسٹس کالی گولا ۱۲ عیسوی میں پیدا اور ۴۱ء میں فوت ہوا۔ چار برس کی حکومت کے بعد رعایا کے ہاتہہ سے جو اس کے جبر و ستم سے تنگ آ گئی تہی ہلاک ہوا۔ وہ اول درجہ کا بدمعاش۔ ظالم۔ اور بدطینت تہا۔ علانیہ اپنی بہنوں کے ساتھہ سیہ کاری کرتا تہا۔ اور رعایا کی مصیبتوں پر بہت خوش ہوا کرتا تہا۔ اوس کا بیان تہا کہ کاشکہ قوم کا ایک سر ہوتا اور میں اوسے ایک وار سے قلم کر دیتا۔ اوس نے شراب خانے اور زنا خانے بکثرت قائم کئے اور لوگوں سے اپنی عبادت کرائی۔ مترجم۔

[۳] سکندر اعظم کا دوست اور برادر رضاعی تہا۔ اوسنے ایک لڑائی میں اسکندر کی جان بچائی تہی۔ مگر ایکدفعہ مدہوشی کی حالت میں جبکہ اسکندر مخمور تہا۔ اوس بات سے

[illegible]

دہوکہ تہا۔ اسکندریہ میں اسکی نسبت کسی کو علم نہیں۔ اس بات کا مجھے ہز اکسلنسی ظفرانی پاشا نے بزبان خود یقین دلایا تہا۔ پس ان دعووں کی بجائے خفیف سی لاعلمی "بالاادری" سے کیوں کام نہیں لیا جاتا اور یہہ تسلیم نہیں کیا جاتا کہ تابہنیث والد الیشموینظر شاہ صیدا کے سوا کہ اب تک اون لوگوں کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ جو اس اور دیگر خوبصورت تابوتوں میں مدفون تہے۔ سردست اونکی نسبت یہی تسلیم کرنا کافی ہے کہ ہر ایک تابوت اپنی اپنی طرز میں کمال خوبصورت اور تاریخی پہلو سے نہایت دلچسپ ہے۔

لیکن اس بارہ میں بہی بہت احتیاط درکار ہے۔ ان یادگاروں کو اگرچہ وہ ایک ہی جگہ سے برآمد ہوئی ہیں۔ ایک ہی زمانہ کی یا مقام مذکور کے فنیشی باشندوں کی دستکاری کے نمونے نہیں سمجھنا چاہیے۔ شاہ تابہنیث کے مصری تابوت سے واضح ہو رہا ہے کہ فنیشیا کے متمول شاہزادے اور تجار اپنے تابوت مصر اور دیگر ممالک سے خرید کیا کرتے تہے۔ خواہ وہ تابوت پہلے استعمال میں ہی آچکے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی جگہ سے مصر۔ یونان اور لیسیا کی صنعت و ساخت کی یادگاریں برآمد ہوئی ہیں۔ یونانی دستکاری کے نمونے اپنی قسم کی نہایت کامل صنعتیں ہیں گو ابہی وہ ایسے زمانہ کی نہیں ہیں جبکہ یونان میں فنون و صنعت معراج پر پہونچے ہوئے تہے۔ تابوت موسومہ نوحہ خوانی کو پہلی نظر دیکھنے پر جس پر ایک نوحہ خوان عورت رنج و غم کے مختلف اوضاع میں دکہائی گئی ہے۔ انسان پر ایک رقت طاری ہو جاتی ہے۔ مگر تہوڑی دیر کے بعد یہہ کیفیت نہیں رہجاتی اور معلوم ہو جاتا ہے کہ مصور کی قوت متخیلہ کوئی اعلی درجہ کی نہیں تہی۔ اس تابوت کے نقش و نگار میں ویسی سادگی نہیں جو اوس سے پرانے زمانے کے تابوتوں کے مرقعوں میں پائی جاتی ہے۔ آخر الذکر قسم کے ایک تابوت پر یہہ حسرت افزا اور موثر مرقع ہے کہ قریب المرگ آخری دفعہ بیوی اور بچوں سے مصافحہ کر رہا اور اپنے کشتی کی طرف یاس بہری نگاہ سے تک رہا ہے۔ تابوت نوحہ خوانان میں ایک ہی عورت مختلف پیرایوں میں جو انسان کے قیاس میں آسکتے ہیں دکہائی گئی ہے۔ اور اوسکی صورت سے یہہ ٹپکتا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبان حال سے ناظر کو کہہ رہی ہے "دیکہو میں کس طرح چلا رہی اور نوحہ کر رہی ہوں"۔ اس حرمان نصیب عورت کے تمام آہ و بکا اور اوضاع و انداز اوس حسرت بہری نگاہ کے سامنے جس سے متوفی اپنے وفادار کتے کو اور کشتی کو دیکہہ رہا ہے کچہہ حقیقت نہیں رکہتے۔ ان نگاہوں میں ایسا جادو ہے جو انسان کو بے قابو کئے دیتا ہے۔ سکندر کا مفروضہ تابوت اوسی شکل اور قطع کا ہے جیسا کہ فکر کا تابوت۔ البتہ یہہ فرق ہے کہ وہ

آخرالذکر سے جسے میں نے وائنا میں دیکھا تھا نسبتاً بہتر حالت میں ہے۔ لیکن تصویروں کی اس قدر بہرمار ہے کہ وہ سادگی اور صوفیانہ جلال و تمکنت جو یونان کی اعلیٰ درجہ کی دستکاری میں پایا جاتا ہے نہیں رہی۔ وہ اسکندریا اور اسکندر کے زمانہ سے بعد کی ساخت معلوم ہوتا ہے۔ اوس میں رقت انگیزی بہی اور نازک خیالی تو موجود ہے۔ لیکن یونان کی بہترین سنگین مورتوں کی سی جلال آمیز سادگی مفقود ہے۔ لیسین تابوت لیسین صنعت کاری کا شاندار نمونہ ہے اور اون لیسین تابوتوں سے جو برٹش عجائب خانہ میں ہیں تکمیل و آرایش میں بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ تابوت حاکم صوبہ اول اول تو نا مکمل سا اور کسی قدر بہدا معلوم ہوتا ہے۔ مگر تھوڑے سے غور کے بعد اوسکی خوبیاں ایسی عیاں ہوجاتی ہیں کہ سب سے بڑھکر وہی یونانی بت تراشی کے لگ بہگ پایا جاتا ہے۔ ان نو برآمد شدہ عجائبات کی طرف انگریز شائقین اشیاء قدیمہ نے اب تک کوئی توجہ نہیں کی میرا خیال ہے کہ اون کا اب پہلی مرتبہ (یعنی میری قلم سے) ایک انگریزی[1] رسالہ میں ایسا ذکر ہوا ہے۔ جسے فی الواقع تذکرہ کہا جا سکتا ہے۔ اب یہہ اون لوگوں کا کام ہے جو یونانی بت تراشی کے شوقین ہیں کہ وہ انکی کی تاریخیں مقرر کرکے قسطنطنیہ پہونچیں اور وہاں بچشم خود معاینہ کرکے ان تابوتوں کی نسبت اپنی رائے قائم کریں۔ لیکن یہہ میں پہلے سے کہہ دیتا ہوں کہ ان مبصروں کی قطعی رائے خواہ کچھ قرار پائے۔ ان میں سے ہر ایک اس پائندگی کی عظمت کو تسلیم اور حمدی بک کے استقلال کا جو ہر طرف سے بیشمار مشکلات احاطہ کئے ہوئے تہیں مگر وہ آخر سب پر غالب آگیا اعتراف کریگا۔ یہہ تابوت خواہ کن لوگوں کے ہوں۔ اس میں کلام نہیں کہ ان سے اول ترکی مبصر اشیاء قدیمہ یعنی حمدی بک اور اوسکے بیدار مغز مربی سلطان عبدالحمید کا نام نامی ہمیشہ کے لئے علمی دنیا کی لوح پر ثبت ہوگیا ہے۔

نئے عجائب خانہ کی پہلی منزل کے فرش پر اور بہی کئی یادگاریں رکھی ہوئی ہیں۔ جن میں سے اکثر قبروں اور تابوتوں کے متعلق ہیں۔ کئی ابہی باہر پڑی ہیں کہ جوں جوں گنجایش نکلتی آئے۔ اندر رکھی جائیں ان میں سے ایک قدیم لیسین قبر ہے۔ دوسری منزل میں وہ عجائبات قدیمہ ہیں جو شلیمن اور دیگر متلاشیوں نے ترکی گورنمنٹ کے نذر کئے تہے۔ ان میں کئی قدیم بابلی۔ اقادی اور مفروضہ ہتّی ٹل ظرزا ملار کے کتبے ہیں جب یہ وقت سلیقہ وار رکھے گئے اور ہر ایک پر باقاعدہ چٹیں لگ گئیں تو اس فن کے مبصروں کو اون سے بہت مدد ملے گی۔ ان تمام نوادرات کو ہر شخص معائنہ کر سکتا ہے۔ اور جو شوقین بغرض استفادہ اون کو

[1] یہہ خط پہلے وٹنیمز سکیس ہولے نے پال لندن کے رسالہ "نیو ریویو" میں شایع کیا تہا۔ مترجم

دیکھنے جائے حمدی بک اور اوس کا بہائی دونوں اوسکی سچی ترکی خوش اخلاقی سے تواضع اور اوس کو علمی تلاش و مطالعہ میں پوری امداد دینے کے لئے ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔

مرقومہ پروفیسر الیف ہیکس ہول

۱۳۔ بروصہ

ہمیں بروصہ دیکھنے کا بڑا شوق تہا۔ مگر قسطنطنیہ میں ہمیں اتنی چیزیں دیکھنی اور اس قدر کام کرنے پڑے کہ جولائی کے پہلے ہفتہ میں جاکہ ہم کو اس شوق کے پورا کرنیکے لئے فرصت ملی۔ خوش نصیبی سے صادق ہمارے ساتھ تہا۔ جس کی طفیل ہمیں اس تفریحی سیاحت میں کوئی تکلیف نہ پہونچی۔ محل ہمایون کے یاور کی شکل دیکھتے ہی تمام مشکلیں حل ہو جاتی تہیں۔ البتہ بروصہ کے اوس ہوٹل میں بہی جو بہترین سمجہا جاتا تہا وہ ہماری آسایش کا عمدہ انتظام نہ کرسکا۔ وہاں کی ہر ایک چیز بالخصوص غذا ناقص اور غلیظ تہی۔ صادق اس سیر کا ذکر سن کر بہت خوش ہوا۔ اور جب تک سلطان المعظم کی منظوری حاصل نہ ہوئی بچول کیسی بے قراری ظاہر کرتا رہا۔ چونکہ ہم نے سلطانی یاور کے ہمراہ جانا تہا۔ ہم نے کوئی "بول نذکرہ" یعنی دستخطی پروانہ راہداری بروصہ جانیکے لئے نہ منگوایا۔ لیکن جب ہم نو بجے کے وقت جہاز پہ سوار ہونے کو گہاٹ پہ پہونچے تو صادق ابہی تک نہیں آیا ہوا تہا۔ اور ادہر ہمارے پاس کوئی پروانہ نہ تہا جس سے جہاز پہ سوار ہونے میں کسی قدر وقت درپیش آئی۔ مگر جس وقت ہمارے لڑکے نے افسران گہاٹ کو یقین دلادیا کہ ہم انگلش مسراد (سفارت انگلشیہ) کی متعلقین میں سے ہیں تو ہم کو جہاز پہ جانے کی اجازت دیدی گئی۔ جہازی سفر میں چار گھنٹے صرف ہوئے۔ دن نہایت صاف اور مزیدار تہا گرمی کچہ زیادہ نہ تہی چنانچہ بحری سفر میں بڑی کیفیت رہی۔ ہم نے مودانیہ کو جانا تہا۔ یہہ چہوٹا سا قصبہ اسی نام کی ایک خلیج کے ساحل پہ جو بحیرہ مارمرا سے خشکی میں اندر کو چلی جاتی ہے واقع ہے۔ بحیرہ مذکور میں اس طرح کی کئی خلیجیں ہیں۔ سب سے بڑی خلیج اسمد ہے جس کے دہانہ پہ جزایر شہزادگان واقع ہیں۔ خلیج مودانیہ میں داخل ہونے پہ مسافر کو سب سے اول پہاڑیوں کے ڈہلاؤ اور دامنوں کا گہنا سبزہ زار نظر آتا ہے۔ پہاڑیاں بعض بعض مقامات پہ لب آب سے ہی سیدہی اٹھہ رہی ہیں۔ اس سبزہ زار کے ساتھہ ہی دور فاصلہ پہ کوہ اولمپس کی برفانی چوٹیاں بہی دکہائی دیتی ہیں۔ ہم دوپہر کا کہانا جہاز پہ ساتھہ لے گئے تہے کیونکہ ایسے سٹیمروں میں

قہوہ کے سوا دیگر سامان کی عمدگی کا یقین نہیں ہوتا صادق بک نے مسافروں میں ہمیں ایک عجیب آدمی دکھایا کہ کہا کہ وہ ایک طرح کا شعبدہ باز اور نقال ہے قسطنطنیہ میں اوسکو سب جانتے ہیں۔ اور اکثر ترک لوگ اوسے اپنے گہروں میں بلا کر اوس کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ وہ اپنے اعضا اور چہرہ کو مروڑ کر جس طرح کی شکل چاہے بنا سکتا ہے کچھ عرصہ تک ہم اوسے ایک چوہے کے ساتھ جو اوس نے اپنے رومال کا بنا کر اپنے بازو پر بٹھایا ہوا تھا۔ اس طرح سے کھیلتا دیکھتے رہے کہ گویا وہ چوہا فی الحقیقت زندہ جانور ہے۔ دوسرے دن بروصہ میں جب وہ ہمارے ہوٹل کے پاس سے گذرا تو ہم چھبر وکہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اوس نے ہمیں پہچان لیا اور بازار میں کھڑا ہو کر ناچنے اور عجیب و غریب شکلیں بنانے لگ گیا۔

مودانیہ پہونچ کر ہم نے گھوڑے گاڑی پر بروصہ جانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ٹرین کی روانگی میں ابھی کچھ دیر تھی۔ گرمی بہت تیز ہو گئی ہوئی تھی۔ ادہر ساحل سے کچھ دور جا کر ہمیں ایک طوفان نے شجر گرد آلود سٹرک پر چڑہنا پڑا۔ لیکن یہہ غنیمت تھا کہ پچھلی طرف خوبصورت نظارے بر لب خلیج درخشاں دہوپ میں خوب چمک رہے تھے۔ آخر جب ہم بلندی کی چوٹی کے قریب پہونچے تو شہتوت کے گھنے جہنڈوں کا سایہ آ گیا۔ چوٹی سے گذرتے ہی بروصہ کا عجیب و غریب میدان نظر آنے لگ گیا۔ دریا نیلوفر اوسکے کنارہ کنارہ بہہ رہا تھا۔ اولمپس کی برفانی چوٹیاں اوسکی پشت پر کہڑی تہیں۔ اور بروصہ کی سفید فصیلیں۔ مساجد اور مکانات کوہ مذکور کے دامن میں گھنی سبزی میں سے چمک رہے تھے۔ جتنی سبزی اس جگہ ہے اوس قدر کسی اور جگہ شاید ہی ہو گی۔ یہاں کی ہوا ایسی صاف و شفاف ہے کہ ہم نے خیال کیا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ میں ہم منزل مقصود پر پہونچ جائیں گے۔ حالانکہ ہم ابھی تک نصف راہ کے پڑاؤ سے ہی بہت ورے تہے۔ چوٹی سے نیلوفر کی انترائی بڑی سیدھی ہے۔ اوہر گرمی نے بہت ستا رکھا تھا۔ جب پڑاؤ آیا تو ہم نے لاکھ لاکھ شکر کیا۔ وہ شمشاد کے درختوں کے جہنڈ میں نالہ کے کنارہ پر بنا ہوا ہے۔ موسم سرما اور اوایل بہار میں یہہ دریا بہت زور سے بہتا ہے۔ یہاں سے لیکر بروصہ تک سٹرک کی دونوں طرف کل اراضی زیر کاشت اور نہایت زرخیز ہے اوسی شام ہم نے شہر میں تہوڑی دیر سیر کی جس پر ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ سلسلہ کوہ اولمپس کی تین شاخوں پر آباد ہے۔ یہہ عمیق گہاٹیاں جن پر اوپر نیچے دونوں جگہ پل بنے ہوئے ہیں۔ ان شاخوں کو

ایک دوسرے سے جدا کر رہی ہیں۔ درمیانی آبادی شہر کا قدیم ترین حصہ ہے۔ اوس کے بلند ترین مقام پر قلعہ بنا ہوا ہے۔ عثمان و ارخان کی قبریں اور عثمانی سلاطین کا قدیم محلسرا بہی اسی موقع پر ہے آبادی مذکور کے نشیبی حصہ میں کلاں مسجد اور بازار ہیں۔

مشہور سبز مسجد اور محمد اوّل کی تربت جو بروصہ کا درشہوار شمار ہوتی ہے مشرقی شاخ میں جسکو گوک صو (آب نیلی) درمیانی شاخ سے جدا کرتا ہے۔ واقع ہیں۔ مغربی شاخ "قبور سلاطین" کے لئے مشہور ہے۔ بروصہ جسکا نام اوسوقت پروسہ تہا۔ پہلے صوبہ بتھنیا کا دار الخلافہ تہا۔ جسکو آخری تہیصیس بادشاہ نے رومن فاتحین کے حوالہ کر دیا تہا۔ پلینی خود پروسہ کا گورنر تہا۔ اوس کے زمانہ میں یہہ بڑا آباد اور بارونق شہر تہا اوسوقت کئی گرم حمام۔ یونیورسٹی اور کتب خانہ وہاں موجود تہے۔ سالہائے دراز تک کبھی اوس پر عیسائی اور کبھی مسلمان قابض ہوتے رہے۔ آخر ۱۳۲۶ء میں (دوم عثمانی سلطان) ارخان نے اوسے قطعی طور پر فتح کرلیا اور اوسوقت سے وہ عثمانی سلاطین کا مقام رہائش اور اونکی سلطنت کا دار الخلافہ بن گیا۔ درمیانی شاخ پر رومن عمارتوں کے جابجا آثار باقی ہیں اور بائی زنطینی فصیل کے ٹکڑے کئی جگہ اب تک صحیح سالم کہڑے ہیں۔

دوسرے دن ہم علی الصباح بیدار ہو کر ہوٹل سے باہر نکل گئے۔ کیونکہ بروصہ میں بیشمار مسجدیں اور مقبرے ہیں۔ اور وہاں کی نسبت عام مشہور ہے کہ سال بہر کے دنوں میں سے ہر ایک کے لئے جدا جدا مسجد اور جدا جدا سیرگاہ ہے۔ کلاں مسجد ٹہیک مربع شکل کی ہے۔ اوس کا نقشہ ابتدائی زمانہ کی مساجد کے مطابق اور قسطنطنیہ کی مساجد سے بہت مختلف ہے جو تقریباً سب کی سب ایا صوفیا کے نمونہ پر ہیں۔ مسجد کلاں کے پانچ دروازے ہیں صحن کے وسط میں ایک کشادہ میدان بے سقف ہے۔ تاکہ حوض پر دہوپ پڑتی رہے۔ منبر کے ماسوائے جس پر نہایت عمدہ نقش و نگار۔ اور بیل بوٹے ہیں باقی تمام مسجد قسطنطنیہ کی مسجدوں کے مقابلہ پر ہمیں بہت ہی سادہ نظر آئی۔ مگر جب سبز مسجد میں داخل ہوے تو ہم تعجب و حیرت سے وہم بخود رہ گئے۔ اسے ۱۴۲۱ء میں سلطان محمد اوّل نے تعمیر کرایا تہا۔ اندرونی دیوار از سر تا پا پرانی وضع کی نہایت ہی خوبصورت میناکاری اور پچی کاری سے ڈہنپی ہوئی ہیں۔ جو زیادہ تر سبز رنگ کی ہیں۔ مسجد کا ایک پہلو اور دروازے بیل بوٹے دار سفید سنگ مرمر کے ہیں۔ پہلے اسکے دو مینار بہی تہے جن پر چوٹی سے لیکر پاؤں تک پچی کاری تہی۔ یہہ ۱۸۵۵ء کے مہیب زلزلہ میں جو بر سے

شہر کا حصہ کثیر منہدم اور ایکہزار سے زیادہ آدمی ہلاک ہوئے تھے گر گئے۔ اس مسجد کے سامنے برصہ کی خوبصورت وادی دور تک پھیلی چلی گئی ہے۔ اور اوس کے قریب ہی سلطان محمدؒ اول کا مقبرہ ہے۔ جو سارے شہر کا گوہر یکتا تصور ہوتا ہے۔ کسی زمانہ میں وہ اندر باہر دونوں طرف سے پچی کاری سے ڈہنپا ہوا تہا۔ بیرونی پچی کاری متذکرہ بالا زلزلہ میں گر گئی جسکے عوض وافق پاشا نے سبز کھپریلیں لگوا دیں۔ پاشا موصوف نے اپنی گورنری کے زمانہ میں شہر کی بہت کچھ رونق بڑہا دی تہی۔ اس مسجد کے اندرونی حصہ کی پچی کاری کی جو زیادہ تر بیل بوٹوں کی شکل میں ہے خوبصورتی کو بیان کرنا انسان کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہے۔

وافق پاشا ہماری سیر سے ماقبل کے سال (۱۸۹۳ء) میں فوت ہوئے تہے۔ وہ نہایت بیدار مغز اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تہے۔ ہم نے اونکے بے نظیر کتب خانہ کا روہیلی حصار میں معاینہ کیا تہا جب ہم شہر کی سیر کر رہے تہے اوسوقت یہہ کتب خانہ فروخت کیلئے رکھا ہوا تہا۔ صادق بک نے ہمارے اوس کتب خانہ کو دیکھنے کا انتظام کیا اور ایک سہ پہر اوسکے ہمراہ جا کر ہم روہیلی حصار[1] میں جہاز سے خشکی پر اترے۔ اور اس چھوٹے سے قصبہ کے ڈہلوان بازاروں پر چڑہنا شروع کیا۔ یہہ بازار ایسے ڈہالدار ہیں کہ چلنے والوں کی آسانی کے لئے اون میں سیڑہیاں بنی ہوئی ہیں۔ وافق پاشا کے مکان کی چار دیواری ہم نے بلندی کی عین چوٹی پر پائی۔ ہمارے کھٹکھٹانے پر دیوار مذکور کا ایک دروازہ کہول دیا گیا اور اندر داخل ہونے پر ہم نے اپنے تئیں ایک باغ میں پایا جسے گلاب کے پہولوں کا انبار کہنا زیادہ بجا ہو سکتا ہے۔ کئی نوکر ہمارے استقبال کیلئے دست بستہ کہڑے تہے۔ ترکی میں ملازموں کے لئے کہڑا ہونے کا یہی درست انداز ہے۔ کیونکہ اسکی یہہ ہے کہ فی الفور معلوم ہو جائے کہ اون کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ وہ ہم کو مکان کی طرف لیگئے۔ مکان لمبا اور بلندی میں درمیانہ تہا۔ کتب خانہ اوس کے سب سے بڑے کمرہ میں تہا۔ جس کو اوس کے مرحوم مالک نے بڑی احتیاط اور محنت سے جمع کیا تہا۔ اوس میں انگریزی اور فرانسیسی کتابوں کے بہت سے نایاب پہلا ایڈیشن تہے جن میں سے

[1] روہیلی حصار باسفرس کے تنگ ترین موقع پر واقع ہے۔ روایت ہے کہ کیخسرو شاہ ایران اسی موقع پر باسفرس کو عبور کر کے یورپ میں داخل ہوا تہا۔ قلعہ مذکور محمدؒ فاتح نے عین محاصرہ قسطنطنیہ سے پہلے تعمیر کروایا تہا۔ اس کی چار دیواری اس طرح سے بنائی گئی ہے کہ اوس سے عربی خط میں بانی کا نام (یعنی محمد) بن گیا ہے ہر م کی جگہ برج بنا ہوا ہے۔ اور کل عمارت ایسی خوبصورت اور دلفریب ہے کہ الفاظ اوس کی تعریف سے قاصر ہیں۔ مصنف۔

اکثر پرانی مستند کتابیں تہیں۔ ان کے علاوہ متعدد گریمریں (قواعد) اور ڈکشنریاں (لغاتیں) اور چند بے نظیر قلمی نسخے بہی تہے۔ خوبصورت ظروف چینی، مینا کار کھپریلیں اور بہت سی دیگر عجائبات بہی کمرہ میں اودہر اودہر رکہے ہوئے تہے۔ یہ سب چیزیں فروختنی تہیں۔ نوکروں نے ذکر کیا کہ ایک امریکن نے کل مجموعہ کے لئے بہت بڑی رقم پیش کی تہی۔ مگر وارثوں نے اوسے منظور نہ کیا اور ایسا اچہا موقعہ ہاتہ سے کہو دیا۔ ہمارے چلے آنے سے بہی کئی مہینے بعد تک نیلام جاری رہا۔ اور تہوڑی تہوڑی کتابیں کرکے بیچی جاتی رہیں۔ اور جب عرصہ دراز کے بعد کل مجموعہ فروخت ہوا۔ تو سارا زرِ ثمن امریکن کی پیش کردہ رقم سے بہت کم نکلا۔ ہمارے بیٹے نے بہی ایک نایاب کتاب بہت ہی سستے داموں پر خریدی۔ مگر اس قصہ کو یہیں چہوڑ کر ہم بروصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اوس دن ہم نے صرف ایک اور مسجد یعنی بایزید اول کی مسجد اور مقبرہ دیکہا۔ یہہ دونوں عمارتیں ایک ٹیلہ پر باقی سب عمارتوں سے علیحدہ یکہ و تنہا حالت کس مپرسی میں کہڑی ہیں۔ بایزید یلدرم (صاعقہ و برق)، فاتح یونان، سرویا، والیشیا و فاتحِ عظیم و سیحات ایشیا، تیمور شاہ مغلاں سے شکست کہانے اور اوسکے ہاتہ اسیر ہونے سے بعد یہیں دفن ہوا تہا۔ کہا جاتا ہے کہ تیمور تقریباً آٹہہ مہینوں تک بایزید کو ساتہہ ساتہہ لئے پہرتا رہا حتی کہ وہ دلی رنج و اندوہ سے فوت ہوگیا اور اوسکی لاش بروصہ کو بہیجدی گئی۔ عثمانیہ فرمانرواؤں میں سب سے اول بایزید نے ہی سلطان کا لقب اختیار کیا تہا۔

اس مسجد و مقبرہ کے معاینہ کیوقت تک گرمی تیز ہونے ہوتے ناقابل برداشت ہوگئی تہی۔ صادق نے مسقف بازاروں میں پناہ چل لینے کا مشورہ دیا۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور وہاں کوتاہیہ[1] کے ظروف گلی کے چند دلفریب نمونے معاینہ کئے۔ ان برتنوں کا رنگ و روغن نہایت ہی خوبصورت ہوتا ہے اور دیکہہ کر طبیعت بے اختیار للچا جاتی ہے۔ مگر ساتہہ ہی وہ اس قدر نازک ہوتے ہیں کہ ہم نے زیادہ خریدنے مناسب نہ سمجہے۔ میں نے جو ایک خوبصورت گلدان خریدا تہا۔ وہ ہوٹل تک پہونچنے سے پہلے ہی چور چور ہوگیا ہم نے بروصہ کے ریشمی کپڑے اور تولئے خریدے۔ وہاں کے تولئے بہترین ترکی تولئے شمار ہوتے ہیں۔ صادق نے بہی اپنے ساتہی یاوروں اور دیگر دوستوں کے لئے بہت سے چہوٹے چہوٹے تحفہ تحائف خریدے۔ دوپہر کے کہانے کے بعد اس کے سوائے کوئی چارہ نہ تہا کہ سورج کی حدت کم ہونے تک

---

[1] ایشیا کوچک کا مشہور شہر۔ مترجم

ہلکی سے ہلکی پوشاک پہنوا اپنے اپنے کمروں میں آرام کرتے رہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے پر ہم گاڑیسی میں سوار ہوکر ویسیانی نصب کے بالائی حصہ کو گئے اور قلعہ کے گرداگرد چکر کاٹ کر اوس طویل چبوترہ پر پہونچ گئے۔ جسے وافق پاشا نے بنوایا تہا۔ وہاں سے متعدد و دلفریب نظارے ہوتے ہیں پائین میں شہر بلند شہنشاہ مراد و دیگر بیشمار اقسام کے درختوں کی سبزی سے گہرا ہوا دائیں بائیں پھیلتا چلا گیا ہے۔ اور شہر سے پرے برصہ کی زرخیز وادی دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

عثمان اور اوسکے فرزند ارخاں فاتح برصہ کے مقبرے اس چبوترے کے عقب میں ہیں۔ وافق پاشا نے اونکی بہی مرمت کرائی تہی۔ وہ چند سیاہ پتھر والے سفید سنگ مرمر کے ہیں اور اندر سے استنبول کے مقبروں کی طرح خوبصورت شالوں اور قالینوں سے آراستہ ہیں۔ عثمان کی دستار میں جو اوسکی قبر کے سرہانے آویزاں ہے طبقہ عثمانیہ کا جسے ۱۸۶۲ء میں عبدالعزیز مرحوم نے قایم کیا تہا مرصع بالماس تمغہ لگا ہوا ہے اور تمغہ کے ساتہ طبقہ مذکور کی اعلیٰ حمایل مع ستارہ جو بڑے بڑے ہیروں سے بنا ہوا ہے لٹک رہی ہے۔ گو مقبرہ میں ہر وقت ایک چوکیدار موجود رہتا ہے۔ رات کو یہہ نشان و حمایل بغرض حفاظت ایک مضبوط حجرہ میں جو زمین میں ہے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ان آرائشوں کا معاینہ کرتے ہوئے ہم نے صادق کو دیکہا کہ وہ چند قدم پرے ہٹ کر موءدبانہ وضع سے کہڑا ہوگیا اور اپنے سلطان عظیم کی قبر کے پاس جو پہلا عثمانیہ خلیفہ[۱] تہا کہڑا ہو کر دعا مانگتا رہا۔ بعد ازاں ہم مراد ثانی کے مقبرہ کو گئے۔ یہہ سیدہی سادی گنبددار عمارت ہے اور اوس میں وہ سلطان خواب عدم میں لیٹا ہوا ہے جس نے کئی خونخوار معرکوں میں ہنگری اور البانیا کے جرنیلان اعظم ہنیادی اور سکندربیگ کو شکستیں دی تہیں اور پہر تخت چہوڑ کر صوبہ میگنیشیا میں چلا گیا تہا۔ جہاں[۲] اوسکی باقی عمر عیش و عشرت میں بسر ہوئی۔ تاہم مرتے وقت اوس نے غریب آدمی کی طرح معمولی کچی قبر میں دفن

---

[۱] یہہ غلط ہے عثمان ابوالسلاطین اور بانی خاندان عثمانیہ تہے۔ مگر خلیفہ نہ تہے۔ اول عثمانی خلیفہ سلطان سلیم اول ہوا ہے۔ زیادہ توضیح کے لئے دیکہو تاریخ خاندان عثمانیہ۔ مترجم

[۲] مراد ثانی کا بحالت عزلت نشینی فوت ہونا درست نہیں۔ اوس نے دو دفعہ بیشک تاج و تخت کو تیاگ کر اپنے فرزند محمد فاتح کو بادشاہ بنا دیا تہا۔ مگر دونوں مرتبہ شاہزادہ کی صغر سنی سے مجبور ہو کر اوسے عنان سلطنت پہر اپنے ہاتہ میں لینی پڑی۔ اور وفات کے وقت تک برابر حکمران رہا۔ مترجم

کئے جانے کی وصیت کی جس کی تعمیل کیگئی۔ مگر پہر بہی قبر کی ہیڈ کے گرداگرد سنگ مرمر لگا دیا گیا۔ اور تاکہ اوس پر بارش اور اور دہوپ پڑتی رہے۔ گنبد کو بیچ سے کہلا چہوڑ دیا گیا۔ یہہ مقبرہ نہایت ہی پُرفضا موقع پر شہر کے شور و شغب سے بالکل علیحدہ ہے "قبور سلاطین" چار دیواری سے گہری ہوئی ہیں۔ ان کے گرداگرد گلاب کے چمن ہیں۔ اور شمشاد کے اتنے اتنے بڑے درخت اور ایسے سایہ ڈالے ہوئے ہیں کہ انگلستان میں اُنکی برابر ہم نے شمشاد کا کوئی درخت نہیں دیکہا۔ یہہ قبریں تعداد میں آٹھہ یا دس ہیں اور معمولی اینٹوں یا پتھر کی ہیں۔ لیکن بعض میں ایرانی دستکاری کی خوشنما کہپریلیں بہی لگی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک مراد ثانی کی عیسائی بیوی کی قبر ہے۔ وہ سرویا کی شاہزادی تہی اور سلاطین کی عیسائی حرموں میں سے ایک وہی ایسی تہی جو اپنا آبائی مذہب ترک کر کے مسلمان نہیں ہوئی تہی۔ بیتہور و کسلانا (روشنک یا خورم) نے جسکی قبر ہم نے قسطنطنیہ میں دیکہی تہی۔ ابتدا میں ہی اپنا مذہب (کلیسیا یونانی) ترک کر دیا تہا۔ قبور سلاطین کی چار دیواری میں کئی قبریں شعرا۔ فلاسفروں اور درویشوں کی ہیں۔ جو ابتدائی سلاطین کے درباروں میں بمقام برصہ جمع رہتے تہے شفق کے نمودار ہونے تک ہم اس خاموش اور پرتاثیر قبرستان میں ٹہہرے رہے پہر ہوٹل واپس جا کر کہانے سے فراغت پانیکے بعد باغ میں جا بیٹہے۔ اور صادق تک ہمارے پاس بیٹہا ہوا نارگیلہ پیتا رہا "اوس کے ملجانے پر سگرٹ یا چرٹ کا نام نہیں لیتا تہا۔

دوسری دن علی الصباح انگریزی قونصل ہماری ملاقات کو ہوٹل میں آیا اور ہمارے ساتہہ بازار میں گیا جہاں صبح کا سارا پہر ہم نے خرید فروخت میں صرف کیا۔ صادق اس معاملہ میں بہت ہوشیار ثابت ہوا۔ وہ دوکاندار کو پہلے اوس کے مذہب کی قسم دیکر دریافت کرتا کہ اوس نے فلاں چیز کتنے کو خرید کی تہی۔ پہر جیسا مناسب سمجہتا پانچ یا دس فیصدی اوس پر منافع بڑہا دیتا۔ اوسکی امداد سے ہم نے دو فی الواقع نہایت ہی شاندار قالین دو باریک کام کے چاندی کے خرپزے (جو تقریبًا دو سو برس کے پرانے ہیں اور جنکی نسبت خیال کیا گیا ہے کہ جس شخص کے قبضہ میں ہوں۔ اوسکی دولت و حشمت میں ترقی ہوتی رہتی ہے) دو الماسی مینا کار پنیں (کالر یا ٹائی کو لگانے کی سوئیاں) ایک نہایت خوبصورت ایرانی مینا کار طلائی تشتری قہوہ کی پیالی کے لئے۔ کچہہ مزید ابریشمی کپڑا۔ اور کئی دیگر چیزیں خریدیں۔ برصہ کا ریشمی کپڑا جو نہایت نرم اور ہلکا ہوتا ہے بلاد مشرق میں بہت

مشہور ہے۔ ہم نے کئی خوبصورت یونانی لڑکیوں کو جو ریشمی کیڑے پالتی ہیں بڑے بڑے ٹوکرے کوئیوں سے بھر کر کاتنے کے کارخانوں کو لیجاتے دیکھا۔ ان کیڑوں کی پرورش اور ریشم کے بنانیکا کام بالکل یونانیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جب ہم بروصہ میں تھے تو ان دنوں حساب اوسط ایک لاکھ کوئیے یونیہ اور گرد کے دیہات سے بروصہ لائے جاتے تھے۔ شکر گاہ میں ہم نے عورتوں کو یہ کوئیے بازار بھیجنے کے لئے کاتتے بھی دیکھا۔ وہ سب دھاری دار ریشمی کاچ جس سے قابل جیبوں کی قمیصیں بنائی جاتی ہیں بروصہ میں ہی بنتی ہے۔

سہ پہر کو ہم ہمراہ قونصل کے ہمراہ سیر کو نکلے اور پہلے سلطان مراد اول کی مسجد کو گئے وہ موضع شکر گاہ[1] کی سڑک پر ہے۔ یہ مسجد صرف اس لحاظ سے قابل دید ہے کہ مسجد کی بجائے وہ زیادہ تر عیسائی راہب خانہ کے مشابہ ہے۔ سوفتاؤں یعنی مذہبی طلبا کے حجرے مسجد کا جزو ہیں اور حسب معمول صحن سے جدا نہیں کئے ہوئے۔ بنابریں طلبا اپنے حجروں میں ہی بیٹھے جمعہ کی نماز میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اس سلطان کے مقبرہ میں ہم نے بہت بڑی سی دیگ دیکھی۔ وہ ہر وقت غلہ سے پر رہتی ہے۔ اور یہ غلہ لوگو نکے پاس فروخت کیا جاتا ہے۔ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تخم کے ساتھ اگر اس دیگ کے غلہ سے چند دانے ملا دیے جائیں تو فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس مسجد کے برآمدہ سے علاقہ کا اچھا نظارہ ہوتا ہے اس میں سنگ مرمر کا ایک فوارہ ہے جسکی ایک ٹونٹی سے سرد اور دوسری سے گرم پانی اسی طرح سے ایک سو سرد ایک سو گرم پانی نکلتا ہے۔ قدرتاً کوئی ایسے چشمے معلوم تھے جن میں سرد اور گرم پانی بالکل قریب قریب ہوتے تھے۔ ایک ایسا چشمہ ترائی میں بھی تھا۔ مگر اب اوس کا نام و نشان تک معدوم ہو گیا ہے۔ صادق بک نے ذکر کیا کہ پچھلے برس میری بیوی حمام کرنیکے لئے شکر گاہ آئی تھی۔ اوسکی ماں ساتھ تھی جو اس چشمہ کو دیکھ کر سخت حیران ہوتی تھی۔ سہ پہر سے ہم آہن اور گندھک کے مشہور چشموں کو دیکھنے کے لئے موضع شکر گاہ کو گئے۔ اور وہاں کی ایک سرائے کی سیر کی گرمی کے مہینوں میں وہاں کی سرائیں وجع مفاصل اور دیگر اعصابی بیماریوں کے مریضوں سے پر ہوجاتی ہیں۔ ان میں نلوں کے ذریعہ سے ان چشموں کا پانی لایا جاتا ہے۔ یہ پانی ایک طرح سے خالص گندھک اور آہن ہوتا ہے بعض چشموں کے پانی فہرن ہائیٹ تھرمامیٹر کے پیمانہ کے مطابق ۱۷۸ درجہ کی گرمی رکھتے ہیں۔ غالباً شکر گاہ ہی وہ جگہ ہے جہاں قیصر جسٹینین نے

[1] شکر ترکی میں ٹڈی کو کہتے ہیں اور گاہ بمعنی موضع۔

محل اور حمام بنوایا تھا اور قیصرہ تھیوڈورا چار ہزار آدمیوں کے جلوس سے اس حمام اور محل کو گئی تھی۔

ہم نے سب سے مشہور حمام کی سیر کی یہ تقریبًا ۴۰۵ برس ہوئے سلطان سلیمان عظیم الشان کے عہد میں تعمیر ہوا تھا جنمیں مردانہ حماموں میں اور بعض زنانہ ہیں گئی۔ کل عمارت پر نہایت ہی خوبصورت وسبک طرز اور شوخ ترین رنگ کی مینا کاری ہے۔ بیرونی کمرہ میں بدیع الجمال ترکی خاتونیں غسل کے بعد رنگ برنگ کے نہایت ہی شاندار ریشمی اور سنہری روپہلی پوشاکیں پہنے دیوانوں پر بیٹھی ہوئی ایک دوسری سے باتیں کر رہی اور ساتھ ہی سگریٹ پی رہی اور قہوہ کی چسکیاں لگا رہی تہیں۔ دوسرے کمرہ میں کئی خاتونیں جو ابھی گرم حمام سے باہر نکلی تہیں۔ برہنہ تن باچشمہائے نیم باز استراحت کر رہی تہیں۔ اس کمرہ اور خاص حمام کے کمرہ میں اس قدر گرمی تہی کہ میں چند لمحوں سے زیادہ وہاں نہ ٹہہر سکی۔ حمام کے کمرہ میں بہت بڑا حوض ہے۔ جس پر اونچا گنبد بنا ہوا ہے۔ اوس کے گرم پانی میں عورتیں ادہر اودہر تیرتی پھرتی تہیں۔ اور اونکی بڑی بڑی سیاہ آنکہیں اونکے جسموں کی چندھیا دینے والی سفیدی کے مقابلہ پر عجیب سحر بخش کیفیت دکہا رہی تہیں۔ حماموں کے پائیں میں اوس جگہ جہاں کہ پانی گرتا ہے ہم نے لوہے کا اتنا بڑا انبار دیکہا کہ خاصی چہوٹی سی پہاڑی معلوم ہوتا تہا۔ حمام سے نکلکر ہم گاڑی میں اوس سڑک پر چڑھ گئی جسے پہاڑی کے ڈہلاؤ پر وافق پاشا نے بنوایا تہا۔ اوس سڑک سے دلفریب نظارے ہوتے ہیں۔ ہم تقریبًا عین مغرب کے رخ جاکر آخر موضع انکا آیا پہونچ گئے وہاں سے جبل الوبنیا کا جو موضع مذکور سے بہت نشیب میں ہے اور نیز جنگل کا جو چاروں طرف کئی میلوں تک چلا گیا ہے عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ انکا آیا میں شمشاد کا ایک درخت ہے جو پانچ آدمیوں کے گہیرے میں نہیں آتا۔ ہم کچھ دیر اوسکے نیچے بیٹھکر شہوت کہاتے رہے جو گاؤں کے لڑکے ہمارے لئے لے آئے تہے۔ یہاں تک میرا خاوند صرف صادق بک کے ساتھہ اکیلا گاڑی پر گیا تہا۔ اوسنے بعد میں مجھہ سے ذکر کیا کہ صادق بک کے ساتھہ اوسکی اسلام اور عیسویت پر عجیب دلچسپ گفتگو ہوئی تہی جس سے معلوم ہو گیا تہا کہ صادق قرآن شریف اور اپنے مذہب کے احکام سے پوری پوری واقفیت اور خبر رکہتا ہے اور اپنے پیغمبر کا جان نثار معتقد ہے۔ مگر اسکے ساتھہ ہی تعصب کا نام نہیں جانتا۔

واپسی کے وقت بہی عمدہ تفریح ہوئی۔ پہلے ہم قونصل کے مکان پر گئے۔ وہاں اوس نے کوتاہیے ظروف گلی کا بہت سا ذخیرہ جمع کر رکہا تہا۔ اوس جگہ ہم نے اوس قواص سے جو قونصل کے ساتھہ

بلکہ نوجوان انگریز بہی مسٹر میکبلن کی تلاش کرتا رہا تہا بات یہ تہی کہ مسٹر میکبلن کوہ اولمپس پر گم ہوا تہا
اس واقعہ کے حالات اکثر لوگوں کو ابہی تک یاد ہونگے مختصر کیفیت یہہ ہے کہ مسٹر میکبلن اور
انگریزی سفارت کا مسٹر ہارڈنگ ملکر پہاڑ پر چڑہے تہے۔ مگر تقریبًا ایک گہنٹہ بعد چوٹی تک پہونچنے
سے پہلے ہی دونوں جدا ہوگئے۔ کیونکہ مسٹر ہارڈنگ زیادہ چست و چالاک ہونیکی وجہ سے مسٹر میکبلن کی
نسبت زیادہ جلد چڑہ سکتا تہا۔ اوسوقت سے بعد پہر میکبلن کا پتہ نہیں ملا۔ قونصل اور قواص دونوں کی
رائے تہی کہ اوسے وحشی البانوی گڈریوں نے جو پہاڑ کی چوٹیوں اور مرغزاروں پر اپنے ریوڑ چرایا کرتے
ہیں قتل کردیا اور جب ترکی گورنمنٹ نے تلاش شروع کی تو نشان معدوم کرنیکے لئے اوس کی لاش کو
جلادیا۔ کل جستجو سے صرف ایک ذرا سا نشان ملا تہا۔ قواص نے بتایا کہ ایک جگہ مجہے بہت سے قدموں کے
کہوج دکہائی دئیے جن سے ایسا معلوم ہوتا تہا کہ چند آدمیوں میں یہاں دھینگا مشتی ہوئی ہے۔
اوس جگہ کو کہودنے سے مجہے چند انگریزی سکے دستیاب ہوئے۔ مگر جرم گڈریوں پر ثابت نہ ہوسکا۔ اب
آئندہ کیلئے لوگوں کو سوچ سمجہہ کر کوہ اولمپس پر چڑہنا چاہئے۔ ترکی گورنمنٹ محافظت کے لئے کوئی
آدمی ساتہہ نہیں دیتی۔ مسٹر ہارڈنگ اور میکبلن کے ساتہہ کوئی راہبر بہی نہ تہا۔ دوسری صبح ہم
بروصہ سے ریل پر روانہ ہوگئے۔ ایک بلا چہت کی کہلی گاڑی ریزرو کرالیگئی تہی۔ اوس پر پرتکلف
کرسیاں بچہی ہوئی تہیں اور اوپر سائبان پڑا ہوا تہا جس سے ہماری نظر چاروں طرف کام کرسکتی
تہی۔ راستہ بڑی عمدگی سے طے ہوا۔ کہیت لہلہا رہے تہے اور دہقانوں کی جہونپڑیاں جابجا بنی ہوئی
تہیں مودانیا کی طرف کی اترائی کے وقت راستہ زیتون۔ انجیر۔ انگور۔ اخروٹ۔ شاہ بلوط۔ اور سفید
شہتوت کے درختوں کے بیشمار جہنڈوں میں سے گذرتا تہا۔ شہتوت کے درخت ریشمی کیڑوں کی پرورش
کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ قونصل اور ریلوے لائن کا انجینیر مودانیا تک ہمارے ساتہہ آئے۔ وہاں
انگریزی سفارت کا حفاظتی جہاز ہمارے انتظار میں کہڑا تہا۔ جہاز کا کپتان ہیگن معہ بیگم جہاز پر موجود تہا
اور ٹہیٹہ انگریزی طرز کا ناشتہ ہمارے لئے تیار کیا گیا ہوا تہا۔ اس ناشتہ سے صادق بہت محظوظ ہوا۔
انگریزی جنگی جہاز کے دیکہنے سے بہی اوسے بڑی خوشی ہوئی۔ واپسی کا بحری سفر بہی عمدگی
سے طے ہوا۔ جہاز گولڈن ہارن کے دہانہ کے قریب لنگر انداز ہوا۔ اور صادق بک وہیں سے
سلطان اعظم کو ہماری واپسی اور اس امر کی اطلاع کرنے کے لئے کہ ہم اس سیاحت سے کمال

محظوظ ہوئیں، اور نیز ہماری طرف سے شکریہ عرض کرنے کیلئے سیدہ محل ہمایون کو روانہ ہو گیا۔

۱۴۔ امام حسن و حسین

دنیا میں بعض ایسی چیزیں ہیں کہ دیکھنے سے پہلے تو خیر وہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہی ہیں مگر دیکھ لینے کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں۔ یہ امر ہم پر قدیم زمانہ کی افسانہ نما روایتوں سے ہی نہیں بلکہ تاریخ سے بھی واضح ہے کہ بعض اوقات مذہبی خبط ایک قسم کی مجنونانہ وارفتگی ہو جاتا ہے اور چشم دید معتبر مشاہدوں کے بیان موجود ہیں کہ انہوں نے لوگوں کو مذہبی دیوانگی کے جوش میں اپنے جسموں کو خوفناک اذیتیں اور ضربیں پہونچاتے اور دوسروں پر مظالم ناگفتہ توڑتے دیکھا ہے مگر بسا اوقات ان تذکروں کی پوری ماہیت پر غور کرنیکے بغیر ہم سرسری نظر سے انہیں عبور کر جاتے ہیں اور دل میں خیال کر لیتے ہیں کہ وحشت کا جبلی خاصہ ہی یہی ہے۔ اور اگر وہ تذکرے نسبتاً زیادہ مہذب اقوام کے متعلق ہوں تو یہ قیاس کر لیتے ہیں کہ ایسی حرکات بدمستی اور شراب کے نشہ کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں مگر قسطنطنیہ کے موجودہ باشندوں کو کوئی شخص وحشی نہیں پکار سکتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نشہ آور چیزوں کا ہماری نسبت وہاں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ تاہم امامین حسن و حسین کے ماتم کے دنوں میں جو کچھ ہم نے وہاں مشاہدہ کیا اور جو ہر سال محرم کے پہلے دس دنوں میں وہاں ہر ایک شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اس پر اعتبار کرنا ایسا مشکل ہے کہ انسان اوسکی کیفیت بیان کرنیکی جرات نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بتا دینا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ترکوں کا اس عجیب غریب طریق اظہار رنج و ماتم میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں لیکن سلطان المعظم اس خیال سے کہ متعصب گنے جائیں اس طریقہ کو بند کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ کام زیادہ تر ایرانیوں کا ہے۔

قسطنطنیہ کے ایرانی باشندوں نے ترکی حکومت میں ایک طرح کی خود اپنی حکومت قایم کر رکھی ہے اور وہ ہر سال ان مذہبی مظالم کو مشاہدہ کرنیکے استحقاق سے ہرگز دست بردار نہیں ہونا چاہتے۔ ہمیں اس ماتم کو دیکھنے کے لئے ایرانی سفیر نے مدعو کیا تھا چنانچہ ہم شام کے قریب ایک بڑی خان میں جو مربع شکل کی اور چاروں طرف سے دوکانوں اور مکانات سے گھری ہوئی ہے جا پہونچے۔ وہ خلقت سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اوسکے صحن میں درخت بھی موجود ہیں۔ تاریکی پڑنے پر مکانات

میں چراغاں کیگئی اور سرا میں بڑی بڑی مشعلیں روشن کیگئیں جن پر زیادہ تر مٹی کا تیل ڈالا جاتا تہا۔ مٹی کے تیل۔ دہوئیں۔ موریوں اور انسان کے جسموں اور پسینوں کی بو سے کہلے میدان میں بہی ٹھیرنا سخت مشکل ہو رہا تہا۔ تہوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد باجے کی آواز سنائی دی اور لوگوں نے ایک بڑے جلوس کیلئے راستہ کردیا۔ اس میں ایک ہزار سے زیادہ مرد اور لڑکے تہے جلوس کے آگے آگے سفید پوش اطفال تہے جن میں سے بعض گہوڑوں پر سوار تہے اور بڑی عمر کے مرد پیچہے بیٹھے اون کو تہامے ہوئے تہے۔ یہہ سب کے سب چیختے چلاتے۔ اور روتے دہوتے طرح طرح کی حرکتیں کرتے جاتے تہے۔ اس جلوس کے بعد تین اور جماعتیں گذریں سب کی قمیضیں سفید رنگ کی تہیں۔ بعض کے ہاتہ میں تلواریں اور دوسروں کے پاس لوہے کی بہاری بہاری زنجیریں تہیں۔ کل سر کے ساتہ باری باری یا حسین یا حسین پکارے جاتے تہے۔ پہلی جماعت یا حلقہ والے اپنی برہنہ چہاتیوں کو پہلے دائیں اور پہر بائیں ہاتہ سے پیٹ رہے تہے۔ دوسری جماعت اپنی زنجیروں کو ایک طرف سے دوسری طرف ہلاتی ہوئی اس طرح سے موزوں حرکت کرتی ہوئی گذری جس طرح ہمارے ہاں ناچ میں ہوتی ہے۔ تیسری جماعت دو لمبی قطاروں میں تہی جو ایک دوسرے کے بالمقابل پہلو کی طرف بڑہ رہی تہیں۔ ہر ایک شخص کا بایاں ہاتہ اپنے ہمسایہ کے کمر بند میں ڈالا ہوا تہا اور دائیں ہاتہ سے سب کے سب ایک ساتہ تلواریں ہلا رہے تہے۔ ان دونوں قطاروں کے بیچ میں بہت سے آدمی تہے جو امام حسن حسین کی داستان پڑہتے جاتے تہے۔ یہہ کل جلوس آہستہ آہستہ خان کی صحن کے گرداگرد چکر لگاکر پہر اوسی دروازہ سے جس سے داخل ہوا تہا باہر نکل گیا۔

ہم حیران ہو رہے تہے کہ جلوس میں تو کوئی ایسی بات نہیں دیکہی گئی جس سے کچہ خوف معلوم ہو پہر ہمیں کیوں کہا گیا تہا کہ یہاں صرف مضبوط دل کے آدمیوں کو آنا چاہئے۔ جلوس یہاں سے نکلکر جب تک کسی دوسرے خان کا چکر لگاتا رہا ہم نے نہایت ہی مفرح چاء سے اپنی تہکن تازہ دم کر لیا۔ تہوڑی دیر بعد پہر باجے کی آواز سنائی دی۔ اس مرتبہ وہ زیادہ بلند اور پرجوش تہی۔ اور جو لوگ صحن میں موجود تہے اون کے چہروں پر بہی جوں جوں جلوس خان کے قریب پہونچتا گیا سخت تحریک اور ہیجان کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے گئے۔ جلوس پہر سرا میں داخل ہوگیا۔ مٹی کے تیل کی مشعلیں آگے آگے روشن تہیں مشعلوں کے بعد بدستور سابق خورد سال لڑکے تہے۔ اون کے پیچہے ایک سفید گہوڑے پر دو فاختہ تہیں جن سے امام حسن حسین کی روحیں مراد تہیں۔ ہائے۔ وائے اور حسن حسین کے نعرے پہلے سے زیادہ بلند

ہوتے گئے۔ اور کئی تماشائی بھی ان نعروں میں شریک ہوگئے۔ پہلا حلقہ اس دفعہ اپنے برہنہ سینوں
کو ایسی باقاعدگی اور اس زور سے پیٹتا ہوا گذرا کہ یہی معلوم ہوتا تھا جیسے بڑے بڑے ہتھوڑے سخت پتھر کے
چٹانوں پر گر رہے ہیں۔ دوسری جماعت زنجیروں کو سروں پر سے اپنی پیٹھوں پر جو اب ننگی تھیں۔
ایسی بیدردی سے مارتی ہوئی گذری کہ گوشت پھٹ گیا تھا اور خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ سب سے
آخر تلواروں والے آئے۔ وہ اپنے تمام جسم بالخصوص سروں پر سچ مچ تلواروں کے ضرب لگا رہے تھے
خون ان کے بدن سے چاروں طرف اڑ رہا تھا۔ چنانچہ تماشائیوں کو ان چھینٹوں سے بچنے کے لئے
کسی قدر پیچھے ہو جانا پڑا۔ اس حلقہ والوں کی سفید قمیصیں چشم زدن میں لہولہان ہوگئیں۔ سر بعینہ سرخ ترکی
ٹوپی کے مشابہ ہوگئے۔ اور فرش پر بھی خون جاری ہوگیا۔ مگر وہ بعالم خود رفتگی اس طرح بڑھتے جا رہے تھے
جیسے پر بدیر فوج [illegible] تعجب ہے بیہوش ہو کر بہت کم آدمی گرے۔ ایک ماتم کنندہ عین ہماری آنکھوں کے
سامنے مردہ ہو کر گرا۔ آخر کار ایک طرح کی پولیس آگے بڑھی۔ سپاہیوں نے اپنے اپنے سونٹے ماتم کنندگان کے سروں
کے اوپر پھیلا دیئے تا کہ ضربیں سونٹوں پر پڑیں اور کھوپڑیوں کا قیمہ ہو کر وہ مر ہی نہ جائیں۔ کبھی تشدد
کو ہی نہیں کیا جا رہا تھا۔ اور بدمستی و خمار کے آثار مطلقاً نہیں پائے جاتے تھے۔ خلقت کا بے حد ہجوم تھا
مگر بے ترتیبی کا نام نہیں تھا۔ ہم نے کئی معمر کرخت مردوں کو چلاتے سخت اندوہ بھرے آنسو بہاتے
اور آہ بھر کر امام حسن اور حسین کے نام پکارتے سنا۔ یہ سب لوگ جہاں تک کہ ان کی ظاہری شکل شباہت سے
قیاس ہو سکتا تھا۔ ادنیٰ یا ادنیٰ ترین جماعتوں کے لوگ تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے اگر کسی سے رونے چلانے
کا سبب پوچھا جاتا۔ تو غالباً وہ "آہ حسن، آہ حسین" کے سوا اور کوئی جواب نہ دے سکتا۔ یہ درست ہے کہ
اس جلوس میں چند ایسے بھی تھے جو امام حسن و حسین کے واقعات سے بہت واقف ہوتے تھے مگر ان کی طرح کوئی شخص ہو مجھے معلوم نہ تھا۔ بلکہ یہ حسن
حسین کے نعروں میں جو باقاعدگی کے ساتھ باری باری پکارے جا رہے تھے قصہ خوانوں کی آواز سنائی ہی نہیں دے سکتی تھی
کچھ عرصہ کے بعد گرمی اور مختلف بخارات کی بدبوئیں ناقابل برداشت ہوگئیں۔ ہمیں اندیشہ تھا کہ انسانوں کے
اس بحر متلاطم سے جو سب کے سب وحشیوں کی طرح حرکتیں کر رہے تھے اور عجیب خونخوار دکھائی دے رہے تھے
گذر کر سرائے سے باہر جانا محال ہوگا۔ راستے بہت تنگ تھے اور ہماری پارٹی میں کئی لیڈیاں بھی تھیں مگر
جونہی لوگوں کی نظر محل سلطانی کے یاور پر جو ہمارے ساتھ تھا پڑتی تو وہ خود بخود ہمارے لئے راستہ کر دیتے
لندن میں ہزاروں پولیس والے بھی اس قدر جلد راستہ صاف نہ کرا سکتے جیسی جلدی ہمارے یاور اور چند

قواصوں نے کرادیا۔ جب ہم نے اس ہجوم کی باسلیقگی کی ایک ترکی دوست سے تعریف کی تو اوس نے مسکرا کر کہا "بات یہہ ہے کہ ہمارے اژدحاموں میں عورتیں نہیں ہوتیں" ہم اہالیان مغرب کو جو دقتیں درپیش آتی ہیں۔ اُن کے زیادہ حصہ کا باعث ایشیائیوں کے نزدیک عورتوں کی موجودگی ہے اور وہ اپنی یہہ رائے بڑے وثوق کے ساتھہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب تک ہم بھی عورتوں کو پردہ میں بند نہ کرینگے ہماری حالت کبھی درست نہ ہوگی۔

اِس موقع پر اکثر ناظرین سوال کرینگے کہ یہہ سینکڑوں ہزاروں آدمی کس لئے آنسو بہا رہے تھے اور حسین حسین پکار رہے تھے۔ اِسکے متعلق تاریخ ہمیں یہہ بتاتی ہے کہ پنجم خلیفہ امام حسن فرزند فاطمہ (زہرا) و حضرت علی خلیفہ چہارم نے صرف چہہ ماہ خلافت کی۔ اور غالبًا بیوی کے زہر دینے سے فوت ہوگئے۔ اور امام حسین کربلا کی لڑائی میں عبید اللہ کی شامی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے ۶۸۰ء میں شہید ہوئے سینکڑوں بادشاہ اور شاہزادے بعینہ ویسے حالات کی موجودگی میں اس عالم سے رخصت ہوئے ہیں۔ مگر اب ان کے نام تک دنیا کو یاد نہیں اور کوئی شخص اُن پر آنسو نہیں بہاتا۔ امام حسن حسین پر اِن آنسوؤں کے بہانے کی اصل وجہ بہت گہری ہے۔ اولاً یہہ وجہ مذہبی ہے۔ باوجودیکہ حضرت سرور کائنات اپنی اُمت کو بار بار سناتے اور سمجھاتے رہے کہ میں بھی محض تم سا بشر ہوں۔ مجھہ میں اور تم میں بلحاظ بشریت کوئی فرق نہیں"۔ تھوڑا زمانہ گذرا تھا کہ لوگوں کا اونکی نسبت یہہ اعتقاد ہوگیا کہ خداوند کریم نے اون کو سب چیزوں سے پہلے جبکہ ابھی آسمان و زمین۔ نور و ظلمت۔ آفتاب و ماہتاب یا بہشت و دوزخ بھی موجود نہیں ہوئے تھے پیدا کیا تھا۔ آنحضرت کے وصال کے وقت اونکی اولاد میں سے فقط حضرت فاطمۃ الزہرا زوجہ حضرت علی و مادر امام حسن و حسین زندہ تھیں۔ خوش اعتقادوں نے نبی کریم کی رحلت کے بعد جلد ہی اِن چاروں کی پیدائش کو بھی ویسا ہی سمجھہ لیا جیسی کہ آنحضرت کی پیدائش سمجھی گئی تھی۔ بنابریں اونکا مقابلہ کرنا یا دشمنی سے کسی کو قتل کرنا سخت گناہ کبیرہ شمار ہوتا تھا۔ اون کی رگ و پے میں حضرت کا خون تھا۔ اور اس مقدس خون کو بہانے سے بڑھکر کوئی سنگین جرم نہیں ہوسکتا تھا۔ یہہ ہے کنہ امام حسن و حسین سے مذہبی تعلق ہونے کی جو دونوں قتل کئے گئے تھے۔ حالانکہ اون کو حضرت سرور کائنات سے خاص قرابت تھی علاوہ بریں امامین کا واقعہ اس امر سے رقت انگیز بھی بہت ہوتا ہے کہ وہ دونوں بعالم جوانی شہید ہوئے۔ اور قومی شعرا اون کو بہت سے اوصاف کا جامع بتاتے ہیں

ایران میں مرثیہ خوانی کی مجلسیں ہوتی ہیں جو قسطنطنیہ کے طریق ماتم سے بہت مختلف ہیں۔

سر لوئیس پلی مرحوم نے کئی مرثیوں کا ترجمہ کیا تھا۔ ان مرثیوں میں امام حسن اور بالخصوص امام حسین کو قومی شہید اور ہیرو بنایا گیا ہے اور دنیا میں کوئی خوبی نہیں جو اونکی طرف منسوب کیگئی ہو۔ آخری لڑائی سے جس میں امام حسین شہید ہوئے ایک دن پہلے ہی فریق مخالف نے جب اون کو اطاعت مان لینے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے صاف انکار کردیا۔ رات کے وقت اونکی ہمشیرہ روتی ہوئی آئیں اور کہا۔ "افسوس ہمارا خاندان برباد ہوگیا۔ میری ماں فوت ہوچکی ہیں اور نیز میرا والد علی اور میرا بھائی حسن۔ وائے بربادی گذشتہ۔ اور وائے بربادی آئیندہ!" اس کے جواب میں امام حسین نے فرمایا "بہن خدا پر بھروسہ رکھو۔ اور یاد رکھو انسان مرنیکے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ زمین و آسمان بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے ہر ایک چیز سوائے خدا کی ذات پاک کے جس نے اپنی قدرت سے اون کو پیدا کیا اور اپنی قدرت سے اون کو معدوم کریگا صفحہ ہستی سے معدوم اور پھر اوسی کے پاس پلٹ جائیگی۔ میرا باپ میری ماں اور میرا بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ اون کے لئے اور ہمارے لئے اور نیز کل مسلمانوں کیلئے رسول اللہ کی نظیر موجود ہے" اس کے بعد امام ہمام نے اپنی سپاہیوں کو کہا۔ تم چلے جاؤ اور مجھ اکیلا چھوڑ دو۔ دشمنوں کو صرف میری ضرورت ہے۔ مگر اون سب نے انکار کردیا کہ ہم آپ کے ساتھ اپنی جانیں نثار کریں گے۔ اس پر امام گھوڑے پر سوار ہوگئے۔ قرآن شریف سامنے رکھ لیا۔ اور باواز بلند پکارا "اے الہ العالمین ہر مشکل میں تو ہی میرا بھروسا اور ہر مصیبت میں تو ہی میری امید ہے" حضرت کی ہمشیرہ اور لڑکی رونے لگ گئیں۔ لیکن امام کا حوصلہ و استقلال برابر مضبوط رہا۔ اسی وقت دشمن کے چند سوار ساتھیوں کو چھوڑ کر امام سے آملے۔ مگر پھر بھی امام کی فوج اعدا کی جمعیت کے مقابلہ پر کچھ حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ امام حسین کے سر کو زخم پہونچا اور وہ اپنے خیمہ کو واپس آگئے۔ خون کی دھار زخم سے جاری تھی۔ وہ زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے معصوم لڑکے کو گود میں لے لیا۔ وہ حضرت کی گود میں ہی تھا کہ تیر کے لگنے سے ملک بقا کو راہی ہوگیا۔ باپ نے اپنے بیٹے کی لاش کو زمین پر رکھ کر بلند آواز سے کہا "اے الہ العالمین مجھے ان مصیبتوں کو برداشت کرنیکی طاقت بخش!" پھر وہ پانی پینے کے لئے فرات کی طرف بڑھے۔ اعدا نے تیروں کی بوچھاڑ کی جن میں سے ایک سے دہن مبارک زخمی ہوگیا۔ امام کھڑے ہوکر دعا میں مشغول ہوگئے۔ خورد سال بھتیجا دوڑ کر چچا کو لپٹ گیا۔ اوس کا ایک ہاتھ تلوار سے کٹ گیا۔ امام یہ دیکھ کر رو دیے اور کہا "پیارے بچے اس کا اجر تجھے اپنے آبا و اجداد کے پاس بہشت میں ملیگا"۔ امام نے گو وہ سخت زخمی

اور خون کے بہنے سے بیہوش ہو رہے تھے۔ اعدا پر شیر کی طرح حملہ کیا۔ وہ جلد شہید ہو گئے اور انکی لاش دشمن کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندی گئی۔

مندرجہ بالا واقعات تاریخی لحاظ سے ٹھیک ہوں یا نہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر سٹیج پر انکی نقل اتاری جائے تو دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جائیں۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کے مشاہدے کے بغیر ہی جس سے کہ انسان کے دل پر براہ راست اثر پڑ سکتا ہے۔ ان سینکڑوں وحشت مزاج۔ اکھڑ اور وحشی خصال آدمیوں پر یہ خود رفتگی کس طرح اور کہاں سے پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے جسموں کو زدو کوب اور ضربات شمشیر سے زخمی کر کے قریب المرگ ہو جاتے ہیں۔ اور ادھر ہزارہا دوسری مخلوق بے اختیار رو رہی ہوتی ہے۔ لیکن خواہ اس معمہ کو ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں یہ نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود تھا۔ اور اکثر سفارتوں کے متعلقین اوس کے مشاہدہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جن میں سے بہت تھوڑے ایسے تھے۔ جو اپنی پوشاکوں پر خون کے دھبے نہ لے کر گھروں کو واپس گئے ہوں۔

ان متذکرہ بالا وجوہات کے علاوہ جو مذہب اور انسانی رقیق القلبی پر مبنی ہیں آنسوؤں کی بہی کم از کم اس بیہوشی کی ایک اور بھی وجہ ہے جو قومی اختلاف پہ نہ سہی پولیٹیکل امور پر ضرور مبنی ہے۔ وہ پولیٹیکل (سیاسی) اس لحاظ سے ہے کہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں سنی و شیعہ میں سے آخر الذکر آنحضرت کی اولاد و علی شوہر فاطمہ اور انکے فرزندان حسن حسین کو سوائے اور کسی کو جائز خلیفہ تسلیم نہیں کرتے ابوبکر۔ عمر اور عثمان انکی نگاہوں میں غاصب ہیں۔ اور اموی خلفا یعنی جانشینان معاویہ تو جس نے ۶۶۱ء میں امام حسن سے خلافت لی تھی بدرجہ اولی غضب کنندہ تھے۔ یہ عناد شیعہ اور سنیوں میں اب کے دم تک موجود ہے۔ اور ممکن ہے کہ کبھی اب بھی وہ معمولی ہنگاموں اور بلووں کے لئے ہی نہیں بلکہ اہم پولیٹیکل مشکلات و مصائب کے واسطے کافی بہانہ بن جائے۔

اس پولیٹیکل تفریق میں قومی اختلاف کا بھی کچھ دخل ہونا امکان میں داخل ہے کیونکہ شیعہ زیادہ تر ایرانی یعنی آریا نسل کے اور سنی عرب یعنی سامی نسل کے ہیں۔ عربوں کا خاصہ ہے کہ وہ رسم و رواج قواعد و قانون اور شرع کے پابند باضابطہ ہوتے ہیں۔ برعکس اسکے ایرانی آزاد منش۔ شاعرانہ مزاج اور فلسفیانہ طبیعت کے ہیں۔ عربوں نے گو ایرانیوں کو مغلوب کیا تھا۔ تاہم آخر الذکر عرصہ دراز تک دماغی تعلیم و

تربیت کے معاملہ میں اپنے فاتحین کے اُستاد اور معلم رہے تھے۔ قسطنطنیہ[1] میں شیعہ وسنی دوش بدوش اور بظاہر صلح و آشتی سے رہتے ہیں۔ مگر ایرانیوں کو رنجیدہ خاطر کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ ورنہ فی الفور بر سر فساد ہو جائیں اگر اون کو اِس قومی ماتم سے روکدیا جائے۔ تو گو باقی تمام دُنیا اِس وحشیانہ رسم کی موقوفی کو بہت پسند کرے لیکن وہ اسکو اپنی سخت دلآزاری سمجھیں۔ ہر ایک مشاہدہ کنندہ جان سکتا ہے کہ جب یہہ ہزارہا آدمی چند گھنٹوں کے لئے محض حسن حسین کے نعرے مارنے سے ایسے خود رفتہ ہو سکتے ہیں تو اگر کبھی اِسکے عوض کوئی اور کلمہ جسکا مطلب زیادہ واضح ہو (مثلاً کفار کو مارو۔ وغیرہ) ورد زبان ہو جائے۔ تو کیسا کچھہ خطرہ عظیم پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسے خود رفتہ اشخاص کو کوئی چالاک آدمی آسانی کے ساتھہ قابو میں لاکر قتل عام پر لگا سکتا ہے۔ اور اغلب خیال ہے کہ اوسوقت یہہ لوگ جسطرح حسن حسین پکارتے بازاروں میں لہولہان پڑے رہنے پر ہمہ تن تیار ہو جاتے ہیں۔ اوسی طرح بڑی خوشی سے آخری دم تک لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں اور موت کو سیاہ چشم کنواریوں (حوران جنت) اور امامین حسن و حسین کے پاس پہونچ جانے کا جو اون کے اعتقاد کے مطابق جنت میں اون کا انتظار کر رہے ہیں زبردست وسیلہ اور ذریعہ سمجھ لیں۔

پروفیسر الیف سکیس صاحب۔

۱۵۔ ترکی خاتونیں

جو یورپین لیڈی ترکی کی سیر کو جائے۔ جب تک وہ چند حرم سراؤں کا معائنہ نہ کرلے وہ اسجگہ کے باشندوں کی اصلی معاشرت سے کبھی واقف نہیں ہو سکتی۔ یہہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ چونکہ ترکی مستورات بیرونی دنیا کو دکھائی نہیں دیتیں۔ اون کو اقتدار بھی کچھہ حاصل نہیں برعکس اِسکے چونکہ وہ اپنا سارا وقت گھروں سے باہر ادہر اُدھر پھرنے پھرانے اور سہیلیوں سے اون کے

[1] قسطنطنیہ میں تقریباً ساٹھہ ہزار ایرانی آباد ہیں۔ اکثر دفاتر میں ملازم ہیں۔ بعض تاجر ہیں۔ اکثر کچھہ اور پیشے کرتے ہیں۔ اور بعض مزدوری سے حیات بسر کرتے ہیں۔ اور گو شہر کے مختلف حصّوں میں بود و باش رکھتے ہیں۔ مگر جہاں اونکی بہت کثرت ہے۔ اس محلہ کو والدہ خانہ کہتے ہیں۔ ایام محرم میں زیادہ تر اسی محلہ میں دہوم دہام کی مجلسیں ہوتی ہیں اور نوحہ وبکا کا بازار گرم ہوتا ہے۔ مگر یہاں سوز و تحت اللفظ کا دستور بالکل نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے۔ (از سفرنامہ مولوی شبلی)

مکانوں پر جا کر یا اپنے مکان میں ملاقاتیں کرنے پر صرف نہیں کر سکتیں۔ اون کو جوڑ توڑ اور سازشیں کرنیکے لئے بہت وقت ملتا ہے۔ مزید برآں یہہ بھی یاد رکہنا چاہئے کہ ٹرکی میں رشتوں و ناطوں کا انتظام دونوں طرف سے صرف مستورات ہی کرتی ہیں۔ مردوں کو اس میں کچہہ دخل نہیں ہوتا۔

گو موجودہ سلطان المعظم کی اپنی بیویوں اور کنیزکوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ محض تفریح جسمانی کے کہلونے ہیں اور اپنا سارا وقت اور بہت بیش بہا کپڑے پہننے اور لذیذ کہانوں میں صرف کرتی ہیں۔ لیکن اکثر پاشاؤں کی بیویاں نہایت ذہین و قابل عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی جایداد کے انتظام کی پوری قابلیت رکہتی ہیں۔ اور یہہ تو عام معلوم بات ہے کہ سلاطین کی ماؤں کو بسا اوقات امور سلطنت میں بہت دخل رہا ہے۔ اس وقت ٹرکی میں تمام نوعمر لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ سلطان المعظم نے اس غرض کے لئے زنانہ مدارس قایم کر دیئے ہیں۔ جو بہت عمدہ اور قابل تعریف ہیں۔ لڑکیاں بارہ برس کی عمر تک ان میں تعلیم پاتی ہیں۔ اسکے بعد اون کو یشمق (باریک نقاب) پہنا دیا جاتا ہے اور وہ پردہ میں بیٹھہ جاتی ہیں۔ اس عمر تک وہ اپنے باپوں کے ساتہہ سہ پہر کو سیر کے لئے باغوں کو چلی جاتی ہیں اور بے دھڑک مکانوں سے مدرسہ کو جاتی آتی ہیں۔ امرا کی لڑکیوں کے ساتہہ مدرسہ آنے جانے وقت حبشی غلام ہوتا ہے۔ مجہہ شاہی حرم سرا کے اندر جانے کی دعوت نہیں دیگئی تہی۔ لیکن شاہی حرم کے سوا قسطنطنیہ کی اقامت کے دوران میں مجہہ کئی ترکی حرموں میں جانے کا موقع ملا۔

سب سے اول میں ایک جلیل القدر وزیر کی حرم محترم کو ملنے گئی۔ اس ملاقات کا انتظام اون یورپین افسروں میں سے ایک کی بیوی نے جو ترکی ملازم میں گیا تہا۔ اور خود بہی ازراہ شفقت میرے ہمراہ گئی تہی۔ ہم گاڑی پر سوار ہو کر پیرا کے اوس حصہ کو گئے جو گرینڈ رود جادہ کبیر، سے پرے محل یلدز کے مقابل واقع ہے۔ گو اوس میں اور محل کی حدود میں ایک عمیق گہاٹی حایل ہے۔ میں نے گاڑی میں سوار ہو کر ہوا خوری کرتے وقت اس نواح کے مکانات کی اونچی اونچی دیواروں کو کئی دفعہ دیکہا تہا۔ مگر یہہ کبہی خیال نہ گذرا تہا کہ ان چار دیواریوں میں اکثر وزرا اور اعلیٰ امرا کے حرم پنہاں ہیں۔ ہماری گاڑی خود وزیر کے مکان یعنی سلاملق کے پاس سے گذرتی ہوئی سڑک سے نیچے اتر کر ایک بلند دروازہ پر جو اونچی دیواروں میں بنا ہوا تہا کہڑی ہو گئی۔ اور ہم اوس میں سے نیچے اترنے ہی لگے تہے کہ پہاٹک کہل گیا

اور گاڑی پر ہی اندر آجانے کے لئے کہا گیا کیونکہ باغ میں ابھی تک مالی کام کر رہے تھے۔ اس لئے خاتونان حرم اوس میں نہیں آسکتی تھیں۔ گاڑی باغ سے گذر کر ایک وسیع مربع سفید مکان کے دروازہ پر رک گئی۔ مکان کی کرسی بہت بلند تھی۔ اس لئے دروازہ تک کئی سیڑھیاں سنگ مرمر کی تھیں چاروں طرف سے مکان کو حرم سرا کی دیواریں احاطہ کئے ہوئے تھیں جن پر یلیز کی دیواروں کی طرح بیلیں نہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل برہنہ اور سفید اور ایسی بلند تھیں کہ مکان کی بالائی منزل کے دریچوں سے بھی کچھ دکھائی نہیں دیسکتا تھا۔ پس خوبصورت گھاس کے تختوں۔ درخشاں پھولوں کے چمنوں اور باثمر اشجار کے باوجود محل عمارت جیلخانہ کے مشابہ دکھائی دیتی اور معلوم ہوتی تھی۔ مکان کا دروازہ ایک غلام نے کھولا اور ہم ایک لمبے اور تنگ راستہ میں داخل ہوگئیں۔ وہ درمیانی ہال کو جو بہت بلند اور وسیع تھا جاتا تھا۔ ہال کے وسط میں فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ چو طرفہ گملوں میں کھجوروں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اوسکے داگرد غلام اور کنیزکیں دست بستہ ایستادہ تھیں کنیزکیں حبشنیں اور سفید رنگ دونوں طرح کی تھیں جو شوخ رنگ کے سوتی پارچات اور سفید پگڑیاں پہنے ہوئی تھیں۔ غلام سب کے سب سیاہ فام خواجہ سرا تھے۔ جو فراک کوٹ اور فس پہنے تھے۔

ہمیں ایک وسیع و پرتکلف کمرہ میں جاکر بٹھایا گیا۔ اوس میں ایک شاندار زرد رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا مگر کتاب یا سامان کشیدہ و دستکاری کا نام ونشان نہ تھا۔ نہ اس امر کے کوئی آثار پائے جاتے تھے۔ کہ یہاں کوئی رہتا ہے اور کسی طرح کا کاروبار ہوتا ہے ہمیں بیٹھے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ پاشا کی حرم آپہونچی۔ اوسکی پوشاک یورپین طرز کی تھی جیسکا رواج قسطنطنیہ میں ایسا عام ہوگیا ہے کہ اب صرف شاہی حرم سرا میں دیسی طرز کی پوشاک پہنی جاتی ہے۔ خاتون موصوف کے ساتھ اوسکی علاوہ رانی یعنی وزیر کی بھاوجہ بھی تھی۔ آخر الذکر فقط ترکی بول سکتی تھی۔ بنابریں میری سہیلی تو اُسکے ساتھ ترکی میں باتیں کرنے لگ گئی۔ اور میں نے وزیر کی بیوی سے فرنچ میں گفتگو شروع کردی۔ خاتون کا قد درمیانہ شکل صورت خوشنما۔ اور آنکھیں چمکدار اور بڑی بڑی تھیں۔ اوس نے مجھے بتایا کہ سال میں ایک دفعہ یا زیادہ سے زیادہ دو دفعہ وہ بند گاڑی میں سوار ہوکر ان مہیب دیواروں سے باہر جاتی ہے۔ اسکو سوائے چاردیواری سے کبھی باہر نہیں جاتی۔ اوسے اپنے باغ اور پالتو جانوروں بلیوں اور پرندوں سے بہت انس تھا۔ اولاد کوئی نہیں رکھتی تھی جس سے ہر وقت اوسے طلاق کا اندیشہ رہتا تھا۔ کیونکہ اسباب

کہ ترک دو دو بیویاں رکھتے ہیں۔ وہ فرنچ زبان کے ناولوں کو بکثرت پڑھتی رہتی تھی اور انہی
پر اُسکے ان خیالات اور آرائش کا دارومدار تھا جو وہ یورپین طرزِ معاشرت کی نسبت رکھتی تھی۔
باتوں باتوں میں اوس نے مجھے کہا "ہم تم سے زیادہ خوش ہیں۔ کیونکہ اگر ہمارے خاوندوں کو کبھی
کسی اور عورت سے دل لگی ہوجائے تو وہ ہماری کنیزکوں میں سے کوئی نہ کوئی ہوگی جن کو ہم بخوبی جانتی
ہیں۔ لیکن تمہارے خاوند فرانسیسی ایکٹرسوں (تھیٹر میں ناچنے گانے والی عورتوں) کو ساتھ لئے
پھرتے ہیں۔ جن کو تم مطلقاً نہیں جانتیں" کنیزکیں پہلو شیرینی وغیرہ لائیں۔ اور پھر سگریٹ۔ مگر میں نے
تمباکو نوشی سے نابلد ہونے کا عذر کردیا۔ سب سے آخر خوشگوار اور مفرح ترکی قہوہ لایا گیا۔ قہوہ کی
پیالیاں طلائی پرچوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ خاتون موصوف اچھی گویہ اور باجہ نواز ہے۔ اور اوسکی
دیوار پر تصویر نقشہ عمدہ بناتی ہے۔ دونوں کا اتالیق خود وزیر تھا۔ جو بہت عمدہ صناع اور فنون
لطیفہ میں خوب ماہر ہے۔ مگر موسیقی نوازی معمولی۔ فرنچ ناولوں اور خوبصورت باغ کے باوجود
مجھے یہہ حسرت بخش احساس ہو رہا تھا کہ خاتون موصوفہ بعینہ اوس پرند کے مشابہ تھی جو اپنے پروں
کو طلائی قفس کی سیخوں سے پھڑپھڑا رہا ہو۔ وہ اتنا زیادہ پڑھ گئی تھی کہ موجودہ حالت پر کبھی قانع نہیں
ہوسکتی تھی (یعنی اگر جاہل یا نیم جاہل رہتی تو یہہ بندش ایسی ناگوار نہ معلوم ہوتی)

جب تک ہم کمرہ میں رہیں اوسکے تمام دروازے کھلے رہے اور کنیزکیں اون میں سے اندر باہر آتی
جاتی رہیں۔ گویا کہ وہ ہماری مسلسل نگرانی کر رہی تھیں۔ ایک کنیز نے اطلاع دی کہ مالی چلے گئے ہیں
جس پر ہم باغ کو جانے ہی لگی تھیں کہ وزیر اور اسکا بھائی پہونچ گئے۔ وہ محل سلطانی سے ہماری ملاقات
کے لئے جلد واپس چلے آئے تھے۔ ان دونوں کے پہونچنے کے وقت سے اونکی بیویاں بالکل ساکت
ہوگئیں۔ اور گو میں نے وزیر کی بیوی کو اوس دلچسپ گفتگو میں جو وزیر اور میرے درمیان ہو رہی
تھی شامل کرنے کی کوشش کی۔ مگر قطعاً ناکامیاب ہوئی۔ بعد میں جب میں نے اس معاملہ پر غور
کیا تو مجھے اس سکوت کی کنہ یہہ معلوم ہوئی کہ ہم مساجد۔ دیگر قابل دید عمارات عجائب خانہ کے
قدیم تابوتوں اور قدیم محل سرا کے نوادرات کا ذکر کر رہے تھے۔ جنکو خاتون موصوفہ نے کبھی
نہیں دیکھا تھا۔ نہ آئندہ کبھی دیکھ سکتی تھی۔ میں اس ملاقات سے ان دونوں عورتوں کی حالت
پر دل میں سخت رحم کھاتی ہوئی واپس آئی۔ وہ مجھے اپنی حالت سے بظاہر مطمئن اور ناخوش ہی معلوم

ہوئیں گو خاوند اونکی کمال نازبرداری کرتے تھے اور اونکو جو چیز دولت سے میسر ہو سکتی تھی اونکو لئے موجود تھی
شہر ایپا کی اقامت کے دوران میں ایک دن آسٹرین سفیر کی بیوی مجھے منیر پاشا رئیس التشریفات
کی بیوی کی ملاقات کرانیکے لئے لیگئی - پاشاء موصوف کا مکان باسفرس کے کنارہ پہ ہے - اور پانی
اوسکی دیواروں سے ٹکرا کر بہتا ہے - مکان مذکور کا مردانہ حصہ دسلاملق ہمیں پہلو دیکھا ہوا تھا - حرم اور سلاملق
کے درمیان خوبصورت باغ ہے جس میں مختلف اقسام کے گلاب کے سینکڑوں پودے ہیں - حرم کے
گرد اگرد چونکہ کوئی چاردیواری نہیں اوسکی تمام کھڑکیاں جالی دار ہیں - ان میں سے اندر کی طرف سے باہر کی
چیزیں تو کہاں دیکھی ہیں - مگر باہر سے اندر بالکل نگاہ نہیں پڑتی - ہم آسٹرین سفارت کی ایک قایق پر
گئیں - گہاٹ پر دو یا تین حبشی خواجہ سراؤں نے ہمارا استقبال کیا جن میں سے ایک بہت ہی دراز
قامت تھا - اوسے ہم نے کئی مرتبہ پاشا کی خورد سال لڑکی کے ساتھ سٹیمر پہ مدرسہ کو جاتے یا واپس
آتے دیکھا تھا - ہماری میزبان پہلی منزل کے ایک وسیع کمرہ میں بیٹھی ہوئی تھی - اور چونکہ وہ صرف ترکی
بول سکتی ہے - اوس کا بھتیجا جو محل سلطانی میں یاور ہے ترجمان کا کام دینے کے لئے اوس کے پاس
موجود تھا - یہ خاتون نہایت قابل اور ہوشیار عورت ہے - اور گو اوسے اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں کہا جا سکتا
تاہم اپنے خاوند کے تمام معاملات کے انصرام اور اوسکی جایداد کے انتظام کی پوری قابلیت
رکھتی ہے - پاشاء موصوف کو خود ان کاموں کیلئے بہت ہی کم فرصت ہوتی ہے - اوسکا تقریباً سارا وقت
محل سلطانی میں صرف ہوتا ہے - ہم فرانسیسی میں گفتگو کرتی رہیں اور گو ہر ایک بات یاور کی وساطت سے
ہوتی تھی گفتگو ایک لمحہ کے لئے بھی سست نہ پڑی - جن حرم سراؤں میں ہم گئیں اون میں صرف یہی
ایسا تھا جہاں ناشتہ وغیرہ سے ہماری تواضع نہ کیگئی - ہماری میزبان کی عمر چالیس پچاس کے درمیان
تھی اور وہ اکثر خاتونوں کی طرح مضبوط جسم کی عورت تھی - وہ ہلکے اودے رنگ کی ململ کے کپڑے پہنے ہوئی تھی
اور گلے میں بڑے بڑے نیلموں کا ہار پڑا تھا - سر کے بال سیاہ اور تازہ ترین فرنچ فیشن کے مطابق جوڑا
کیا ہوا تھا - مکان کی قطع اکثر ترکی مکانوں ایسی تھی جن کے دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا - مکان کے بیرونی
دروازہ سے گذرتے ہی دربانی ہال ہے - اوس کے دونوں طرف کمرے ہیں اور دروازہ کے مقابل
والے سرے پر اوپر جاتے کو جو خوبصورت فراخ زینہ ہے - منیر کی بیوی کی قطع وضع سے مجھے معلوم ہوا کہ

ملہ [illegible] ایک [illegible] قدیم [illegible] کی سیر کے وقت [illegible] ساتھ تھا - مصنف

وہ اپنے حال میں خوش اور نہایت مصروف عورت ہو۔ اوس نے مجھو بتایا کہ وہ اکثر قایق پہ سوار ہوکر باہر جاتی ہے۔ یہہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ باہر جاتے وقت وہ نقاب اور فرجہ پہن لیتی ہے فرجہ سیدھے سادھے لمبے گھیر سے دار جبہ کو کہتے ہیں۔ جسے تمام ترکی مخدرات جوان ہوں یا معمر باہر نکلتے وقت کپڑوں کے اوپر اوڑھ لیتی ہیں۔ اس سے تمام جسم گردن سے لیکر پاؤں تک ڈھنپ جاتا ہے عموماً یہہ قیمتی اور خوش رنگ کپڑے کا ہوتا ہے۔ مگر ایں ہمہ اوس کے بھدا پن میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میزبانہ ہم سے کمرہ کے دروازہ سے ہی رخصت ہوگئی۔ ہال میں اسلئے نہ آئی کہ شاید باغ میں کوئی مرد موجود ہو اور اوسکی نظر ہال کے دروازہ سے جو کہلا ہوا تہا۔ اندر پڑتی ہو۔

اس ملاقات سے چند دن بعد حمدی بک عجائب خانۂ قدیم اشیار کے اعلیٰ مہتمم اور صیدا کے تابوت نکلے دریافت کنندہ نے جو عجائب خانہ مذکور کی زیب و زینت ہیں میری، میرے خاوند اور ہمارے لڑکے کی دوپہر کے کہانے کی دعوت کی۔ اوس کا مکان باسفرس کے کنارہ پہ ہے۔ مگر مکان اور دریا کے درمیان ایک عام شاہراہ حایل ہے۔ خدام ہمکو سیڑہیوں پر سے بالائی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے۔ جہاں ہمارا میزبان اور اوس کی بیوی بیٹھی ہوئی تہی۔ یہہ کمرہ صنعتی نوادرات مشرقی ساخت کے پیتل اور مینا کار کھپریلوں کے بے نظیر نمونوں سے پُر تہا۔ حمدی بک کی بیوی فرنچ نسل کی ہے۔ مگر اوسکی پرورش اور تربیت بچپن سے ترکی لڑکیوں کی طرح ہوئی تہی۔ تاہم وہ اپنے خاوند کے دوستوں سے پردہ نہیں کرتی اور کہانے کی میز پہ صدر نشین ہوتی ہے۔ تمام مکان کی آرائش یورپین طرز کی ہے۔ چنانچہ اگر اوسکے دریچوں سے باسفرس۔ قایقیں اور دیگر عجیب و غریب شکل کی کشتیاں جو ہر لحظ سامنے سے گذرتی رہتی ہیں دکہائی نہ دیتی ہوں تو انسان کو یہی خیال گذر جائے کہ وہ ترکی میں نہیں بلکہ یورپ کے کسی اور ملک میں بیٹھا ہوا ہے۔ کہانے کیوقت فرنچ زبان میں پر جوش گفتگو ہوتی رہی۔ جس میں خاتون موصوفہ بہی برابر شریک رہی۔ کہانیکے بعد وہ مجھو اپنے گول کمرہ میں لیگئی اور جنٹلمین (مرد) تمباکو نوشی کے لئے مکان کے مردانہ حصہ میں چلے گئے۔ میزبانہ نے باتوں باتوں میں مجھ کو کہا کہ سفر و سیاحت سے تمہیں بہت ہی لطف و خوشی حاصل ہوتی ہوگی۔ اس پر میں نے دریافت کیا۔ کیا تم کبہی اپنے خاوند کے ہمراہ باہر نہیں گئیں۔ یہہ سنکر وہ سچ مچ ششدر رہ گئی۔ اور جواب دیا۔ یہہ امر بالکل ناممکن ہے میں کبہی ہچوار کی شرکت سے بہی اپنے باغ کو جو پہاڑی پہ ہے۔ بلا انیشتی نہیں گذرتی۔"

ہمارا صادق بک محل سلطانی کے خوش آیند و دلفریب باغ سے جو ہر جگہ سلطان معظم کے حسب الارشاد ہمارے ہمراہ جاتا تھا۔ اس قدر ربط ضبط اور میل جول ہو گیا تھا کہ مجھے اوس کا گھر دیکھنے کی بڑی خواہش ہو گئی۔ گو اوس نے اس بارہ میں ہم سے کبھی ذکر نہیں کیا تھا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ اوس کے کس قدر بال بچے ہیں۔ وہ عرب ہے اور ایک دفعہ باتوں باتوں میں اوس نے ذکر کیا تھا کہ اوسکی بیوی بھی عرب ہے۔ وہ میری اس درخواست سے بہت خوش ہوا۔ اور یہہ قرار پایا کہ میں اوسکی بیوی کو دیکھنے کے لئے تھراپیا سے پیرا کو جاؤں۔ اوسکا گھر مختصر سا۔ مگر اکثر ت کی گھروں سے بلند اور اس عمودی پہاڑی کے عین کنارہ پر جو بلدیۂ کوشنک کے مقابل بنا ہوا ہے۔ اس مکان میں بھی بیرونی دروازہ سے اندرونی حصہ کو تنگ راستہ جاتا ہے جسکی وجہ سے دروازہ سے مکان کے اندر نظر نہیں پڑتی۔ خدام مجھے پہلی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے۔ وہ بظاہر صادق بک کی نشست گاہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اوسکے دروازے اور دریچے جالیدار نہ تھے۔ اوس کا سامان آرایش بیحد سادہ تھا۔ گو ایک الماری فرنچ اور جرمن کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ صادق بک نے جرمن برلن میں سیکھی تھی جہاں وہ کچھ عرصہ رہا تھا اور فرنچ پیرا میں۔ انگریزی بالکل نہیں سمجھتا تھا۔ میں کمرہ میں پہونچی ہی تھی کہ وہ بھی آگیا اور مجھے اوپر لے گیا۔ زینہ کی چوٹی پر اوسکی بیوی کھڑی تھی۔ وہ نہایت ہی خوبصورت اور درمیانہ قامت تھی۔ آنکھیں خوشنما۔ اور سیاہ بالوں نے چہرۂ زیبا کو اسطرح ہالہ کئے ہوئے تھے کہ گویا سیاہ ابر رخ آفتاب کو حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ گلاب کا قدرتی پھول لگائے ہوئی تھی۔ وہ سفید ململ کے کپڑے اور سفید ساٹن کی پاپوش پہنے ہوئی تھی۔ جامہ کے گھیر اور حاشیہ پر گلابی رنگ کا ریشمی فیتہ لگا ہوا تھا۔ اور سرخ رنگ کا پٹکا کمر میں پڑا ہوا تھا۔ گلاب کا پھول بھی کمال شوخ ارغوانی رنگ کا تھا۔ وہ نہایت خوبصورت الماس اور مرصع زیورات پہنے ہوئے تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ اس ملاقات کے لئے اوس نے بننے سنورنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اوسکی نظروں میں میری سیاہ مخملی پوشاک فی الواقع بہت بے حقیقت اور میلی کچیلی دکھائی دی ہوگی۔ جس کمرہ میں ہم گئے وہ چھوٹا سا تھا اور اوس کے دریچوں میں سر سے پاؤں تک جالی لگی ہوئی تھی۔ خاتون موصوف نہایت ہی خوش و خرم اور مسرور معلوم ہوتی تھی اور اپنے آقا کو جو اوس کے مقابل بیٹھا ہوا تھا ایسی محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی تھی جو عشق کے درجہ کو پہونچی ہوئی تھی۔ صادق بک نے بیٹھتے ہی اس سوال سے گفتگو کو شروع کیا۔ "تمہارا اسکی نسبت کیا خیال ہے؟" میں نے جواب دیا۔

"کل پیرا میں اس سی خوبصورت ناہیں مجھے کوئی عورت نہیں دیکھی" میرے اس جواب میں ذرہ بہر مبالغہ نہ تہا۔

اوس دن گرمی سخت تہی۔ صادق بیگ نے ایک دریچہ کا جالی دار بستہ نیچے اتار دیا۔ اس پردہ کے ہٹتے ہی سامنے کی سبز پہاڑی کا خوبصورت نظارہ جسکی چوٹی پر یلدیز محل کی سفید کوٹھیاں اور وہ مسجد ہے جہاں سلطان المعظم سلاملق کے لئے تشریف لیجاتے ہیں میرے سامنے نمودار ہو گیا اور دائیں طرف محلہ تشکلطاش کے مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے باسفرس کا پانی چمکتا ہوا دکھائی دینے لگ گیا۔ صادق کی بیوی اسی وقت اپنی جگہ سے اٹھ کر ایسی جگہ بیٹھ گئی جہاں سے اوسے دریچہ میں سے آسمان کے سوا اور کچھہ نظر نہیں آسکتا تہا۔

بعد ازاں بچے کمرہ میں لائے گئے۔ سب سے بڑی تقریبًا آٹھ برس کی عمر کی لڑکی تہی جس کے کپڑے اور ٹوپی عجیب و غریب شکل کی تہی۔ وہ ہر صبح مدرسہ جاتی تہی اور سہ پہر کو اپنی ماں سے جوسوئی کے کام میں بالخصوص بہت ماہر ہے موسیقی اور کشیدہ کاری سیکھتی تہی۔ ماں کی طرح وہ بہی صرف ترکی اور عربی بول سکتی تہی۔ صادق نے کہا کہ "میں اپنی لڑکی کو کبہی کوئی یورپین زبان نہیں سکھاؤنگا۔ ان سے کیا فایدہ ہے۔ اس کا نتیجہ صرف یہہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں اپنی حالت سے ناخوش ہو جاتی ہیں" مجہے اوس کا یہہ قول بالکل درست معلوم ہوا۔ لڑکی سے چہوٹا ڈیڑھ سال کی عمر کا لڑکا تہا۔ وہ نہایت خوبصورت تہا۔ اوسے اوسکی ماں کمرہ میں لائی۔ سب سے آخر صادق کی ساس جو بزرگ پیرانہ سال عورت تہی۔ برف سے ٹھنڈا کیا ہوا کمال بفرح شربت بادام لائی جو سوئیڈن کے شربت بادام سے بہت ملتا جلتا تہا۔ یہہ پیرزن سر پر سفید ململ کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تہی اور سیاہ رنگ کے نرم کپڑے کی ہیڈول سی گون (سایہ۔ پیشواز) پہنے ہوئے تہی۔ میرا دل تو مکان کے دیگر حصوں کو بہی دیکھنے کو چاہتا تہا۔ مگر درخواست کرنے سے حجاب سے آ گیا۔ اور میں نے خیال کیا کہ شاید یہہ امر گہر والوں کو ناگوار گذرے۔ تاہم میں یہہ یقین دل میں لئے وہاں سے رخصت ہوئی کہ یہہ کنبہ واقعی بہت خوش ہے۔ خاوند بیوی میں کامل محبت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور بیوی اپنے فرائض خانہ داری کے سرانجام میں ایسی مصروف ہے کہ وہ اپنے حال میں پوری قانع اور بہرست ہے۔ اوسے کسی اور چیز کی خواہش نہیں۔ مگر بعد میں جبکہ صادق بیگ

اپنے کنبہ کو مفصلات کے ایک موضع میں جو شہر سے زیادہ دور نہ تہا لیگیا ہوا تہا اوس نے مجہہ سے ذکر کیا کہ وہاں اوسے کوئی شغل نہیں - اور یہہ مشکل ہے کہ انسان عورتوں کے پاس بیکار بیٹہا رہے اس کا یہہ مطلب ہوسکتا ہے کہ چونکہ عورتیں مردوں سے بہت ہی ادنی حیثیت رکہتی ہیں - انسان سارا دن اونکی صحبت میں نہیں رہ سکتا -

سب سے آخر میں نے جو مکان دیکہا وہ ایک نہایت وسیع خیال ترکی خاتون کا تہا - جو سلطان المعظم کی دور سے رشتہ دار ہے - وہ اپنی خوبصورت لڑکیوں کو اون کی عمر پندرہ برس سے بہی اوپر ہوجانے تک مختلف سفارتوں میں جانے دیتی رہی - حتی کہ خود سلطان المعظم نے اس معاملہ میں مداخلت کرکے اون کو یشمق پہننے کا حکم دیا - کہا جاتا ہے کہ وہ اب بہی جب کبہی مصر یا جزائر شاہزادگان میں رہتی ہیں تو بہت کچہہ آزادانہ روش رکہتی ہیں - اونکا مکان جو برلب باسفورس ہے بہت خوشنما ہے - اوس میں ایک بڑا حجرہ کہ دریا کی طرف ہے جو تقریباً تمام و کمال بیلوں سے ڈہنپا ہوا ہے - اسٹیمر پر مکان کے پاس سے گذرتے وقت مجہے اتفاقاً اون لڑکیوں کے سروں کی جہلک دکہائی دیجایا کرتی تہی جو اوس وقت حجرہ میں بیٹہی کشیدہ کاری میں مصروف ہوتی تہیں یا سہ پہر کی چاء پیتی ہوتی تہیں - جس دن میں گئی - لڑکیوں کی ماں باہر گئی ہوئی تہی - میں نے اون کو نہایت ہی دلآویز اور کمال خوبصورت پایا - وہ انگریزی بہت عمدہ بولتی ہیں اور اونکا مطالعہ بہت وسیع ہے - ایک اعلی درجہ کی موسیقی نواز اور دوسری چابکدست مصورہ ہے - اوسکی اپنی ہاتہہ کی بنائی ہوئی بے شمار روغنی اور آبی تصویریں کمروں میں آویزاں ہیں - اونہوں نے مجہہ کو اپنا خاص کمرہ نشستگاہ دکہلایا - وہ بعینہ انگریز لڑکیوں کے کمروں کے مشابہ تہا - فرق صرف یہہ تہا کہ نسبتاً بڑا اور زیادہ مکلف اور آراستہ تہا - کواڑوں کے تختوں پر قاہرہ کے منظروں کی دستی تصویریں لگی ہوئی تہیں جو ان لڑکیوں نے خود بنائی تہیں اور میزوں پر بکثرت عکسی تصویریں رکہی ہوئی تہیں - ان کمروں کو دیکہنے سے فوراً معلوم ہوجاتا تہا کہ وہ اپنی پابندی اور محبوسیت کو حتی الامکان خوشگوار بنانیکی کوشش کرتی رہتی ہیں - مگر پہر بہی وہ خوش نہیں - چہوٹی کی سگائی ایک سخت بدچلن شخص سے کردیگئی ہوئی تہی - ترکی سے چلے آنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اوس نے اس رشتہ کو توڑ دیا ہے - اوسکی باتوں سے واضح ہوتا تہا کہ وہ شادی کے خیال سے متنفر ہے اور حتی الامکان بیاہ کو معرض التوا میں ڈال رہی ہے سہ پہر کی چاء ہم نے پانچ بجے حجرہ میں بیٹہہ کر نوش کی - وہاں سے وہ سب کچہہ دیکہہ سکتی تہیں - مگر خود بخوبی

نہیں دیکھی جاسکتی تہیں۔ وہ ہر شام قایق پہ سوار ہوکر دریا کی سیر کو نکلتی تہیں۔ اون کے نقاب اور خاتونوں ایسے دبیز نہیں ہوتے تہے چنانچہ اس ملاقات کے بعد میں اون کو اکثر پہچان لیا کرتی تہی۔ میں جب اونکی آیندہ زندگی کی ناخوشی اور بے اطمینانی پہ خیال کرتی تہی تو مجہے اونکی حالت پہ بہت ہی رحم آتا تہا۔

ترکی خاتونوں کی طرز معاشرت کی یک سوادی اور یک آہنگی کی پوری پوری کیفیت ہم باشندگان مغرب محسوس نہیں کرسکتے۔ ہر عورت کیلئے امیر ہو یا غریب جسے اپنی عزت کا کچہہ بہی پاس ہو لازمی ہے کہ وہ غروب آفتاب کیوقت تک اپنے گہر میں پہونچ جائے۔ اب ایک طرف جاڑے کی کہٹن اور نہ ختم ہونے والی شام اور راتوں کا خیال کرو۔ اور دوسری طرف یہہ کہ کوئی دوست یا سہیلی اوسوقت اون کے پاس نہیں ہوسکتی۔ زنانہ رفقا یعنی سہیلیوں کیواسطے ضروری ہے کہ وہ اوسوقت اپنے اپنے گہروں میں ہوں اور مرد رفیق اونکا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ باقی رہے اپنے کنبہ کے مرد۔ وہ بہی عورتوں کی صحبت میں بہت کم بیٹہتے ہیں۔ یہہ کیفیت دیکہہ کر ہم مغربی عورتوں کو اپنی ترکی بہنوں کی حالت پہ بہت رحم آتا ہے۔ مگر امید ہے کہ جوں جوں ترکوں اور یورپینوں میں میل جول بڑہتا جائیگا۔ عورتوں کی طرز معاشرت میں ضرور تغیر ہوتا جائیگا۔ اور جس طرح مردوں نے مشرقی پوشاکیں اتار دی ہیں ایک وقت ایسا آجائیگا (جو خدا کرے کبہی نہ آئے۔ مترجم) کہ عورتیں لشمیں اور فرجہ کو دور کردینگی۔ اور اون کے ساتہہ ہی اون کی تنہائی اور پردہ داری کا بہی خاتمہ ہو جائیگا۔ وہ نوجوان ترک جنہوں نے برلن۔ پیرس اور وائینا میں تعلیم پائی ہے۔ شادی سے پہلے یہہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ ہم اپنی بیویوں کو پردہ میں نہیں رکہیں گے۔ وہ آزاد رکہی جائینگی۔ لیکن جب موقع آجاتا ہے تو وہ سب کے سب رسم ورواج کی پابندی کے سامنے چوں نہیں کرتے۔ نہ اعلیحضرت سلطان عبد الحمید خان کی عہد حکومت میں تغیر کی کوئی امید ہی ہے۔ عورتوں کے پردہ کے متعلق اونکی رائے بہت ہی سخت ہے۔ اور مشکل کوئی ایسا برس گذرتا ہے جس میں یشمقوں کے اور

۱؎ لیڈی بلر کے خیالات چونکہ بدنیتی پہ مبنی نہیں ہیں۔ ہم مسلمانوں کو اون سے شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ ہمارے رسم ورواج اور خیالات کو اچہی طرح نہ سمجہہ سکنے کے باعث معذور سمجہی جاسکتی ہیں۔ اور کمال خوشی کا مقام ہے کہ جو امید لیڈی صاحبہ نے اوپر ظاہر کی تہی۔ اسلام کے مخلص خادم اور سچے حامی خلیفۃ المسلمین عبد الحمید خاں کی ذات والاصفات کی طفیل اوسکی پورے ہونیکے کوئی آثار نہیں ہیں۔ مترجم۔

زیادہ دبیز کرنے اور فریجوں کو اور زیادہ بیڈول اور گہیرے دار بنانے کی نسبت جدید سلطانی احکام صادر نہ ہوتے ہوں جن خاتونوں کے مکان باسفرس کے ساحل پر ہیں۔ اون کے لئے تو ہوا خوری کے واسطے قائقیں موجود ہیں۔ مگر بیرا کی بیگمات صرف بند گاڑیوں میں آب شیریں کو جا سکتی ہیں جن کے ساتھہ ساتھہ گاہ گاہ اون کے خاوند بھی زین سوار ہوتے ہیں۔ مگر وہ گاڑی میں سے کسی کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکتیں۔ اگر ترکی خاتون کی گاڑی اوس کے خاوند یا فرزند کے پاس سے گذرے تو وہ بھی اوسوقت اوس کو سلام نہیں کر سکتا۔ اور جبکہ گاڑی کھڑی ہو۔ اوسوقت کوئی شخص اپنی بیوی یا ماں سے بھی ایک لفظ بولنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے تو پولیس فوراً مواخذہ کرے۔ بڑی سے بڑی عزت جو تم کسی خاتون کی کر سکتے ہو یہہ ہے کہ جب اوسکی سواری گذرے منہہ پھیر کر اُدھر پیٹھہ کر دو جب شاہی حرم سرا کی کسی بیگم کی سواری گذرے تو ایسا کرنا لازمی ہوتا ہے۔ ایک دن ہم (دریا) آب شیریں کے اوس حصہ کے کنارہ پر جو سلطان المعظم کے ایک متصلاتی محل کے باغ کے پاس ہے بیٹھے ہوئے قہوہ پی رہے تھے۔ کہ صادق یک بیکبارگی کھڑا ہو گیا اور دوڑ کر پیٹھہ دریا کی طرف کئے ہوئے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا باعث معلوم کرنے کے لئے ہم نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ دریا کے دوسرے کنارہ پر باغ میں سے سلطانی حرم سرا کی دو بابتن گاڑیاں سڑک پر چلی جا رہی ہیں۔ اونکے پردے دبیز کھڑکیاں اسقدر اٹھے ہوئے تھے کہ یہہ دیکھنا ناممکن تھا کہ آیا گاڑیوں میں کوئی شخص سوار بھی ہے یا نہیں۔ تاہم ہماری طرف جس قدر ترک تھے۔ ملازم یا غیر ملازم سب یہی بیہودہ حرکت کر رہے تھے۔ اور صرف اُسوقت اپنی اپنی جگہ پر واپس آئے جبکہ گاڑیاں نظر سے اوجہل ہو گئیں۔

پہلے مرد اپنی منگیتر کو شادی سے پہلے کبھی نہیں دیکھہ سکتا تھا۔ شادی کے بعد جب میاں بیوی الگ کمرہ میں جاتے تھے تو اوسوقت پہلی مرتبہ نقاب اُٹھایا جاتا تھا۔ لیکن اب عموماً اس امر کا انتظام کیا جاتا ہے کہ لڑکا اپنی مستقبلہ بیوی کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے بے نقاب دیکھہ لے۔ پردہ کی وجہ سے ترکی میں ایسی مہمان نوازی نہیں ہو سکتی جو کہ ہم لوگوں کی مفہوم ہے۔ پاشا ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے رہتے ہیں اور بعض پاشا یورپین شرفا کو بھی اپنے گھروں میں مدعو کرتے ہیں۔ مگر یہہ ظاہر ہے کہ جہاں لیڈیوں کی تواضع و مدارات کیلئے میزبان کی خاتون شریک ضیافت نہ ہو اون کو مدعو نہیں کیا جا سکتا۔ اس بارہ میں جہاں تک مجھے علم ہے صرف حمدی بک ایک مستثنیٰ ہے۔ مگر ساتھہ ہی یہہ بات

بہی ہے کہ اوسکی بیوی بلحاظ پیدائش فرنچ ہے۔ تاوقتیکہ وہ مبارک زمانہ آئے جبکہ ترکی عورتیں اپنے والدین اور شوہروں کے ساتھہ ہر جگہ آجا سکیں میری رائے میں اعلیٰ تعلیم اون کو صرف بےچین اور ناخوش بنانے کا موجب ہوتی رہی گی۔ اور محض اون عورتوں کی زندگی آرام سے بسر ہوگی جن کو سلطانی حرم سرا کی بیگمات کی طرح کہانے پینے اور پہننے اوڑہنے اور ساری عمر نازپروردہ بچوں کی طرح رہنے کے سوائے اور کسی کام سے سروکار نہ ہو۔

۱۶۔ آخری باریابی بارگاہ سلطانی میں

۹ راگست پہونچگیا۔ اسکو ہمارا ارادہ روانہ ہوجانے کا تہا۔ مگر اب تک آخری ملاقات کی نسبت ہمیں محل سے کوئی اطلاع نہ ملی تہی۔ صرف یہہ افواہ سننے میں آئی تہی کہ اعلیحضرت کی طبیعت رنضیبب اعدا) کسیقدر ناساز ہے۔ شام کیوقت ہم انگریزی سفارت کو سکرتریوں کے مسکوٹ میں سکرتری خانہ میں جو لارڈ سٹریٹ فورڈ ڈی ریڈکلف[1] کے زمانہ میں انگریزی سفارت خانہ تہا۔ کہانا کہانے گئے۔ اور میز پر بیٹہے ہی تہے کہ ہمیں اطلاع دیگئی کہ صادق ایک تخلسرا سے پیغام لیکر آیا ہے۔ پہلے وہ ہوٹل گیا تہا اور ہم کو وہاں نہ پاکر مسکوٹ کو آیا ہے۔ ہمارے میزبانوں نے اوس سے کہانے میں شریک ہونیکی درخواست کی جسے اوس نے خوشی سے منظور کرلیا اور پہر ہمیں بتایا کہ دوپہر کے کہانے کیلئے ہم دوسرے دن دوپہر کے وقت محل میں پہونچ جائیں۔ ہم نے ٹہیک ساڑہے گیارہ بجے اوسے محل سے باہر آملنے کا اقرار کیا چنانچہ دوسرے دن سفارت کی کشتی پر سوار ہوکر دولمہ باغچہ کے کنارہ خشکی پر اُترے اور وہاں سے گاڑی پر محل کو گئے۔ وہاں صادق ہم کو سفرا رکی کوشک سے باہر ملگیا۔ وہ ہم کو اوس دروازہ سے آگے لیگیا۔ جس سے اوس کوشک کو راستہ جاتا ہے جہاں ہم نے حاجی علی کو دیکہا اور جلال الدین افغانی سے ملاقات کی تہی مگر ہم اس کوشک کو نہ گئے۔ بلکہ وہ ہم کو ایک لمبی سی پست قامت عمارت کی طرف لیگیا جسکی دیواریں بیلوں سے ڈہنپی ہوئی تہیں۔ اور جو حرم سرا کے اوس دروازہ کی سیدہ میں ہے جس میں سے ہم پہلی سلاملق کے موقع پر گذرے تہے۔ باغ کی جس روش پر ہم چلے جارہے تہے وہ عمارت مذکور کی ایک آئینہ دار دروازہ

[1] مشہور انگریز مدبر اور ایلچی۔ سر سٹریٹ فورڈ کیننگ اصل نام تہا۔ ۱۷۸۶ء میں پیدا اور ۱۸۸۰ء میں فوت ہوا۔ جنگ کریمیا کے وقت قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر تہا۔ مترجم

پر جاکر ختم ہوئی جس کے سامنے کوئی زینہ نہیں تھا۔ اوسکی سطح روش کی سطح کے برابر تھی۔ اوس میں سے
گذر کر ہم ایک وسیع ہال میں جو بہت ٹھنڈا تھا داخل ہو گئے۔ اوس میں کوئی نوکر موجود نہ تھا۔ مگر صادق بک
کو مفصل ہدایات ملی ہوئی تھیں۔ وہ ہمیں ہال میں سیدھا ایک کمرہ کو جو بائیں جانب تھا لے گیا اور ہمیں
وہاں بٹھاکر باہر چلا گیا۔ ہمیں اپنے فرزند کو ہمراہ لانیکی خاص طور پر ہدایت کیگئی تھی۔ کمرہ میں شاندار قالین
بچھا ہوا تھا اور اودے رنگ کی ریشمی زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ چند الماریاں اور چھوٹی چھوٹی
میزیں اور بعض دیگر مینا کار چیزیں بھی جابجا رکھی ہوئی تھیں۔ ہم نے وہاں کچھ دیر انتظار کیا۔ دوپہر کے
وقت ہمیں موذن کی اواز سنائی دی۔ وہ کسی مینار سے نہیں بلکہ باغ میں کھڑا ہوکر اذان دے رہا تھا
قرب کی وجہ سے اوسکی آواز معمول سے زیادہ خوش معلوم ہوئی۔ دور سے سننے پر اوس میں پھر بھی ایک
طرح کی نرمی سی پیدا ہو جاتی ہے۔

آخر کار صادق بک نے واپس آکر کہا کہ سلطان المعظم کی طبیعت درست نہیں اسلئے وہ تمہارے ساتھ
بیٹھکر طعام تناول کرنے سے معذور ہیں۔ پھر ایک اور کمرہ کے جو پہلے سے اندر کیطرف تھا دروازے کھولدیئے گئے
ہم نے ایک چھوٹی سی میز پر بکمال لذیذ اور بے نظیر کھانا چنا ہوا پایا۔ میز کے گرد چار کرسیاں بچھی ہوئی
تھیں اور اوس کے وسط میں تین بڑے بڑے طلائی بادئے جن پر نہایت نفیس کام تھا ایسے بے نظیر
پھلوں سے بھرے رکھے تھے کہ ویسے پھل ہمیں ہلنڈ کی میں دیکھنے نصیب نہیں ہوئے تھے۔ دیگر ماکولات
کے علاوہ مچھلی۔ پلاؤ اور چوزے کا گوشت بھی تھا۔ ہمیں نہایت ہی اعلیٰ قسم کی شامپین بھی
دیگئی۔ مگر صادق کے سامنے اوس کیلئے جام نہ رکھے گئے جب کبھی وہ ہمارے ساتھ کھانا کھاتا تھا تو شراب سے
ایسا سخت پرہیز کرتا اور کہا کرتا تھا کہ "میں اسے گناہ صغیرہ تصور کرتا ہوں"۔ کھانے سے فارغ ہونیکے
بعد ہمیں اطلاع دیگئی کہ جلالت مآب ہم سے ملاقات کرنیکے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ ہم صادق بک کے
ہمراہ پھر بڑے ہال کو واپس گئے۔ وہ اوسی جگہ رہا۔ اور منیر پاشا رئیس التشریفات ایک دروازہ میں سے جو اوس
کمرہ کے عین مقابل تھا جس میں سے ہم باہر آئے تھے۔ باہر برآمد ہوکر ہم کو اپنے ساتھ لیگیا۔ ایک چھوٹے سے کمرہ سے
گذر کر ہم سلطان المعظم کے روبرو پہنچگئے۔ جلالت مآب کھڑے ہوئے تھے جب ہم نے قریب پہنچکر فرشی سلام کیا تو
حضور ممدوح نے ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ مصافحہ کیا۔ پھر مجھے ہاتھ سے پکڑ اپنی دائیں جانب ایک سوفا پر جا بٹھایا
اور [illegible] ہمارا فرزند اور منیر پاشا سوفا کے مقابل تین کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

جلالت مآب کے چہرہ پر اوس دن سے جبکہ ہم نے اونکو پہلی مرتبہ دیکھا تھا بہت فرق تھا جب وہ سلاملق کو تشریف لیجاتی ہین تو گو کوئی شخص اون فوجونکی صفونکو چیر کر جو ہر ایک طرف کے صف بستہ کہڑی ہوتی ہین آگے نہین بڑھ سکتا حضور ممدوح کو ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی (مردود) اونکی ذات پر حملہ نہ کر بیٹھے۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ سلاملق کے بعد ہم نے اونکو دیکھا تھا تو چہرہ مبارک پر ابہی تک تردد کے آثار باقی تھے۔ محل میں وہ اپنے تئیں بالکل محفوظ تصور فرماتے ہیں۔ بنابرین وہ اب محل میں بہت خوش اور کمال مطمئن نظر آتے تھے۔ انہوں نے سلسلہ گفتگو یہہ افسوس ظاہر کرنے سے شروع کیا کہ اونکی طبیعت درست نہ رہی تہی اور ابتک بہی بالکل بحال نہیں ہوئی اسلئے وہ ہم کو اپنے ساتھہ کہانا تناول کرنیکے لئے مدعو نہ کرسکے منیر پاشا نے حضور ممدوح کے ارشاد کا فرانسیسی میں یہہ ترجمہ کیا کہ "ہمارے معدہ میں کچھہ فتور آگیا تھا" یہہ عام مشہور بات ہے کہ جلالت مآب ہیضہ کے نام سے کوسوں بہاگتے ہیں پس گو آداب شاہی کے مطابق اونکو ترکی کے سوائے کسی دوسری زبان کے سمجھہ سکنے کا اظہار کرنا مناسب نہیں پہر بہی انہوں نے منیر پاشا کو فی البدیہہ ٹوک کر ترکی میں کچھہ کہا جس پر منیر نے پہلے فرنچ فقرہ کی اصلاح کرکے دوسرے الفاظ استعمال کئے جنکا مطلب تھا۔ "جلالت مآب کی طبیعت ناساز رہی ہے"۔ اسکے بعد حضور ممدوح نے میری نسبت ارشاد فرمایا کہ تمہاری صحت اوسدن کی نسبت جبکہ ہم نے تمکو پہلے دیکھا تھا بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اس عنایت آمیز ارشاد کا میں یہی جواب دیسکتی تہی کہ ٹرکی کی عمدہ آب ہوا مجہے بہت ہی موافق آئی ہے۔ پہر جلالت مآب نے ہماری بیٹی کو تسلی دی کہ ہمارے چلے جانے سے اوسے پژمردہ خاطر نہیں ہونا چاہئے۔ اسکے جواب میں ہوشیار لڑکی نے فی البدیہہ عرض کیا کہ کسی اور ملک میں تو ضرور وہ بہت ہی آزردہ خاطر ہوتا مگر ٹرکی میں اوسکی زندگی ایسی خوشی کے ساتھہ بسر ہوئی ہے کہ وہ اس مجبوری کو چنداں محسوس نہیں کریگا۔ ہمیں اسبات کا وہم و گمان تک بہی نہیں ہوسکتا تھا کہ عنقریب قسطنطنیہ میں آرمینیوں کا خوفناک قتل عام ہوگا اور اس معاملہ میں اوسکو منصبی حیثیت سے بہت کچھہ دخل دینا پڑیگا۔ میرے خاوند کے ساتھہ سلطان المعظم نے اپنے ملک کے مدارس اور اون مساعی جمیلہ کے متعلق جو انہوں نے اپنے سپاہیوں اور اپنی رعایا کی اولاد لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی تعلیم و تربیت کیلئے اسبارہ میں کی ہیں کشادہ دلی کے ساتھہ بحث کی۔ وہ یہہ سنکر بہت خوش ہوئے کہ ہم اونکے ملک کی سیر سے کمال محظوظ ہوئے ہین ہم نے جلالت مآب کا اس امر کیلئے بہی شکریہ ادا کیا کہ حضور ممدوح نے صادق بک کو ہمارے ہمراہ کردینے سے ہر ایک معاملہ میں ہمارے لئے کمال آسانی پیدا کردی۔ اور بدوران اقامت ہم پر ہر وقت نظر عنایت مبذول رکہی اور ہمارے حال پر کمال شفقت ظاہر فرماتے رہے جب امیر المومنین ہمکو رخصت کرنیکے لئے کہڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ اونکی خواہش ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے پاس اونکے ملک میں کچھہ عرصہ بسر کرنیکی یادگار موجود رہے جو یادگاری تحائف ہم کو دوسرے کمرے میں ملینگے۔ پہر ہمارے لڑکے کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا "مین جانتا ہوں کہ انگریزی سفارت کے ممبر کی حیثیت سے تم کوئی تحفہ نہیں لے سکتے۔ مگر مین تمہارے باپ کے بیٹے کو تحفہ دیتا ہوں"۔ سلطان المعظم دروازہ تک ہمارے ساتھہ آئے مگر اسدفعہ مجہے اپنے بازو کا سہارا نہ دیا۔ ہم نے دروازہ پر پہر شکریہ امتنان کا اظہار

لڑکی کو مؤدبانہ سلام کیا۔ اور منیر پاشا چہوٹی کمرہ دہال میں سے ہم کو پہر اوسی کمرہ میں لیگیا۔ جہاں ہم نے پہلے انتظار کیا تہا۔ صاحب تاج بہی ہمیں وہیں آملا۔ منیر پاشا نے وہاں سفید ململ کا ایک بڑا تہیلا جیب سے نکال کر اوس میں سے تین پیکٹ جو سفید کاغذ میں بندہے ہوئے تہے نکالے اور ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک پیکٹ دیدیا۔ میرے خاوند کو طلائی سگرٹ دان تحفہ میں ملا۔ اوس پر سلطان المعظم کا طغرا ہیرے سے زمین پر بنا ہوا تہا اور حاشیہ پر بڑے بڑے حجم کے قیمتی پتہر جڑے ہوئے تہے مجہے ایک نہایت خوبصورت ہیرے کا موباف جوڑے کیلئے عطا ہوا۔ اسکی ساتہہ ہیرے کا ہی بنا ہوا ایک پرندہ تہا جسکی دم زمرد اور لعل کی تہی۔ یہہ پرندہ بطور جگنی گلے میں بہی پہنا جاسکتا ہی۔ اور پیچ سے موباف کے ساتہہ بہی جڑ سکتا ہی جو دونوں بلکہ نہایت ہی خوبصورت زیور بنجاتے ہیں میرے لڑکے کو بہی خالص کندن کا سگرٹ دان ملا جس پر سلطان کا طغرا ہیرے میں بنا ہوا ہی یہہ پرنفیس سگرٹ دان سے چہوٹا ہی۔ اوس نے اس تحفہ کو اپنی پاس رکہنے کی اجازت منگوائی تہی جو اوسے عطا کر دیگئی۔ ان شاہانہ تحائف کو دیکہہ کر ہماری زبان سے خوشی اور تعجب کے جو کلمات بے اختیار نکل گئے اون کو سنکر منیر پاشا نے کہا کہ جو کچہہ تم نے کہا ہی اوسی الفاظ میں سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کرنا مجہہ پر لازمی ہی۔ اور اس طرح سے ہمکو اوس غیر معمولی عنایت و نوازش شاہانہ کا جو ہماری اقامت کے کل دوران میں ہمارے حال پر مبذول رہی شکریہ اونکا ظاہر کرنیکا ایک نادر موقع ملگیا۔ ہمیں دروازہ تک خود منیر پاشا پہونچا کر چہوڑ گیا۔ کوئی خادم سامنے نہ آیا۔ اور ہم محل یلدز سے اوسکو بلند درجہ سکوت گزین کیلئے پسندیدگی و محبت اور رحم کے مخلوط احساس دل میں لئے ہوئے رخصت ہوگئے۔

یہہ سمجہہ میں آنا مشکل ہی کہ وہ شخص جو بلا شک و شبہ اعلیٰ درجہ کا مہمان نواز نہایت ہی لطف سے زبان گفتگو و تکلم میں کمال خوش اخلاق مہربان او رحیم مزاج ہو اور جو جیسی خواہش دوسروں کو خوش کرنیکی رکہتا ہی کیا وہی آدمی ہو جس نے اور کچہہ نہیں تو کم از کم ارمنیوں کے قتل عام میں چشم پوشی اور مسامحت کی ہو یہہ سب کو معلوم ہی کہ اونکو بچوں سے بہت محبت ہی جب ہم ترکی میں تہے تو ہم نے سنا تہا کہ اونکی محل میں ایک کمرہ نہایت خوبصورت اور بیش قیمت کہلونوں سے جو پیرس سے منگوائے گئے ہوئے ہیں بہرا ہوا ہی۔ اور جونہی وہ سنتے ہیں کہ کسی لیڈی کے ساتہہ اوسکا بچہ بہی حرم سرا میں آیا ہی تو وہ ان میں سے ایک دو کہلونے بطور تحفہ لیڈی مذکور کو ارسال فرما دیتے ہیں۔ انگلستان میں عام خیال ہی کہ اگر سلطان المعظم چاہتے تو وہ اس مہیب قتل عام کو جو جا بیجا اونکے نام سے کیا گیا روک سکتے تہے۔ مگر بہر اسکی بابت ہمیں کچہہ کلام ہی جو عیسائی اونکی سلطنت میں رہتے ہیں اونکو بیشمار رعایتیں حاصل ہیں اور اعلی سے اعلی عہدے بہی اونکے لئے ممنوع نہیں ہیں۔ کئی سفرا اور منسٹر یعنی وزیر عیسائی ہیں اسکی نظیر ہمیں انگلستان بلکہ ہندوستان میں بہی نہیں ملتی سلطان المعظم کو تخت کے ساتہہ ہی ایک ایسی مشکل ورثہ میں ملی ہی جسکا بظاہر کوئی تدارک نہیں معلوم ہوتا۔ اونکی عیسائی رعایا بلحاظ تعلیم و ذہانت۔ دولت حشمت۔ اور اقتدار سلطنت کا سب سے زبردست حصہ ہی۔ اور ترک تعداد میں زیادہ اور صلیبی لڑائیوں اور فتح قسطنطنیہ کیوقت سے عیسائی اقوام کو باہمی جنگوں کے طفیل ملک کے مالک ہیں۔ ان دونوں حصوں کے تعلقات کچہہ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ ترک اور عیسائی ہر وقت ایکدوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں چنانچہ جب کبھی کہیں فساد پہوٹ پڑتی ہے

تو سلطان المعظم یا اونکے وزرا کیا شبہ سے حکم دیکر سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ جسطرح ہو بغاوت کو فرو کیا جائے عیسائی خود ہی بتائیں کہ جب دو قومیں جو ایک ہی گورنمنٹ کے ماتحت ہوں ایکدوسرے سے سخت عناد رکھتی ہوں تو وہاں اور کیا چارہ ہو سکتا ہے؟ ہندوؤنکی بہتری اور فلاح کیلئے انگریزی گورنمنٹ نے جو کچھہ کیا تھا وہ دنیا سے پوشیدہ نہیں مگر اونکی طرف سے ایام غدر میں جو محض بیجا اور نامناسب بیوفائی ظہور میں آئی اوسکی کوئی نظیر ہو سکتی ہے؟ پھر اسکے عوض میں جب ہزارہا باغی توپونکے سامنے اڑا دیئے گئے تو اہل ملک سے مخفی نہیں کہ لارڈ کیننگ پر پھر بھی سخت اعتراض کئے جاتے رہے تھے کہ اوس نے باغیوں کے ساتھہ بہت ہی نرمی کی ہے۔ سلطان المعظم جانتے ہیں کہ اگر وہ کسی طرح بہی اپنی غیر مسلم رعایا کی طرفداری کریں تو یورپ میں اونکی سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا اور اونکی مسلمان رعایا اونکے مقابلہ پر اٹھہ کھڑی ہوگی۔ ناظرین کو یہہ بہی خیال ہے کہ سلطان کی سلطنت میں ایک جماعت نوجوان ترکونکی بہی ہے جو آرمینیوں سے بڑھکر اونکی حکومت کیلئے خطرناک ہے۔ اور جو محض اسلئے سلطان المعظم کی وفادار چلی آتی ہے کہ جماعت مذکورہ کو عیسائیوں سے دشمنی ہے۔ ان دونوں قوموں میں ایسا سخت عناد ہے کہ وہ قطعی طور پر کبہی دور نہیں ہو سکتا صرف یہہ ہو سکتا ہے کہ وقتاً فوقتاً عارضی طور پر عناد کا اظہار اور لڑائی میں التوا ہوتا رہے مگر اسکا واقعی خاتمہ صرف دو صورتونمیں ہی ہو سکتا ہے۔ یا عیسائی بالکل معدوم کردیے جائیں یا مسلمان یورپ سے نکالدیے جائیں

کیا یورپین دول نے اس مسئلہ کے متعلق درست طریق اختیار کیا ہے؟ اور کیا انہوں نے صرف عیسائیونکی حمایت کا بیڑہ اٹھاکر اس امر کو فراموش نہیں کردیا کہ ترکی رعایا کو بہی بد انتظامی ٹیکسونکی زیادتی اور کئی دیگر سختیوں کی شکایت ہے۔ فرق فقط یہہ ہے کہ ترک ان سختیونکو عرصہ دراز سے خاموشی اور تحمل کے ساتھ برداشت کرتے چلے آتے ہیں اور اف نہیں کرتے۔ برعکس اسکے ارمنی مدت مدید سے بغاوت اور شورہ پشتی پر چلے آرہے ہیں اگر دول یورپ یہہ اصرار کریں کہ ترکی کی کل طرز حکومت ہی از سرتاپا ایسی خراب ہے کہ اوسے قائم رہنے دینا ناممکن اور یورپ کیلئے باعث شرم ہے۔ اور کہ جب تک ترکونکا باسفورس ورلی طرف رہنا گوارا کیا جائے یہہ لازمی امر ہے کہ اونکی حکومت تہذیب وتمدن کے مسلمہ اصول کے مطابق ہو تو اس صورت میں خواہان اصلاح جماعت جو نوجوان ترکی جماعت کے نام سے موسوم ہے اونکی طرف مایل ہو جاتی اور ترکی کی عیسائی رعایا بہی یورپین دول سے فرنٹ نہ ہوتی اور پھر یہہ مجتمعہ و متحدہ اقتدار اور وہ کل سلطنت کو نئے ڈائنامائٹ اور بمب کے گولے پہینکنے کے بغیر دربار سلطانی سے ضروری اصلاحات حاصل کرلیتے۔ اور یورپ کو وہ خوفناک مقاتل عام دیکہنے پڑتے۔ جو حصول اصلاحات کے لئے ناجائز وسایل اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔

ختم شد

سلہ لیڈی صاحبہ نے آرمینیوں کے قتل عام۔ نوجوان ترکی پارٹی۔ اصلاحات اور سلطان المعظم کے منشا و ارادہ اور اونکی کارروائی کی نسبت جو کچھہ تحریر کیا ہے اوسکے متعلق ہمیں کچھہ تحریر کرنے یا لیڈی صاحبہ کے بعض غلط استدلالات اور قیاسات کی تردید کرنیکی کوئی ضرورت نہیں دکہتا ہمیں اسبارہ میں رسالہ مفروضہ مظالم آرمینیا۔ واقعات دہ سبت سالہ عہد حکومت امیر المومنین عبد الحمید خان غازی خلد اللہ ملکہ اور تاریخ خاندان عثمانیہ میں مفصل تحریر کر چکا ہوں۔ مترجم

قسطنطنیہ حصّہ دوم

(جزو دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسطنطنیہ کی سیاحت اور وہاں کی پُرفضا سبزی اور نظاروں کے متعلق انگلستان کے زندہ سیاح اور مشہور مصنف مسٹر موریں کرافورڈ حسب ذیل تحریر کرتے ہیں:-

فتح قسطنطنیہ

آنحضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے ارشاد فرمایا تھا "مبارک[1] و مغفور ہونگے وہ لوگ جو قسطنطنیہ کو فتح کرینگے" اس موعود مغفرت و برکت کو حاصل کرنے کے لئے بیشمار جان توڑ لڑائیاں اور کئی دلیرانہ معرکہ آرائیاں ہوئیں آنحضرت کے صحابی ایوب رضہ اُس فوجکشی[2] میں شہید ہوئے جو سب سے اول ترکوں نے مشرقی رومن سلطنت کے دارالخلافہ کو فتح کرنے کے لئے کی تھی عیسائی مجاہدین[3] نے شہر کو فتح کر کے قدرے قلیل برکت حاصل کی اور ایک ہفتہ کے اندر اُسپر اسقدر تباہی وارد کی کہ تمام دیگر فاتحین نے بارہ صدیوں میں بھی اُسے ویسا ویران اور برباد نہ کیا تھا۔ آخر رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک ہمنام اور جانشین محمد فاتح

---

[1] حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شہر کے متعلق یہ حدیثیں مروی ہیں اول "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم" میری امت سے اول جو لشکر قیصر کے شہر پر فوجکشی کریگا اُسکے لوگ مغفور ہونگے۔ دوم "لتفتحن القسطنطینیۃ فلنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا" قسطنطنیہ فتح کیا جائیگا اور کیا اچھا ہے وہ امیر جو اسکی فتح کا امیر ہوگا اور کیا اچھی ہے وہ فوج جو اسے فتح کر کے حاصل کرنے والی فوج ہو (مترجم)

[2] یہ فوجکشی معاویہ بن ابی سفیان کے زمانہ خلافت میں بقول بعض ۴۸ھ و بقول دیگر ۵۲ھ میں کی گئی تھی جسکا خاتمہ آخر میں صلح پر ہوا تھا

[3] یہ مجاہدین بیت المقدس کو مسلمانوں سے فتح کرنیکے لئے یورپ سے روانہ ہوئے تھے مگر راستہ میں اپنی ہی ہم مذہب سلطنت کے دارالخلافہ کا محاصرہ کر کے ۱۲۰۴ء میں اُسے فتح کر لیا اور بالڈون کے زیر حکومت قسطنطنیہ پر لاطینی بادشاہی قائم ہوگئی جو ۱۲۶۱ء تک قائم رہی (مترجم)

جسے ترک اپنے کل درسکے فاتح و منصور سلاطین پر ترجیح دیکر فاتح کے ممتاز لقب سے پکارتے ہیں اُس
فتح کے درپے ہوا قسطنطین اول کی وسیع و عظیم الشان سلطنت گو اُسکے آخری ہمنام کے زمانہ میں صرف شہر کی
چار دیواری تک محدود ہو گئی تھی لیکن محمد کو اس چند میل مربع کے لئے بھی جو سینٹ صوفیا اور قلعہ پیرا کے حصار کے
درمیان ہے کئی برس لڑائی کرنی پڑی۔ اس فتح کیواسطے ناقابل تسخیر بڑے بڑے قلعے تعمیر کرنے پڑے بڑی بڑی
خندقیں کھودنی پڑیں اور حملہ آور بیڑہ کے جہازات کو پانی سے باسفورس کے کناروں پر اُٹھانا پڑا جو دلدلوں سے ہو کر
اور گزرگاہوں کی مدد سے خشکی پر کھینچکر بہر خلیج گولڈن ہارن میں ڈالے گئے۔ اور ان ابتدائی مرحلوں کو طے کرنے کے بعد
عین آخری وقت سخت جانگداز اور خونخوار لڑائی کرنی پڑی۔

آخری قیصر اپنے شہر کے دروازہ پر جان توڑ کر پیدل لڑتا ہوا ہلاک ہوا اور فاتح گھوڑے پر سوار مقتولین
کی لاشوں پر سے گذرتا ہوا آیا صوفیہ کے جنوبی حصہ میں داخل ہوا۔ جہاں اُسنے قریب ترین ستون پر اپنا خون آلود
ہاتھ مار کر اپنی فتح کا خونی نشان لگا دیا جو آجتک دکھائی دیتا ہے۔ فاتح کے داخلہ کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے
اُس کی درستی اور صحت کا میں ذمہ دار نہیں۔ تاریخ نہ سہی کم از کم روایت یہی کہتی ہے۔ فی زمانا اگرچہ چار دیواری
کے اندر کوئی خونریزی ہونے سے بھی قطعاً انکار کیا جاتا ہے اور وثوق کیساتھ کہا جاتا ہے کہ جو عیسائی اُس میں جمع
ہوئے تھے اُنکو بلا کشت و خون گرفتار کر لیا گیا تھا تاہم ہم لوگ جو اس ترقی و تہذیب کے موجودہ زمانہ میں رہتے ہیں اور
وہ زمانہ ایسا ہے کہ اسمیں فوجونکی فوجیں [illegible] ہو جاتی ہیں اور سلطنتیں کھمبوں کی طرح ایک رات میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور
گوبی کے پھولوں کی طرح ایک دن جوبن دکھا کر دوسری صبح دھوئیں کی طرح معدوم و فنا ہو جاتی ہیں۔ اور ایسی
بے ثباتی ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا استعاروں میں سے بھی کوئی ایک فی الحقیقت اُسپر پورا پورا صادق نہیں آسکتا اُن
[illegible] دور تسلط و زوال کے کارناموں کو جو مذہبی اعتقاد اور دینی پرجوشی کے پرلطف زمانہ میں وقوع میں آتے تھے
اُنکی [illegible] ہونے کی وجہ سے بے اختیار نظر محبت سے دیکھتے ہیں اور اُنکو کبھی غلط تصور کرنا گوارا نہیں کر سکتے
آجکل کے زمانہ میں سلطنتیں ایک دوسری سے لڑائی کرنے کے لئے مدتوں پہلے انتہا لمبی چوڑی تجویزیں کرتی رہتی
اور تدابیر سوچتی رہتی ہیں کہ انسان کی طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ کیوں نہیں پہلے زمانہ کی طرح
جھٹ پٹ معاملہ کو یکسو کر دیا جاتا۔ اس انیسویں صدی میں اب جو مصر کی جنگ ہو گی اُسمیں شریک ہونیوالی
سلطنتوں کی طول طویل فوجی تیاریں اور جنگ کرنیوالی فوجوں کی نقل و حرکت اور اجتماع کی تجاویز کے طومار پر جو جنگ
مذکور کی بساط پر عمل میں لائی جائینگی گھنٹوں غور کرتے رہنے کی بجائے انسان کا دل یہی چاہتا ہے کہ وہ اُس عالیشان

مسجد کے نیم تاریک مسقف راستہ میں کھڑا ہو کر ایک لمحہ کیلئے اسے درست یاد کر لے کہ نیم مہذب نبرد آزماؤں (یعنی محمد
فاتح) نے عیسائی خون کا نشان اسمیں اس امر کی علامت میں لگایا تھا کہ اب وہ اُسکی ملکیت ہوگئی ہے۔ اگر یہ معاملہ
صحیح ہے تو اُس ایک چھاپہ میں اور اگر یہ محض روایت ہے تو اس روایت میں مشرق کی کل تاریخ اور داستان مرکوز ہے
حقیقت یہ چھاپا لگایا گیا تھا اُسوقت مغرب نے مشرق کا مقابلہ کیا اور اُسکے سامنے ہزیمت یاب ہوا۔ اُسوقت جو گذشتہ
زمانہ کی باتیں تھیں وہ نسیاً منسیاً ہوگئیں اور استقبال حال ہونا شروع ہو گیا یعنی سلطنت کے قائم کرنیوالوں نے جنکے
ہاتھ خون سے رنگے ہوئے تھے قدیم سلطنت کے آخری حصن حصین کو ہار لیا اور قسطنطین جسٹینین اور یونانی قیاصرہ
کا قسطنطنیہ ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ اور یہ بے بہا مرصع زیور جو تین نقرئی سمندروں کے محل اتصال پر
جڑا ہوا ہے یورپ کی گردن سے اُتار لیا گیا تاکہ ایشیا کے تاج میں گوہر شب تاب کا کام دے قیصر جسٹینین۔ اُسکی
قیصرہ تھیوڈورا اور اُسکے اندھے سپہ سالار بیلی ساری اس۔ الغرض زمانہ گذشتہ کے تمام یونانی ناموروں کی روحیں
اور اُنکے آثار اُن تمام کج درو دیوار اور ستون دار گیلریوں اور ایوانوں سے جو ہتھول کے نیچے پھیلے ہوئے تھے
ابد الآباد کیلئے غائب ہوگئے۔ اور اُنکی بجائے آل و اولاد اور ورثا کی لاشوں سے ابھی خون جاری ہی تھا کہ اُنکے
ورثہ کے مالک نے اپنی قوم اور اپنی ذات کیلئے اُس خیر و برکت کے عطا ہونیکی دعا مانگی جسکا تقریباً آٹھ سو برس پیشتر
رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا (یعنی جامع ایا صوفیا میں نماز شکرانہ ادا کی)

تاریخ عالم میں ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کوئی شہر ایک ہزار برس سے زیادہ تک ایک سلطنت کا دار الخلافہ رہکر چوبیس
گھنٹوں کے اندر دوسری ایسی سلطنت کا دار الخلافہ ہو جائے جسکے بانی مبانی اور رونق دہندگان مغلوب قوم سے
مذہب، ملت، زبان اور اوضاع و اطوار اور رسم و رواج میں قطعاً مختلف و متضاد ہوں۔ یہ طبعی امر تھا کہ محمد
کی فتح قسطنطنیہ کی حالت میں جو اچانک تغیر پیدا ہو گیا تھا وہ اہمیت اور نوعیت میں بہت ہی بڑا تغیر ہو۔ لیکن
پھر بھی جو کچھ انقلاب ہوا اُس سے فاتح کی اوصاف حمیدہ کی بہبی شہادت مل رہی ہے۔ اُسدن سے لیکر
آجتک یہ یقینی ہے کہ قسطنطنیہ میں کسی عیسائی یا یہودی کو ایذا نہیں پہنچائی گئی۔ استنبول پیرا اور اسکودرہ
(سقوطرا) کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو ترکی دار الخلافہ میں آجکے دن عیسائیوں کی تعداد مسلمانوں سے غالباً زیادہ
پائی جائیگی جسکا باعث ترکوں کی بے تعصبی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ گو اُن کی اس صفت کا عام طور پر
چنداں اعتراف نہیں کیا جاتا۔ یہ بیشک درست ہے کہ بڑے بڑے گرجوں کی مسجدیں بنالی گئی تھیں اور جہاں
کہیں اُنمیں صلیب کے نشان تھے وہاں وہاں ہلال کا نشان بنا دیا گیا تھا اور مزید برآں اُنکی دیواروں پر اولیا

فرشتوں اور متبرک لوگوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں انپر فی الفور چونہ کا پلاسٹر کروا دیا گیا جس سے اکثر تصویریں ہمیشہ کیلئے نظر سے چھپ گئیں اور اسلام کی سخت سادگی پسندی نے ان تصویروں کی جگہ چند نام اللہ ـ محمد ـ ابوبکرؓ ـ عمرؓ ـ عثمانؓ ـ علیؓ ـ حسنؓ ـ حسینؓ لکھوا دیئے ـ استنبول کی ہر مسجد میں یہ آٹھوں نام نہایت خوبصورتی کیساتھ عربی خط میں آٹھ تختیوں پر لکھے ہوئے ہیں جو مسجد کے اندر آویزاں ہوتی ہیں اور دنیا میں شاید ہی کوئی مسجد ہو گی جسمیں اس طرح یہ نام نہ لکھے ہوئے ہوں ـ مگر اسکے ساتھ ہی یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں ہو سکتا کہ ترک فنا کنندگان نہ تھے ـ بلکہ برعکس اسکے انہوں نے اپنی مساجد کیلئے عیسائی گرجے کا نمونہ پسند کیا ـ چنانچہ ترکوں نے جسقدر مسجدیں قسطنطنیہ میں تعمیر کی ہیں وہ تقریباً سب کی سب کم و بیش ایا صوفیا کے نمونہ پر ہیں ـ

قسطنطنیہ کی دلچسپی اور اسکے نام میں ایسا جادو ہے جو فی الفور دلوں کو اسکی طرف کھینچ لیتا ہے بڑی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ وہاں ہر ایک عمارت اور ہر ایک چیز کے متعلق جو صدیوں کے انقلابات سے اب تک بچی چلی آئی ہیں طرح طرح کی مختلف روایتوں کے طومار در طومار موجود ہیں ـ عمارتوں کیواسطے گرجا ایا صوفیا کو اور دوسری چیزوں کے لئے ڈلفی کے ستون کے بے سر سانپ کو جو آتمیدان میں کھڑا ہے نمونہ سمجھو ـ قسطنطین نے اس سہ سانپ کے ستون کو پہلے ڈلفی سے قسطنطین کے ہاتھوں قسطنطنیہ منگوایا ـ جہاں وہ اس موقعہ پر کھڑا کیا گیا جسکا ڈلفی کے مندر کے بت نے ابتدا میں حکم دیا تھا ـ اس انتقال کی متعلقہ روایتیں عجیب و غریب افسانوں سے بھری ہوئی ہیں ـ

اس روایت میں بھی قضا اپنا رنگ دکھا رہی ہے کہ جب محمد فاتح مشرقی سلطنت کے دار الخلافہ کو تیسرا نام دینے کیلئے شہر پر قابض ہوا تو اسنے شہر میں داخل ہونے کے پہلے ہی دن اپنے جنگی تبر سے سانپ کا تیسرا سر اڑا دیا ـ اسمیں کلام نہیں کہ قدیم زمانہ کی موجودہ چیزوں میں سے بہت کم ایسی ہیں جنکا پائی تھولس کی اس یادگار سے زیادہ پرانا اور گہرا تعلق دنیا کی قدیم ترین تہذیب سے چلا آتا ہو ـ اسکے سر غائب ہو گئے ہیں مگر اور سب طرح سے سالم ہے ـ وہ آتمیدان میں مشرق کی تیز دھوپ میں تن تنہا کھڑی ہوئی ہے ـ اور کسی اور انقلاب کا انتظار کرتی دکھائی دیتی ہے ـ کون کہہ سکتا ہے کہ شاید ایک صدی بھی گذرنے نہ پائے اور کسی تہذیب کے ہاتھ اسے یہاں سے اٹھا کر لیجائیں اور دوسری جگہ اسے کھڑا کر کے اسپر پھر پرستو مندر بنا دیں اور اسکے تینوں سروں کو پھر اسی طرح درست کر دیں جسطرح کہ وہ پان اعظم کی وفات سے پہلے ٹوبس یا پولو کے زمانہ

اقتدار میں تھے۔ کون جانتا ہے کہ شاید وہ فاتح پیدا ہو چکا ہو جو اللہ جل جلالہ۔ اور محمد صلعم اور چہار اماموں کی ڈھالوں کو اکھیڑ کر انکی جگہ پھر طلائی مورتیں جڑوا دیگا۔ مگر خواہ نوشتہ تقدیر میں ایسا واقع ثبت ہی ہو میں اس دن پر جبکہ یہ انقلاب عظیم واقع ہوگا غور و فکر کرنا نہیں چاہتا۔ تاہم یہ کہہ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ خواہ عثمانلی قوم کسی دن پھر ایشیا کے اسی گمنام گوشہ میں جا پڑے جہاں سے وہ آئی تھی قسطنطنیہ جسکا نام بھی شاید بدلجائے بدستور قدیم پھر بھی مشرق کا دار الخلافہ۔ ایشیا کی طلائی کلید اور ایسا گوہر تاباں رہیگا جسکی ہوس و تمنا کبھی تاجداران کو ستاتی رہیگی اور جسپر قیامت تک دنیا کی طامع قومیں آپس میں لڑتی جھگڑتی رہینگی

ترکوں کے اوصاف

قسطنطنیہ کی سب سے حیرت انگیز چیز اسکی بیحد جانداری اور بارونقی ہے جس نے اسکو باوجود اس قدر انقلابوں کے جو متزلزل کرنیکے تھے اب تک قائم و برقرار رکھا ہوا ہے۔ ٹرکی کو "مرد بیمار" اور قسطنطنیہ کو جو دنیا کے نہایت ہی بارونق اور آباد شہروں میں سے ہے ویران و بوسیدہ کہنا ایک معمولی بات ہو رہی ہے۔ مگر جس شخص نے غلطہ پل کے کسی سرے پر چوبیس گھنٹے بھی صرف کئے ہوں وہ استنبول کی جگہوں یا غلطہ پل یا خود غلطہ کے پر ہجوم بازاروں یا اس سے اوپر کے محلہ پیرا کی نسبت کبھی وہم و گمان میں بھی بیرونقی کا بعید ترین شائبہ تک کا تصور نہیں کر سکتا۔ یورپین سیاح خواہ وہ آسٹریلیا کے رہنے والے یا اٹلی کے اس دار الخلافہ کی چہل پہل رونق شگفتگی اور گرمی بازار دیکھکر دنگ رہجاتا ہے۔ دنیا کے کسی اور شہر میں نو وارد کو بنی نوع انسان کی اسقدر مختلف قسمیں ایکدوسرے کے دوش بدوش گذرتی دکھائی نہیں دیتیں۔ یورپ کے ہر ایک ملک اور ایشیا کی ہر ایک قوم کے آدمی وہاں موجود ہیں۔ غلطہ پل پر جو سفید پوش اہلکار پل گذری کا محصول وصول کرنے پر مامور ہیں حضرت آدم کی موجودہ نسل کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ ترین نمونے انکو محصول کا پیسہ دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ دنیا کے اکثر اور دار الخلافوں کی طرح یہاں یہ بات بھی نہیں کہ کسی خاص خط و خال یا رنگ کے لوگ دوسری قسموں سے زیادہ پائے جائیں بلکہ سب طرح کے لوگ یکساں بیشمار نظر آتے ہیں۔ خود ترکوں کی نسبت یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا انکو ایک قوم کے افراد تصور کیا جائے یا مختلف اقوام کے افراد کا مجموعہ سمجھا جائے جنکو اسلام نے ایک مشترک رشتہ سے وابستہ کر رکھا ہے۔ تم کسی مسجد میں چلے جاؤ وہاں تمہیں خالص النسل ترک جنکے رنگ کی صفائی ناروے کے باشندے کے چہرہ کی رنگت کو بھی ماند کر رہی ہوگی۔ افریقہ کی تاریک سرزمین کے سیاہ ترین حبشی کے دوش بدوش کھڑے سجدہ میں مصروف دکھائی دیگا۔ اور جونہی تم مسجد میں داخل ہو دونوں کی نظریں بالکل ایکساتھ خود بخود تمہارے قدموں کی طرف پڑینگی۔

دیکھنے کیلئے کہ آیا تم بوٹ اُتار کر یا اُن پر "بابوج" (موزہ) پہنے ہوئے ہو یا نہیں جو بالعموم ہر مسجد کی دروازے پر اسغرض کیلئے رکھے رہتے ہیں۔ رومن کیتھولکوں کیطرح مسلمانوں میں بھی مشترک اعمال و رسومات بکثرت ہیں اور ان کثرت و عمومیت میں کوئی نہ کوئی چیز ایسی موثر ہے کہ انسان مسلمانوں کے اس تقاضا و طلب کو کہ انکے عبادت گاہ کا احترام کیا جائے بے اختیار عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ میں اسموقعہ پر شروع ہی میں ناظرین سے یہ کہدینے کی اجازت چاہتا ہوں کہ بلاد مشرق کی متعدد سیاحتوں اور قدری رہائش کے بعد مجھے ذاتی تجربہ سے خالص ترکوں کی اوصاف حمیدہ کا پورا پورا یقین ہو گیا ہے مگر خالص ترک کی شرط لازمی ہے۔ یونانیوں، ارمنوں، ایرانیوں اور افریقیوں نے اپنے آپکو ترک مشہور کر کے اور بعض اوقات سرکاری عہدے ملجانے پر اپنے فرائض بددیانتی سے ادا کر کے بیچارے ترکوں کو بدنام کر رکھا ہے ورنہ ترک بذاتہم نہایت شریف النفس اور دنیا کی اعلے اور غالب قوموں میں سے ہیں وہ بالطبع خوبصورت، دراز قامت، کمال جفاکش و متحمل اور بے اندازہ مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ انکا رنگ نکھرا ہوا اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ وہ متین، پاکیزگی پسند اور ایسے دیانت دار ہیں کہ اپنا نقصان گوارا کر لینگے لیکن دیانت صداقت کو کبھی نہ چھوڑینگے۔ اسمعاملہ میں وہ چالاک یونانیوں اور ارمنوں سے جو انکا خون جگر پیکے موٹے ہو رہے ہیں کبھی برسر نہیں آسکتے۔ بلاد مشرق میں عام کہاوت ہے کہ ایک ارمنی کو دغا دینے کیلئے دس یہودی اور ایک ایرانی کو دغا دینے کیلئے دس ارمنی درکار ہوتے ہیں۔ خالص ترک ایسے بدمعاشوں سے بھلا کب پورے نپٹ سکتے ہیں وہ ان شریر شخصوں سے ویسے ہی برسر آسکتے ہیں جیسے شاید کہ خود یہ بدمعاش ایک متوسط ذہانت کی ہندو (بنئے) سے۔ قسطنطنیہ کی عجیب و غریب مخلوط الاقوام آبادی ہی ترکوں کی سادگی اور شرافت کا بدیہی ثبوت ہے ترک آسانی سے دھوکہ کھا جاتے ہیں چنانچہ انکی سادگی سے فائدہ اٹھانیکے لئے دنیا کی چار کھونٹ سے لوگ قسطنطنیہ میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس امر کو ذہن نشین کر کے قسطنطنیہ کے بازاروں میں ٹھہرا ہو جائے اور تھوڑی دیر کیلئے اپنے دماغ سے بھی کام لینے کی تکلیف گوارا کرے تو اسے اس بیان کی پوری پوری تصدیق ہو جائیگی۔ ملک کی پیداوار کم اور ممالک غیر سے بھی زیادہ مال واصل نہیں ہوتا۔ وہ گو بحیرہ روم اور بحیرہ اسود کے درمیان بحری راستہ کا ایک بڑا اڈہ ہے پس ان یونانیوں اور ارمنوں کا جم غفیر جو باسپورس کے بلند ترین مقام سے لیکر بیری قلعہ اور دروازہ ایڈریانوپل کے قریب دھوا یعنی استنبول کے انتہائی سرے تک کچا کچ بھرے ہوئے ہیں اگر ترکوں کو نہیں لوٹتے رہتے تو اور کس چیز پر گذارا کر کے موٹے اور فربہ و مالدار بن رہے ہیں۔

کیا تم کو قسطنطنیہ میں کبھی کوئی ایسا یونانی یا ارمنی بھی ملا ہے جو سرکار سے کسی "امتیاز" "اجارہ" ٹھیکہ یا کسی اور

خاص رعایت کا طلبگار نہ ہو۔ اور کیا ان امتیازات۔ اجاروں یا ٹھیکوں کی بدولت ترکوں کو آخر بہ حیثیت اجارہ دار یا
کوتاوان اور ہرجانے نہیں دینے پڑتے ہمکاروباری لوگوں کے اسقدر انبوہ کی کھپت اور انکے گذارہ کیلئے بنیا
کارخانے کوٹھیاں یا اجناس کی منڈیاں اور ریلوے لائنیں درکار ہیں مگر کیا حسب ضرورت کارخانے اور کوٹھیاں
وغیرہ کہیں دکھائی دیتی ہیں؟ پھر یہ لوگ کس طرح گذارہ کر رہے ہیں؟ کاروبار کے بہانہ سے ترکوں کو لوٹ لوٹ کر

غلطہ پل سے نظارہ

غلطہ پل کی خوبیوں اور اسکے دلکش منظر کی پوری پوری کیفیت پہلی نظر میں نہیں بلکہ کچھ دیر مشاہدہ کرتے رہنے کی
بعد واضح ہوتی ہے اسے وینس اور فلورنس کی ہر دو مشہور آفاق پلوں کا مجموعہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ پل کشتیوں پر بنا ہوا ہے
اسکے درمیان ایک جوڑ ایسا ہے جسے حسب ضرورت ہٹا کر جہازوں اور کشتیوں کیلئے راستہ بنالیا جاتا ہے۔ یہ ٹکڑا صرف
رات کو ہٹایا جاتا ہے۔ پل عرضاً تین حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ میں گاڑیوں اور پیدل مسافروں کا راستہ ہے دوسرے
حصہ میں جو چنداں عریض نہیں چھوٹی چھوٹی دوکانوں اور قہوہ خانوں کی قطار ہے۔ اور تیسرا وہ حصہ ہے جہاں خالی
جہازوں پر چڑھنے اترنے یا مال آتارنے چڑھانے کے لئے مسلسل پلیٹ فارم بنے ہوتے ہیں کل سال کا اوسط نکالکر
ہم نے سرسری طور پر اندازہ لگایا ہے کہ ہر روز غلطہ پل سے ۲۰ ہزار آدمی گذرتے ہیں۔ اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل
ہیں جو اسکودرہ اور باسفورس کو جانے کیلئے پل پر سے گذر کر جہازوں کی گھاٹوں کو جاتے ہیں۔ اس پل پر ایک ایسا
مقام ہے جہاں انسان گھنٹوں آرام وچین سے قہوہ اور سگرٹ نوش کرتے ہوئے پل پر سے گذرنے والوں کا ایک
سلسلہ یا گھاٹ سے جہازوں پر اترنے چڑھنے والوں اور غلطہ کے قایق چیوں اور حمالوں کی اوضاع واطوار اور طریق
دستور کو جو غلطہ کی طرف کے سرے پر پل سے مشرق کی طرف کے گھاٹ پر جمع رہتے ہیں بخوبی دیکھ سکتا ہے اکثر
یورپین سیاحوں کو اس مقام کی خبر نہیں یہ خوشگوار مقام اُس قہوہ خانہ کا ایک گوشہ ہے جو استنبول کو جاتے ہوئے پل
کی بائیں طرف سب سے پہلے آتا ہے۔ اس قہوہ خانہ میں ایک وسیع ہوادار اور کمال ستھرا اور پاکیزہ کمرہ ہے۔ اور کمرہ کے
تین طرف دریچے ہیں جنہیں سے ہر وقت گرم سے گرم دن میں بھی ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے۔ کمرہ کے اس گوشہ میں
بیٹھ جاؤ جو پل اور بندر غلطہ سے قریب ترین ہے۔ اور شکر لی (میٹھی) یا سادہ (بلا قند) قہوہ کی ایک پیالی تیار کئے جانے
کا حکم دیکر اپنا سگرٹ سلگالو اور مشاہدہ شروع کر دو۔ جو منظر تمہارے پیش نظر ہوگا وہ ایسا رنگ برنگی اور کثیر الالوان ہوگا
کہ آنکھیں چندھیا جائنگی۔ پھر لطف یہ کہ وہ رنگ ساکن نہیں ہونگے۔ بلکہ سینما کی رنگین تصویروں کی طرح رواروی
گذرتے چلے جارہے ہونگے سب سے اول جو چیز آنکھوں کو محسوس ہوگی وہ فیس (ترکی ٹوپیوں) کی کثرت اور بہتات ہی

سینکڑوں نہایت شوخ سرخ رنگ کی بالکل ہم شکل نیم مخروطی ٹوپیاں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر سُرخ کھمبیوں کے جھنڈوں کی طرح تقریباً ایک ہی سطح پر حرکت کرتی اور ایکدوسری کے پاس سے گذرتی دکھائی دیں گی۔ فس کو سلطان محمود ثانی الملقب بہ مصلح نے جسنے اسے یونانی ٹوپی میں تھوڑا سا ردوبدل کرکے اختراع کیا تھا رواج دیکر سرکاری ملازموں کے سر کی پوشش قرار دیا تھا۔ ان سے وہ بھاری بھاری دستاریں جنکو پہلے فوج اور تمام سرکاری اہلکار باندھتے تھے مفقود ہوگئیں۔ رنگ کی شوخی کو اگر علیحدہ رکھا جائے تو یہ ٹوپی نہ اتنا چنداں خوشنما اور خوش شکل نہیں مگر اسمیں کلام نہیں کہ ساتھ ہی صفا و ستھری وضع ہوتی ہے۔ اس سے سر کی پوشش میں یکرنگی و یکسانی پیدا ہوگئی ہے۔ اور لمبے سیاہ ریشمی پھندنے کیوجہ سے اسکو پہن لینے پر افسروں اور سپاہیوں کے سرخ چہروں پر ایک قسم کا رعب و جلال برسنے لگ جاتا ہے۔ لیکن ابھی عمامے بالکل غائب نہیں ہوئے۔ وہ ابھی تک موجود اور بکثرت مروج ہیں جو زیادہ تر سفید یا سبز رنگ کے ہوتے ہیں۔ اکثر غربا اس امر کے اظہار کی کے لئے کہ وہ مسلمان ہیں اپنی ٹوپیوں کے گرد سفید یا سرخ کپڑا لپیٹ لیتے ہیں۔ سفید اور سبز رنگ کے عمامے علماء کا امتیازی لباس ہے۔ اسے وہی پہنتے ہیں جنہوں نے دینی تعلیم پائی ہو۔ گو یہ ضروری نہیں کہ وہ بالضرور علماء کا کام بھی کرتے ہوں۔ علماء کی باقی پوشاک بھی قدیم طرز کی ہے۔ یعنی گھیردار تنگ آستین کا سیدھا سادھا چغہ۔ جو سامنے سے کھلا ہوتا ہے۔ اور اُسکے نیچے سے سفید بیداغ قمیص اور کلابتوں کے کام کی صدری دکھائی دیتی رہتی ہے۔ کھلی شلوار۔ اور بہت چوڑا کمربند جیسے سرخ کے سوا اور سب رنگوں کے ہوتے ہیں۔ مگر اب زیادہ رواج یورپین طرز کے لباس کا ہے۔ فوجی وردیاں ہوبہو جرمن فوج کی وردیوں کی نقل ہے اور سویلینوں (غیر فوجی) اشخاص کا لباس مغربی یورپ کے شرفاء کے لباس سے ملتا جلتا ہے۔ علماء خوب رعب داب اور متانت کے ساتھ چلتے ہیں جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لباس کی خوشنمائی پر نازاں اور اسکی وقعت سے باخبر ہیں۔ جسکے سر پر سبز پگڑی ہو اُسے جان لو کہ پیغمبر کے خاندان سے ہے جو حضرت ابراہیم کے خاندان کی طرح جسکے بڑھانے کا خدا نے وعدہ کیا تھا کثرت میں صحرا کی ریت کے ذروں کے برابر ہوگیا ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب بناوٹی سید ہیں۔ سادات کی نسل سے ہونے کے دعوے میں اکثر سچے ہیں کیونکہ سبز کپڑے کا نشان خاندان میں ابا عن جد چلا آتا ہے اور باپ سے بیٹے کو ملتا ہے پس یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص جسکا خاندان پشتوں سے ایک جگہ رہتا ہو اپنے آپ ہی یہ نشان لگا کر سید بن جائے۔ ہاں کوئی گھر سے باہر جاکر ایسا کرے تو وہ دوسری بات ہے۔ سیدوں کے گھرانے کی عورتیں بھی اپنے گھروں میں سبز ریشمی

سونے کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا بطور نشان اپنے کپڑوں سے لگا لیتی ہیں۔ مکانوں سے باہر یہ نشان عورتوں کے شاذ و نادر دیکھا جاتا ہے۔ شاید یشمق بار فریجہ کے پیچھے چھپا ہوا ہوتا ہوگا۔ فریجہ اُس گھیرے دار جبّہ کو کہتے ہیں جسے تمام عورتیں گھروں سے باہر نکلتے وقت گردن سے پاپوش کی ایڑیوں تک پہن لیتی ہیں جوتیاں سب عورتوں کی اعلےٰ درجے کے ولایتی چمڑہ کی ہوتی ہیں۔ یشمق اب وہ نہیں رہ گیا جو دس برس پہلے تھا۔ موجودہ یشمق چہرہ کو چھپانے کا سلطان کا کام نہیں دیتا۔ سلطان المعظم نے اس بارہ میں سخت احکام جاری کر رکھے ہیں۔ مگر کوئی عورت اُنکی تعمیل کی پروا نہیں کرتی۔ آجکل اکثر صرف پیشانی کو باریک سی سفید ململ کے نقاب سے ڈھانپ کر نقاب کا باقی حصہ ٹھوڑی کے نیچے گچھا کر دیتی ہیں۔ وہ دوہری پٹی جو آدھے چہرہ اور ناک پر ہوتی تھی اب بالکل غائب ہو گئی ہے۔ یا صرف اُسوقت پہن لیجاتی ہے جبکہ آپ شہر کے ہی عام تفرجگاہوں میں ہوں یا قالیقوں میں بیٹھکر خلیج گولڈن ہارن اور باسفرس کی سیر کر رہی ہوں پرانی طرز کے نقابوں کا رواج ہٹ جانے سے قسطنطنیہ کے بازاروں سے ایک بڑا دھوکہ اور چھلاوا دور ہو گیا ہے۔ ان نقابوں سے انسان کی طبیعت خواہ مخواہ اُلجھتی تھی کہ ہم کچھ تو ہے جسکی یہ پردہ داری ہے۔ سفید پٹیوں میں صرف آنکھیں دکھائی دیا کرتی تھیں جو تنہا دیکھے جانے پر کمال سیاہ طرحدار مست اور دلآویز نظر آتی تھیں۔ اُسوقت خواہ مخواہ یہی خیال ہوتا تھا کہ اس یشمق کے نیچے حور کا چہرہ پنہاں ہے۔ مگر اب نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ باریک یشمقوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ سب سراب ہی تھا۔ ورنہ پہلے بھی وہی زرد رنگ اور نحیف چہرے ہوتے تھے۔ جو اب دکھائی دیتے ہیں۔ ترکی مستورات کے حسن کی کیفیت دیکھکر مجھے اکثر تعجب ہوتا تھا کہ شاید انکے گھروں میں آئینہ کا عام رواج نہیں ورنہ وہ اس بضاعت پر اپنے یشمقوں کو کبھی باریک نہ کرتیں۔

مگر قہوہ خانہ کے دریچے میں بیٹھے ہوئے متحرک انبوہ کے لباسوں یا خط و خال کی پوری پوری چھان بین کرنیکی اصلا فرصت نہیں ملسکتی جو کچھ تمہیں دیکھنے والے نظر آئیگا وہ یہی ہے کہ متحرک دھوپ اور چمک اور سایہ اور رنگ آپس میں ملجلکر عجیب شاندار کھچڑی بنا رہے ہیں۔ مشرقی و مغربی طرز معاشرت کا حیرت افزا اجتماع اُدھر ٹھٹھ ہو رہی ہے۔ اِدھر ایک نہایت ہی صاف اور شستہ پوشاک کا آدمی ہے اور اُدھر اُسکے شانہ بشانہ غلیظ ترین انسان موجود ہے۔ یہاں ایک فوجی ایجوٹنٹ زریں کمر بند لگائے عرب گھوڑے پر سوار جا رہا ہے۔ ساتھ دوسری طرف ایک کمال بدبخت اندھا اور لنجا گدا گر ہاتھ پھیلائے "ان پارہ" (ایک پیسہ) راہ خدا دیتے جاؤ کی مسلسل ہانک لگا رہا ہے۔ ایجگہ کوئی سید آل رسول سبز عمامہ باندھے جاہ و تمکنت کیساتھ

آہستہ آہستہ چلا جا رہا ہے اُسکے قریب ہی نہایت زرد رنگ کوئی تنکی لیڈی سفید و سیاہ فرجیہ میں چھپی ہوئی
ہنیکرانہ جا رہی ہے اور اُسکے پیچھے پیچھے اُسکی شوخ چشم حبشن کنیزک ہے۔ جسکا نقاب اپنی خاتون کے نقاب
سے بھی ہلکا اور ڈھیلا ڈھالا ہے۔ کہیں کوئی متبرک صورت درویش ہلکا خاکی۔ ہلکا سبز یا فولادی ہوئے
رنگ کے کپڑے اور لمبی نوکدار کلاہ پہنے سر و چشم جھکائے چلا جا رہا ہے۔ کہیں کوئی نوعمر فوجی طالب علم
جسکی عمر غالباً بارہ برس سے زیادہ نہیں چپت وردی ڈانٹے اکڑتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایک نر شتر و حبشی غلام
اُسکے ساتھ ساتھ ہے۔ اور اگر وہ لونڈا ذرا بھی دائیں بائیں ہو تو فی الفور اُسے گھونسہ رسید کر دیتا ہے۔ یہ نظارہ کچھ
دیر آنکھوں کے سامنے رہا تھا کہ یکبارگی انبوہ پھٹ جاتا ہے اور ایک شاندار گاڑی اُسمیں سے بجلی کی طرح
کوندتی ہوئی گذر جاتی ہے۔ اسمیں غالباً کوئی سفید ریش۔ چپت کوٹ۔ پتلون۔ ذلقہ وزیر سلطنت سوار تھا
جو سلاملق کو جا رہا ہوگا۔ یا یلدیز کوشک سے بابعالی کو واپس آ رہا ہوگا۔ اگر گاڑی بند بردام نہ ہو اور اُس سے آگے اردلی کے
بھی کچھ سوار تھے۔ تو سمجھ لو کہ اُسمیں خاندان قیصری کے بیشمار شہزادوں میں سے کوئی نحیف بدن و نفیس
مزاج و دروشیم دق زدہ شہزادہ سوار تھا۔ انسانی سروں کا یہ دریا سفید دھوپ میں ادھر سے اُدھر
لہریں مارتا رہتا ہے۔ اس سے پرے سمندر کا شفاف نیلگوں پانی اور اسی رنگ کا آسمان اور دور فاصلہ پر
پہاڑیوں کی باریک سی دھاریاں نظارہ کی دلفریبی کو غایت درجہ تک بڑھاتے دیتی ہیں۔ یہ درخشاں
سیلاب پُل پر سے اس طرح گذرتا رہتا ہے جسطرح پگلی ہوئی دھات کی دھار بھٹی سے نکلکر دوڑتی ہوئی
سانچہ میں گرتی رہتی ہے۔ اور کل نظارہ کچھ ایسا دلکش اور دلآویز ہے کہ انسان کے حواس تقریباً مبہوت
ہو جاتے ہیں *

اس کا یہ حیرت افزا اثر صرف نوواردوں پر ہی نہیں پڑتا۔ بلکہ تم دیکھوگے کہ وہ موٹا تازہ توندل
یونانی بھی جو تمہارے قریب چرمی بنچ پر بیٹھا ہوا ہے اس نظارہ کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ طفولیت سے
اسکی آنکھیں اُس سے مانوس ہو رہی ہیں۔ اور اُسکے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ وہ باورچی ہے اور اُسکی آنکھیں
صفرا زدہ ہیں تم کو اُسکا باورچی ہونا اس سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ وہ نارگیلہ (حقہ) پی رہا ہے۔ اور جن لوگوں کی
قسطنطنیہ کے قہوہ خانوں میں عام آمد و رفت رہی ہے اُنسے پوشیدہ نہیں کہ تمباکو نوشی کی یہ طرز تقریباً محض اسی
پیشہ والوں کی پسندیدہ خاطر ہے۔ وہ چولہے میں آگ کو روشن رکھنے کی مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے۔ مگر
اسکے اور تیز حنکی آنچ ونکے باوجود غلطہ پل کے دوپہر کے وقت کے دلفریب منظر سے اُسکی بیمار و زرد آنکھیں ایک لحظہ

کبھی نہیں ہٹتیں۔ صوبجات متحدہ امریکہ کے مغربی ساحل کے مشہور بندرگاہ سان فرانسسکو سے لیکر چین کے
دارالخلافہ پیکن تک کل دنیا میں اُسکی نظیر موجود نہیں۔ اور نہ کوئی اور منظر ایسا دلفریب۔ وضعداری شوخ شگفتہ مختلف
الانواع اور جامع اتضادات وعناصر مختلفہ ہے۔ ان بیشمار آدمیوں میں سے جو ہر لحظہ نظر سے گذرتے ہیں۔ اور
انسانی بود و باش کے دو جیتوں (استنبول و پیرا) کے درمیان جو صرف ایک تنگ سے راستے سے آپسمیں ملے
ہوئے ہیں شہد کی مکھیوں کی طرح ادہر سے اُدھر تانتا باندھے ہوتے ہیں۔ دس میں کی ہر قطع وضع اور نزاش خراش
کی پوری کیفیت نظم و نثر یا افسانہ میں بیان کرنی حیطہ انسانی سے خارج ہے۔ بیان کرنا تو درکنار انسانی تصور کے
پاۓ ثبات ایسا کرنے کی کوشش سے ہی ڈگمگا جاتے ہیں*

قسطنطنیہ کا منظر

اول اول قسطنطنیہ کو دیکھنے پر جو نقشہ میرے دل پر قائم ہوا ہے میں مدت العمر فراموش نہیں کر سکتا۔ اُس سے
بعد خوش نصیبی سے مجھے کئی مرتبہ قسطنطنیہ کو سال کے مختلف موسموں اور دن کے مختلف وقتوں اور حصوں میں
دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مگر پہلی دفعہ کے نظارہ کی دلچسپی اور خوبصورتی کو مابعد کا کوئی نظارہ نہیں پہنچا۔ مجھے
یاد ہے کہ فروری کا مہینہ تھا جب کہ ہمارا اسٹیمر بحیرہ مارمورا سے باسفرس میں داخل ہوا۔ اُسوقت سخت برفباری
ہو رہی تھی۔ برف کے پینبے ایسی سرعت و کثرت کے ساتھ گر رہے تھے کہ بمشکل کوئی عمارت بھی صاف صاف دکہائی
دیکھتی تھی۔ مگر جونہی ہمارا جہاز جامع ایا صوفیا کے بالمقابل پہنچا۔ برف یکبارگی بند ہو گئی۔ بادل ہٹ گئے صاف
نیلگوں آسمان برآمد ہو گیا اور ہمارے پیچھے سے صبح کا آفتاب نکل آیا جس سے استنبول پر روشنی چھا گئی۔ اسوقت
کا سماں کمال حیرت افزا تھا۔ ہر ایک گنبد اور مینار برف سے ڈھپا ہوا تھا۔ اور [illegible] معلوم ہوتا تھا کہ گویا تمام
خوبصورت شہر چاندی کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ اور پھر صناع دستکاروں نے اُسپر طرح طرح کی کندہ کاری
کر دی ہے۔ نازک مینار روشنی کی کرنوں کی طرح سر بفلک دکہائی دینے لگ گئے۔ اور سیاہ شمشاد چاندی کے سے
معلوم ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ بدی قلعہ بھی جو مغربی فصیل کی انتہا پر واقع ہے خالص سنگ مرمر کا مکان نظر آتا تھا
صرف سمندر کا رنگ اور تھا چند لحظہ پہلے وہ غلیظ و کثیف سا تھا۔ اب دھوپ کی چمک سے وہ بلکیفت سخت نیلگوں
رنگت کا ہو گیا جو نیلم کی بجاۓ زیادہ تر لاجورد کے مشابہ تھی۔
اس نظارہ کی کیفیت ہرگز بیان نہیں ہو سکتی۔ نہ ویسا منظر میں نے عمر بھر دنیا کے xxxxxxxxxxxxx
کسی اور حصہ میں دیکھا ہے یہ کیفیت چند لحظے ہی اپنی جھلک دکھا کر کافور ہو گئی۔ ابر پھر گھر آئے۔ روشنی دہندلی گئی

برف پڑنی شروع ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر تک بارش اور بعد ازاں اور برفباری ہوئی۔ اُس وقت ہم خشکی پر پہنچ گئے ہوتے تھے۔ گلیوں کے کیچڑ۔ سنسانی۔ پت نالوں کی بوچھاروں اور سرد ہوا کے جھونکوں سے جوتیوں کے کو دیکھ کر بھی پیچ و تاب ہی تھی ہماری بُری گت بنی اور دل یہی چاہتا تھا کہ فوراً ہوٹل پہنچ جائیے تاکہ اُسکے کسی آرام دہ کمرے میں آتشدان کے پاس بسیرا کیا جائے۔ ممکن ہے اس دوسری کیفیت نے ہی پہلی کیفیت کو دماغ کے خانہ یادداشت میں اُسکی قدر سے زیادہ نمایاں جگہ دلادی ہو۔ مگر یادداشت کے بعض سلسلے کچھ ایسے خوشگوار ہوتے ہیں کہ انسان کو انپر کچھ تاسف نہیں ہوتا۔

تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے میں نے قسطنطنیہ کی تصویر کو ایک اور روشنی میں جو پہلی سے بالکل ہی مختلف تھی دیکھا۔ ایک دن مجھے محلہ قاضی کوئی[1] میں دیر ہوگئی۔ اور شام پڑ گئی۔ مگر چونکہ رات ضرور پیرا واپس جانا تھا میں نے چار چپوں کی قائق کرایہ کر لی گرمی کی بہار تھی۔ چاند چھٹی یا ساتویں رات کا تھا اور خوب روشن چمک رہا تھا۔ مگر شمال کی طرف دور فاصلہ پر کچھ ابر دکھائی دیتے تھے اور سطح سمندر پر سرد و تیز ہوا چل رہی تھی کشتی آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی کہ بادل بڑھتے بڑھتے چاند تک پہنچ گئے۔ اور جب ہم توپ کاپے کے مقابل پہنچے تو طوفان رعد و برق پورے زور سے شروع ہوگیا۔ یکبارگی کمال تاریکی چھا گئی اور پل کے لیمپوں کی دھندلی روشنی اور سمندر کی سفید جھاگ کے بغیر جو سامنے نظر آرہی تھی اور سب چیزیں دکھائی دینے سے رہ گئیں۔ پانی کی بڑی بڑی بوندیں برسنے لگ گئی تھیں لیکن ملاح روشنی کے مینار موسومہ "مینار لینڈر" کی سرخ روشنی کی مدد سے جو ہمارے عقب اور دائیں رخ تھا کشتی کو برابر کھیتے گئے۔ اتنے میں بجلی بھی چمکنی شروع ہوگئی تھوڑے تھوڑے لمحوں کے بعد اُسکی چمک سے دونوں شہر پیرا اور استنبول ایسے روشن ہو جاتے کہ دور دور کے مکانات کے دریچے اُن کی عمارتوں کے دیگر جزئیات اور حتی کہ مسجدوں کے میناروں پر کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی صاف دکھائی دیجاتیں۔ اُس وقت یہی معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر آگ کے شعلوں سے مشتعل ہوگیا ہے جو دوسرے ہی لمحہ بجھ جاتے ہیں اور پھر یکبارگی روشن ہو جاتے ہیں۔

قسطنطنیہ کا سب سے بہتر نظارہ جسکا اثر بھی دیرپا رہتا ہے۔ گرمی کے موسم میں نظر آتا ہے۔ اُن دنوں مسلسل دھوپ کی کرنوں سے ہر گلی کوچہ اور کونہ صبح سے شام تک یکساں روشن رہتا ہے۔ اور اُنکے سامنے تاریکی و سایہ اس طرح غائب ہوتا جاتا ہے جسطرح گرمی نمی کو چوس لیتی ہے۔ اُس موسم میں تمام

[1] قاضی کوئی ایشیائی ساحل پر اسکودر کے قریب واقع ہے۔ اور پیرا یورپی ساحل پر غلطہ کے اوپر۔ (مترجم)

دیکھو گے کہ اُن ساقیوں کو جو سلطان احمدؔ کے خوبصورت فوارہ کے زرین جنگلہ کے اندر بیٹھے ہوتے ہیں مومن و کافر بلا تمیز مذہب کل پیاسوں کو ٹھنڈے پانی کے چھوٹے چھوٹے کٹورے دینے سے ایک لمحہ کی فرصت نہیں ملتی۔ یہ وہ دن ہیں جبکہ گلیوں کے کتے آپسمیں لڑنا جھگڑنا بھول جاتے ہیں اور روشن سایہ میں جو دوسرے شہروں کی دھوپ کے برابر ہوتا ہے گرمی سے ہانپتے ہوئے لیٹے رہتے ہیں۔ اور ویسے دعا کرتے رہتے کہ ہر ایک رہگذر رحمدل ترک ہو جو اُنکو تکلیف دینے کی بجائے خود ایک قدم پرے ہٹ کر گذر جائیگا۔ کوئی یونانی یا ارمنی نہ ہو جو خود ایک گز پرے ہو جانے کی بجائے بیچارے کتوں کو بوٹ کی ضرب سے سڑک کے نصف پار پھینک دیگا۔ محل توپ کاپو سرائے کے ایوان اور مسقف راستوں میں گلگشت کرنے کا مزا بھی اسی موسم میں آتا ہے اس محل میں ایک مختصر سا کتب خانہ بھی ہے جسمیں خاندان عثمانیہ کے سلاطین کی عجیب اور حیرت بخش تصویریں رکھی ہیں۔ مگر وہ ہر ایک کو نہیں دکھائی جاتیں۔ محمد فاتح۔ بایزید صوفی۔ سلیمان عظیم الشان۔ احمد اوّل۔ بانی شش منار جامع مسجد۔ محمود مصلح قاتل ینگچریاں ورواج و مہذب فیں اور دیگر اکثر سلاطین نے اسی وسیع و فراخ محل میں اپنی زندگیاں بسر کی تھیں۔ یہ سلاطین تھے تو ایک ہی خاندان کے مگر ہر ایک کی اُمنگیں اور خواہشیں ایکدوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ بعض ایسے عیاش منش تھے کہ روسن قیصروں کے وہم و گمان میں بھی ویسے عیش عشرت کے سامان کبھی نہ گذرے تھے۔ بعض سپاہی منش اور سادہ طبیعت اور سخت مزاج چند کمال رحمدل۔ اور بعض سفاک و خونخوار۔ مگر مطلق العنانی میں البتہ سب یکساں تھے۔ فرق یہ تھا کہ بعض اصولاً اسکے قائل تھے مگر عمل نہیں کرتے تھے بعض اسپر عامل تھے۔ اور باقی میں دونوں باتیں تھیں۔ ان سب کی تصویریں وہاں موجود ہیں ہر ایک بادشاہ پورا مسلح۔ شاندار درباری پوشاک میں ملبوس اور مرصع کلغی دار عمامہ باندھے ہوئے ہے اکثر کے چہروں پر درشتی اور جلال برستا ہے۔ اسبات سے وہ بھی خالی نہیں جنکے بشروں پر زنانہ عیش و عشرت کے بھی تھوڑے بہت آثار پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ سلطان صرف پادشاہ و شہنشاہ کا مرادف ہی نہیں بلکہ "ہنکار" (بلفظ ہنکیار) قاتل انسان کا بھی لقب رکھتا ہے۔ محل کی ڈیوڑھی میں دونوں پھاٹکوں کے درمیان ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جو مقتل کا کام دیتا تھا۔ وہیں بیشمار پاشا۔ وزرا اور ارکان سلطنت جلاد کی کی کمان کا شکار ہوتے تھے۔ چند لمحے پہلے انکے دلوں میں ارمان ہوتے تھے کہ سلطان ہم پر نوازش کریگا۔ اور ہمیں خلعت عزت بخشیگا۔ مگر انکو یہ خبر نہ تھی کہ قضا سر پر کھیل رہی ہے۔ سمندر کی طرف محل میں ایک چھوٹا سا

بھیانک ہے۔ اسکی نسبت بیشمار روائتیں مشہور ہیں مگر وہ ویسی مستند تاریخی واقعات نہیں جیسے کہ متذکرہ صدر کمرہ "جلاد اودا سی" [1] کے متعلق روائتیں معتبر ہیں عام روایت یہ ہے کہ جن کنیزکوں پر سلطان کا غتاب وارد ہوتا انکو ٹاٹ کے تھیلوں میں جنہیں پتھر وغیرہ ڈالکر اور وجھل کر دیا جاتا تھا بند کر کے اس دروازے کے راستہ سمندر میں پھینک دیا جاتا تھا جہاں انکا جسم مچھلیوں کی خوراک بنجاتا تھا۔ لیکن اگر تمہارے ساتھ کوئی یونانی رہنما ہو۔ تو وہ تمہیں قسمیں کھا کر یقین دلائیگا کہ پہلے سلطان مقتول یونانیوں کو یہ تہ نیکے لئے جسمانی عقوبت پہنچایا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنا زر و مال کہاں چھپایا ہوا ہے۔ اور پھر انکی لاشوں کو اس دروازہ کے رستہ سمندر میں پھنکوا دیا کرتے تھے لیکن سلاطین نے عیسائیوں کو جو شاہی سندات عطا کی تہیں انہیں دیکھکر اس روایت پر مطلق اعتبار نہیں ہو سکتا۔ مزید براں خود عیسائی موخین کی کتابوں سے بہی اس امر کی بہت ہی کم رجوع ہونے کے برابر ہے تصدیق ہوتی ہے۔ البتہ خاتونان حرم کے قصے کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ انکے حالات بیرونی دنیا کو شاذو نادر معلوم ہو سکتے تھے۔ اس وسیع عظیم الشان محل کے کمروں میں سیاح کو عالم تصور میں اتبک یہی محسوس ہوتا ہے کہ اتبک نازنینان حرم کی دلاویز آنکھیں سفید نشیمنوں میں سے دیکھ رہی ہیں۔ اس کتب خانہ کے شاہی مرقعوں میں کسی بیگم کی تصویر نہیں ہے

یہاں کی دوکانداری اور خرید و فروخت بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ انگریزی میں مثل ہے کہ ہر شخص کا گھر اسکا قلعہ ہے۔ یہ ٹرکی میں ہر ایک شخص کی دوکان پر لفظاً و معناً زیادہ صادق آتی ہے۔ ہر گاہک کا دکان کے سامنے نمودار ہونا اسکی باقاعدہ محاصرہ کرنیکے برابر ہے۔ ٹرکی میں سودا پختہ کرنے پر لازمی طور سے بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اور یہی تعویق غالباً بازاروں میں ہر وقت انبوہ رہنے کا باعث ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی چیز کے خریدنے کا خواہشمند ہو جسکی قیمت عام معلوم یا از روے رواج مقرر نہ ہو تو خریدنے سے پہلے اسے کئی مرتبہ دوکاندار کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اگر ہر شخص کی نسبت قیاس کر لیا جائے کہ اسے چار مرتبہ جانا پڑتا ہے تو اسکا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہوگا کہ بازار کے پیچ در پیچ رستوں اور بغلی گلیوں میں فی الواقع کاروبار اور خرید و فروخت کی مقدار کے مطابق جسقدر آدمی ہونے چاہئیں انسے چوگنے موجود رہتے ہیں۔ یہ طریق واقعی بڑا تکلیف دہ ہے۔ جسوقت اول اول مطلوبہ شئے نظر آئے تو تم کو بالکل بن جانا چاہئے اور اپنا چہرہ ایسا قایم رکھو کہ گویا تمہیں اس چیز سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ پھر دوکاندار سے کم از کم

[1] جلاد اودا سی کے لفظی معنی ہیں جلاد کا کمرہ۔ یہ کمرہ "دروازہ" اور "طہ کا پو" یعنی محل کے بڑے دروازہ کے نیچے ہے (مترجم)

سو مختلف چیزوں کی قیمت پوچھو اور انہی میں اُس خاص چیز کی قیمت پوچھو۔ اگر تم چھوڑ جاؤ گے تو سوداگر کو شبہ ہو جانا امکان میں داخل ہے کہ تم فی الواقع اُسی چیز کے متلاشی ہو۔ معائنہ سے فارغ ہو کر قہوہ کی پیالی طلب کرو اور دوکاندار سے کہہ دو تمنے کوئی چیز خریدنی نہیں تھی محض تفریح کیلئے قیمتیں پوچھتے رہے تھے۔ اسکے بعد چند دنوں کا وقفہ کر کے پھر جاؤ اور متعدد اشیا کا مول کرا کر واپس چلے آؤ۔ تیسری مرتبہ اگر تم شئے مطلوبہ کو زیادہ غور سے دیکھو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جو دام دوکاندار کہے اُسکا تیسرا حصہ اُسے بتاؤ۔ چوتھی مرتبہ معرکہ کی تیاری کر کے جاؤ۔ دوکاندار نے اگر دیکھ لیا کہ تم سچے متمول اور غیر مستقل مزاج نہیں تو غالباً قیمت مطلوبہ کی دو تہائی پر فیصلہ ہو جائیگا۔ اور اسمیں تم گھاٹے میں نہ رہو گے لیکن دوکاندار کے مسلمان یا یہودی ہونیکی شرط لازمی ہے۔ عیسائی دوکاندار تو سر سے پاؤں تک مونڈ لیتے ہیں۔ اُنسے ایسے بچتے رہو جیسے طاعون سے یہ طریقہ بجائے خود بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ان متواتر چکروں اور دردِ سر کا معاوضہ کافی مل جاتا ہے۔ بازار میں ہر ایک چیز پُراسرار ہے اور اکثر خوبصورت بھی ہیں۔ اس ہیرا پھیری میں تمہیں اُنکی مفت میں سیر ہو جائیگی بازار کیا ہے؟ فصیلدار شہر کے اندر دوسرا فصیلدار شہر ہے اور اس دوسرے شہر میں ایک ناممکن التسخیر قلعہ بنا ہوا ہے جسکے چاروں طرف تنگ گلیاں اور تاریک کوچے اور راستے موجود ہیں۔ کل مجموعہ پیچ در پیچ راستے بھول بھلیاں کو پرے کرتے ہیں اور خود وہاں کے رہنے والے بعض اوقات اُنہیں چکرا جاتے ہیں ڈاٹ دار سقف ہے جسپر دریچہ دار چھوٹے چھوٹے گنبد روشنی کیلئے بنے ہوتے ہیں اس چھت کے نیچے دنیا کے ہر حصہ کے باشندوں کا ہجوم غفیر کاروبار میں مصروف اِدھر اُدھر چکر لگاتا رہتا ہے اور ہر دوکان اور کنج مغربی تہذیب اور مشرقی صنعت کی ہر ایک پیداوار سے اَٹا ہوا ہے۔ مگر مشرقیت کی بو ہر طرف پائی جاتی ہے۔ یہ وہ بو ہے جو نو واردوں کو تو بہت پیاری معلوم ہوتی ہے مگر اُن یورپینوں کو جنہوں نے مشرق میں اقامت اختیار کر لی ہو سخت ناگوار گذرتی ہے۔ الغرض کل دنیا میں یہ فخر استنبول کے بازار "چارشی" کو ہی حاصل ہے کہ یورپ ایشیا اور افریقہ تینوں براعظموں کی پیداوار ایک جگہ ایک دوسرے سے ملی جلی ہوتی موجود پائی جاتی ہے سب مرکزوں کا مرکز اور قسطنطنیہ کے سوداگروں کا محفوظ امانت گھر اور قلعہ "بازستان" (زرہ فروشوں کی منڈی) ہے جو چارشی کے اس اندرونی حصہ میں کہا جاتا ہے بے انتہا زر و دولت موجود ہے۔ ہر قسم کے سکے جواہرات۔ ہر قسم کے قیمتی پتھر۔ ریشمی قالین۔ بیش بہا اقمشہ اور کار چوبی پارچات۔ سونا چاندی۔ اسلحہ اور ہر قسم کی مشرقی دستکاری کے بیش قیمت نمونے لکڑی کے صندوقوں میں ایسی بے احتیاطی سے رکھے

ہوتے ہیں کہ یورپین دیکھکر حیران رہجاتا ہے۔ ان صندوقوں کو کم بیش آہنی پتریاں اور پٹیاں تو لگی ہوتی ہیں مگر قفل معمولی قسم کے ہیں۔ تاہم آجتک بازستان میں کبھی کوئی چوری نہیں ہوتی۔ اسمیں بڑے بڑے مضبوط پھاٹک ہیں جو شام کو سویرے بند کئے اور زیادہ دن چڑھے کھولے جاتے ہیں۔ اور سوداگروں اور دیگر امانت جمع کرنیوالوں نے بیشمار چوکیدار نوکر رکھے ہوتے ہیں جو مشرق کے قدیم طریق کے مطابق جسکا یورپ میں بھی عنقریب رواج ہونیوالا ہے دن رات پہرہ دیتے رہتے ہیں عجیب غریب قفلوں اور زنجیروں ولبیوں کے بنانے میں صدیوں تک اپنی ذہانت صرف کرکے یورپ کو اب یہ سمجھ آنی شروع ہوگئی ہے کہ سب سے بڑھکر حفاظت صرف زیادہ روشنی اور معتبر چوکیدار سے ہوسکتی ہے۔

اس جگہ جو سوداگری کا مال یا قدیم اشیاء فروخت کے لئے جمع ہیں انکی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کرنا سراسر فضول ہے۔ ایسی فہرست ایک سو جلدوں میں بھی ختم نہیں ہوسکتی۔ وہاں کوئی دو چیزیں یکساں نہیں وہاں انسان مشرق کی دستکاری کی مقدار عظیم۔ اسکی مختلف اقسام اور گوناگونی اور صنعتی خوبصورتی دیکھکر دنگ رہجاتا ہے۔ اہل مغرب ان امور سے میں بہ نسبت گذشتہ کی نسبت اب زیادہ باخبر اور واقف ہیں۔ اسوقت تو ایک معمولی تربیت یافتہ یورپین کسی قالین کو دیکھکر یہ تمیز نہیں کرسکتا تھا کہ آیا یہ فرانس کے شہر جیبڑ کی ساخت ہے یا سمرنا کی۔ لیکن ان دستکاریوں کو دیکھکر انسان کے دل میں خود بخود یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر وہ بیشمار آنکھیں جو فضول کتابوں کی تحریر میں دن رات غرق رہتی ہیں۔ اور وہ بیرون از حد و حساب انگلیاں جنکا بڑا کام یہ ہے کہ انجنوں کے ہاتھوں کی طرح بیکار رہیں کسی ایسی مفید چیز کی تیاری میں مصروف ہوں جو مشین کی نہیں بلکہ ہاتھ سے بنائی گئی ہو تو کیا دنیا اب سے زیادہ دولت مند اور زیادہ خوبصورت نہ ہوجائے۔

قسطنطنیہ کی دلفریبی زیادہ تر ان تین سمندروں کی بے نظیر خوبصورتی پر منحصر ہے جو اسکی دیواروں کے نیچے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اور ان تین سمندروں کی شہرت زیادہ تر انکی قائیقوں کی طفیل ہوتی ہے یہ امر منتازعہ فیہ اور قابل تصفیہ ہے کہ آیا ترکوں نے اہالی وینس کی کشتی موسومہ گنڈولا کی نقل اتاری ہے یا وینس والوں نے ترکی قائق کی لیکن ان دونوں میں ایسی زبردست مشابہت ہے کہ یہ یقینی امر ہے کہ ان دونوں کی اصلیت مشترک ہے۔ گنڈولا سے اسکی چھتری اتار لو اور منقار نما اگلے حصہ کو ہٹا دو تو جو باقی رہجاتا ہے وہ ہو بہو قائق ہے۔ قائق اپنے جسم اور جسامت کے برابر کی تمام دوسری کشتیوں سے سبک سیر کمال آرام دہ اور آسانی قابو میں رہتی ہے۔ باقی رہے انکے ملاح وہ ترک ہوتے ہیں جو یورپ بھر میں بہترین

ملاح ملتے گئے ہیں۔ اگر وہ ایسے نہ ہوں تو ایکدن کام نہ کرسکیں۔ باسفرس اور گولڈن ہارن ہر قسم کی کشتیوں اور جہازوں سے پٹے رہتے ہیں۔ اور انکا پانی اس تیزی سے بہتا ہے کہ ذراسی غفلت بھی مہلک اثر رکھتی ہے۔ مزید برین ان کشتیوں کو عموماً فاصلے بھی ایسے لمبے لمبے طے کرنے پڑتے ہیں کہ معمولی لیاقت کا کشتی بان محض تفریح یا کثرت کسب کے لئے ان کو طے کرنا گوارا نہ کرے ایسے دریا میں جسکی دھار بعض بعض جگہ چار پانچ میل فی گھنٹے کی رفتار چلتی ہو دھار بند کو کے مقابل ۵ یا سولہ میل تک کشتی کو کھینا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

اجنبی اکیلا ہو جیکی صورت میں خائن سے محترز رہتا ہے کیونکہ ایک تو وہ کشتی بان سے کرایہ کا فیصلہ نہیں کرسکتا۔ یا اگر رہنما ساتھ ہوا اور اسنے سودا کرا دیا تو ملاحوں کے علاوہ تہرسی اکیلی کی صحبت میں بیٹھنا پڑتا ہے اور اور وہ مسلسل بکواس کرتے رہنے سے دماغ کو چاٹ جاتا ہے مگر یہ سواری نہ کرنے سے وہ گھاٹے میں رہتا ہے کبھی جمعہ کی سہ پہر کو گولڈن ہارن میں ایسے وقت جبکہ کشتی بحری کارخانہ سے پرے کی چوڑی کھاڑی میں داخل ہو اور سورج پہاڑی کے عقب میں ہو گیا ہو خاموش ملاحوں کے بالمقابل کسی ساتھی کے بغیر تن تنہا گدی کی گدیلوں پر سہارا لگا کر لیٹے ہوئے سگرٹ پیتے رہنے سے جبکہ کشتی تیزی کیساتھ سطح آب پر تیرتی جارہی ہو وہ کیفیت حاصل ہوتی ہے جو ڈھونڈھوں نہیں بھول سکتی خلیج جابجا تنگ اور چوڑی ہوتی جاتی ہے۔ جہاں وہ چوڑی ہو گئی ہے تو کچھ آگے جاکر پھر یکبارگی تنگ ہوجاتی ہے۔ اور اسی طرح پھر چوڑی اور پھر تنگ۔ سایہ اور روشنی دوش بدوش پڑے رہتے ہیں۔ سبز پہاڑیوں کا عکس برابر پانی میں پڑتا رہتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ہلکی پھلکی کشتیوں کی رفتار سے پیدا شدہ ننھی ننھی سی موجیں۔ تیاق جیبوں پہنے ملاحوں اور مردانہ سواریوں کی سرخ ٹوپیاں۔ سفید براق قمیصیں اور زرق برق کی پوشاکیں۔ اور زنانہ سواریوں کی سیاہ مخملی گونوں اور زرد بیچوں کے گوناگون رنگ عجب دلکش سماں بنا رہے ہوتے ہیں۔ جہاں دریا (خلیج) چوڑا ہو وہاں کل کشتیاں دستی پنکھے کی طرح اسکی سطح پر پھیل جاتی ہیں اور ہر ایک کشتی والے کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ تنگ موقعوں پر سب سے اول وہی پہنچے۔ ان تنگ موقعوں پر کشتیوں کا پھر ہجوم ہو جاتا ہے۔ اور اسوقت ملاحوں کی استادی ظاہر ہوجاتی ہے۔ کہ وہ بہتیرے سے کس طرح اپنی کشتیوں کو بچائے رکھتے ہیں اور کوئی تصادم نہیں ہونے دیتے الا شاذ و نادر اگر ایک کشتی دوسری سے چھو جائے تو طبیعت پر کیسا ضبط رکھتے ہیں اور ایکدوسرے سے قطعاً سخت کلامی یا گالی گلوچ نہیں کرتے۔

ان تنگ حصوں میں جابجا خوبصورت چوبی پل بنے ہوتے ہیں۔ اور خلیج کے کنارے ان موقعوں پر پست اور سبز گھاس سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ کشتیاں ان پلوں کے نیچے سے عجیب پھرتی کیساتھ گذرتی ہیں

کناروں پر جابجا چھوٹے چھوٹے گھنے جھنڈ ہیں ہر ایک جھنڈ میں قہوہ فروش اپنی چھوٹی سی انگیٹھی جس پر ہر وقت کوئلے دہکتے رہتے ہیں پانی کی صراحی اور صفا پیالیوں کی قطار لگائے بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ ان کناروں پر اور مرغزاروں میں کتنوں کے کتنے ٹھنڈے گھنے سایہ میں ساری سہ پہر آرام کرتے رہتے ہیں۔ عورتیں اور بچے گھاس پر ایک طرف چادریں باندھے ہوتے ہیں۔ اور مرد اُن سے کسیقدر فاصلہ پر آپس میں ملکر بیٹھے ہوتے ہیں عورتیں فرجیوں سے سارے جسم کو لپیٹ کر اور اپنے یشمقوں سے خوب احتیاط سے چہروں کو چھپا کر بیٹھتی ہیں قیصری بنگلہ کے قریب درخت زیادہ گھنے ہیں اور لوگوں کا ہجوم بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے۔ مصری بین نواز اور شہنا سے بجانیوالوں کی عجیب و غریب عربی سُریں جنمیں سے بعض کرخت بعض سریلی مگر حیرت انگیزی میں سب یکساں ہیں شام کی سہانی فضا میں اور دلفریبی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ لوگ آپس میں کم بات چیت کرتے ہیں چپکے بیٹھے یا لیٹے ہوئے قدرت کے مزے لوٹتے رہتے ہیں۔ البتہ سب طرف قفلیاں بیچنے والی کی صدا "دوندالہ قیماق" (ملائی کی قفلیاں) برابر گونجتی رہتی ہے۔ محل سے اوپر درخت اور بھی گنجان اور بلند ہیں اور خلقت کا بہت زیادہ ہجوم ملتا ہے اعلےٰ سے اعلےٰ اور نفیس سے نفیس گاڑیوں سے لیکر ٹوٹے ہوئے دہقانی چھکڑے تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوتی ہیں۔ جابجا سائبان اور خیمے بھی موجود ہوتے ہیں یہ دوکانداروں کے ہیں اور وہاں سے تم گوشت۔ ملائی۔ پنیر۔ سادہ قفلیاں شربت قہوہ اور سگرٹ جو ہر شخص کے منہ میں ہوتا ہے خرید سکتے ہو۔

یہ ہے وہ موقعہ جو یورپ کے آب شیریں کے نام سے مشہور ہے۔ اُس جگہ خوشگوار سایہ میں خنک آب رواں کے قریب کچھ دیر بیٹھکر مشرق کی بھینی بھینی ملائم ہوا کا لطف اُٹھاؤ۔ اور اُسوقت تک جبکہ شفق نمودار ہو جائے اور تم بالیقین واپس جانی شروع ہو جائیں اپنے تصورات کا مزہ اُٹھاتے رہو۔ یا اگر تمہاری طبیعت کاروباری ہے اور صبح تم خرید و فروخت کے لئے بازار میں رہے ہو اور وہاں تمہیں کسی دوکاندار ایرانی قالین پسند آیا ہو تو آپ وہاں لیٹکر اُس یہودی اسحاق یا بسے یار عیسائی مارشٹو یا دیانتدار ترک دوکاندار مسمی عثمان بک کو قابو کرنیکی تدابیر سوچتے رہو۔

قسطنطنیہ کا رہائشی حصہ

کاروباری محلوں کی حدود اور سرکاری دفاتر اور وزارت خانوں کے قرب و جوار پرے قسطنطنیہ دنیا کے خاموش ترین شہروں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ یورپین لوگوں کی نظروں میں ترکوں کی خانگی

معاشرت پراسرار معلوم ہوتی ہے۔ مگر فی الحقیقت وہ ایسی مخفی چیز نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہے۔ دیگر بلاد کی طرح بلاد مشرق میں بھی گھر کے نوکروں کا یہی حال ہے کہ وہ اکٹھے ہو کر گپیں ہانکتے رہتے ہیں۔ اور آپس میں عموماً ذکر کرتے رہتے ہیں کہ آج ہمارے آقاؤں نے فلاں فلاں کھانے کھائے۔ انکی خاتونیں اتنی دفعہ بالوں کو حنا سے رنگتی ہیں۔ دن میں اتنی مرتبہ غصے سے بے بس ہو جاتی ہیں۔ اور اسقدر رقم کی دوکانداروں کی مقروض ہیں لیکن گو یہاں بھی سب چیزیں اسی طرح وقوع میں آتی رہتی ہیں جس طرح کہ انسانی بود و باش کے دیگر مقامات میں۔ تاہم تنگ و تاریک کوچوں کے مکانات کے بند دروازے اور جالی دار کھڑکیاں نامحرم کی نظر کو ہرگز اندر دخل نہیں پانے دیتیں۔ سکارہ یا رحمص شہر کے مرکز یعنی بازار سے مغرب کی طرف جانے پر دوسرے حصوں کی نسبت بازاروں میں بہت کم عورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اور جو باہر نظر بھی آتی ہیں انکے نقاب زیادہ تر اور چہرہ کے زیادہ حصہ پر پڑے ہوتے ہیں۔ یہاں ترکی آبادی ہے جو شہر کے وسط سے شروع ہو کر دروازہ ایڈریانوپل اور فتح مسجد کی جانب ٹہنتی چلی گئی ہے۔ مکانات عموماً دو منزلہ ہیں اور مختلف الحیثیت۔ بعض نہایت مضبوط اور بعض بالکل بوسیدہ اور دو دیگر ان دونوں کے بین بین۔ ابھی تم کو پختہ اینٹوں یا پتھر کی نہایت خوبصورت نفیس اور مصفا عمارت ملیگی۔ جسکے چھجے باہر کو نکلے ہوئے ہونگے اور زینہ تک ایسے صاف و شستہ ہونگے کہ بوٹ سمیت ان پر چڑھنے کو دل نہ چاہیگا۔ اسکے ساتھ ہی دوسرا مکان ایک چھوٹا سا چوبی جھونپڑا ہوگا جسکے تختے اور کڑیاں ایسی بوسیدہ اور خمیدہ نظر آئینگی کہ تم اسکو دیکھتے ہی حیران رہجاؤ گے یہ مکان قائم کس طرح ہے۔ اسکے بعد تمہیں غالباً کسی کفشدوز، کم حیثیت درزی یا قہوہ فروش کا پست سا بیدر چھپر دکھائی دیگا۔ چھپر سے آگے کسی فوارہ کا زنگ آلود جنگلہ اور بعد ازاں چار پانچ گز مربع کا چھوٹا سا قبرستان ہوگا۔ جسمیں قبروں کے سرہانے کے سنگی مینار لمبی گھاس کی طرح جھکے ہوئے یا چاروں طرف لیٹے ہوئے ہونگے۔ اس سے آگے پھر مکانات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا جنمیں سے کوئی سیدھا اور مستقیم کھڑا ہوگا۔ اور کوئی خم کھا گیا ہوگا پھر کوئی چھوٹی سی مسجد اس سے آگے دوسرا قہوہ خانہ۔ بعد ازاں گلی کا سرا جہاں لاغر بدن لڑکے کرایہ کے لئے دو یا تین مضبوط گھوڑے جو قسطنطنیہ میں اسیطرح کرایہ پر چلتے ہیں جیسے دوسرے شہروں میں گاڑیاں) پکڑے ہونگے۔ پھر یہ گلی دوسرے بازار یا کوچہ میں جا ملے گی۔ غرض یہ ہے نقشہ ترکی آبادی کی گلیوں کا۔ جو پہاڑی سے اوپر نیچے بازاروں اور کوچوں کے برائے نام قابل شرم فرش پر سے گذرتے ہوئے تم کو فصیل شہر کے ترب و جوار تک دکھائی دیگا۔ البتہ مکانوں کی حیثیت اور بناوٹ آبادی کے ہر حصہ میں تمہیں کم و بیش

مختلف نظر آتیگی فصیل کے برابر برابر زمین یکبارگی معقول فاصلے تک پشتہ کی طرح دروازوں اور فصیل سے پرے کے کھیتوں کی سطح کے برابر بلند ہوگئی ہے -

مسجد قہریہ

ہر نو وارد اور سیاح قہریہ مسجد کو ضرور دیکھتا ہے۔ یہ کسی زمانہ میں یونانی راہب خانہ اور پرانا کنیسہ تھی۔ اسکی عمارت تو مختصر سی ہے۔ مگر نقش ونگار اور تصویروں کی وجہ سے قابل دید ہے۔ مسجد کا مُلّا خالص النسل روشن خیال ترک ہے۔ آنکھیں نیلی۔ بال بھورے اور رنگ نکھرا ہوا۔ اُسکا سبز عمامہ بتا رہا ہے کہ وہ آل رسولؐ ہے[1]۔ اور وہ تھوڑی سی فرانسیسی بھی بول سکتا ہے۔ اور اپنی مسجد کی عمارت کی خوبیوں سے ویسی ہی دلچسپی رکھتا ہے جیسی کہ کسی عجوبہ پسند یورپین سیاح کو ہوسکتی ہے۔ یہ اُسی کی طفیل ہے کہ مسجد کی دیواروں سے چونے کے پلاسٹر کے حصہ کثیر کو دور کرکے پرانے نقش ونگار اور تصویریں آشکارا کر دی گئی ہیں اور عمارت ہر وقت درست حالت میں رہتی ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں ذرا سا ٹکڑا بھی مرمت طلب ہوا اُسکی فوراً درستی کر دیجاتی ہے -

قسطنطنیہ کا نظارہ فصیل سے

متذکرہ صدر پشتہ کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا قہوہ خانہ حال ہی میں تعمیر ہوا ہے۔ وہاں سے شہر کا ایسا نظارا ہوتا ہے جو باقی جوانب کے نظاروں سے بہت ہی مختلف ہے۔ اس طرف سے قسطنطنیہ کی شکل ہی بالکل نئی دکھائی دیتی ہے۔ باسفرس سے انسان کو مسجدوں کے گنبد اور مینار کے سوا جنمیں کہیں کہیں تھوڑی تھوڑی سبزی یا سیاہ شمشاد یا سرو کے بلند درختوں کا سایہ بھی جلوہ فگن ہوتا ہے اور کچھ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے۔ مگر شہر کے اس سرے سے دیکھنے پر مکانوں کی نسبت درخت زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہر شہر میں ہر جگہ ہری سبزی خاکی یا نیل چھتوں کے بیچوں بیچ اُبھری ہوئی نظر آتی ہے۔ پائین میں اور بائیں جانب خلیج گولڈن ہارن کی شکل دکھائی دیتی ہے۔ زیر قدم نشیب میں مشہور قہریہ مسجد اور اسکے تین سرو ہیں اور دور فاصلہ پر سرعسکرت کے ترب دجوار کی بڑی بڑی عمارتیں اور ایا صوفیا کا دھندلا سا خاکہ نظر آتا ہے -

---

[1] سبز عمامہ کا لازمی طور پر سادات کا نشان ہوتا درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ خالص النسل ترک ہونا کجا اور سید ہونا کجا بہرنوع عمامہ کا نشان غلط ہے یا مُلا ترک نہیں۔ (مترجم)

فصیل و یدی قلہ

شہر کے اس حصہ میں آبادی تپلی ہے۔ اور وہ بظاہر تقریباً ویران سا معلوم ہوتا ہے۔ جوں جوں زمین بلند ہوتی جاتی ہے مکان کم اور بہت بیڑول سے کشادہ میدان ملتے جاتے ہیں جن پر موسم بہار میں ہری ہری گھاس گرما میں بالشت بالشت بھر گرد و غبار اور سرما میں گھٹنوں تک کیچڑ ہو جاتا ہے۔

شہر کے اس طرف گولڈن ہارن سے لیکر بحیرہ مارمورا تک ۵ برجدار مستحکم فصیل چلی جاتی ہے جسکے سامنے ابو ایوب ایسے نامور غازی کی کوئی پیش نہ گئی اور اسی جگہ مدفون ہوئے جہاں شہید ہوئے تھے۔ اور یہی فصیل ہے جسنے آخری محاصرہ میں محمد فاتح کو کئی ہفتہ شہر کے اندر قدم نہ دھرنے دیا تھا۔ سمندر سے بالکل قریب قلعہ موسومہ یدی قلہ (ہفت برج) واقع ہے جسے محمد فاتح نے تعمیر کیا ہے۔ یہ اب بالکل ویران پڑا ہے۔ اُسکا فراخ صحن۔ بیشمار برج پھاٹک اور فصیلیں۔ الغرض کل وسیع و فراخ کھنڈر اک مجموعہ انقلابات زمانہ سے اب ایک بے نام و نشان ارمن موچی کا مسکن بنا ہوا ہے پہلے یہ شہر کا محافظ قلعہ اور گڑھ تھا۔ پھر قید خانہ ہوا۔ جسمیں سلاطین قانون بین الاقوام اور تعلقات باہمی کے من مانتے معنے کرکے اُن ممالک کے سفراء کو جنسے جنگ کا اعلان کیا جاتا تھا قید کر دیا کرتے تھے۔ بعد ازاں یہ مدرسہ کا کام دیتا رہا۔ اور اب بالکل کھنڈر پڑا ہے۔ پچھلی دفعہ جب میں وہاں گیا تو حسب معمول پتھروں کی مینڈ پر سے مشہور خونی چاہ کو دیکھنے کے لئے بیرونی دروازہ سے گذرتے وقت ایک پتھر سے جو محراب کے نیچے پڑا ہوا تھا مجھے ٹھوکر لگی۔ میں نے اسکو اُٹھا لیا۔ وہ کسی عورت کی قبر کے سرہانے کے پتھر کا ٹکڑا تھا۔ کیونکہ اُس پر سورج مکھی کا پھول پتھر کو کھود کر بنا ہوا تھا۔ جو عورتوں کی قبروں کا نشان ہے۔ مردوں کی قبروں کے پتھروں پر پہلے عمامہ اب فس کا نشان ہوتا ہے۔ پھول کے نیچے کتبہ کا کچھ حصہ موجود تھا۔ جو ابھی تک بخوبی پڑھا جا سکتا تھا۔ پہلے عربی زبان میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اُسکے نیچے ترکی میں چند الفاظ تھے جنکے معنے یہ ہیں "میں اس باغ عالم میں آئی۔ مگر مروت واحسان کا کہیں پتہ و نشان نہ پایا" معلوم ہوتا تھا کہ آگے بھی کچھ عبارت موجود تھی۔ مگر پتھر اُسجگہ سے ٹوٹ گیا ہوا تھا۔ ان الفاظ میں عجیب رقت اور درد بھرا تھا۔ خدا معلوم یہ عورت جو سالہائے دراز سے فصیل سے باہر مدفون ہے کون تھی۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہونے لگ گیا کہ گویا اس ناشاد عورت کی روح پھر واپس آکر اس باغ عالم کے دروازہ کو کھٹکھٹا رہی ہے۔ اور التجا کر رہی ہے کہ زندگی میں تو نصیب نہ ہوا اب ہی کوئی تھوڑی سی مروت اور احسان کر گذرے۔ میری چاروں طرف سناٹا اور ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ دھوپ بلغ کے پژمردہ جھاڑیوں

اور گرد آلود رشتوں پر جو کسی زمانہ میں قلعہ کے صحن کی رونق تھا۔ اور نیز سامنے کی ویران پہاڑی۔ منہدم مسجد اور خونی چاہ کی منڈیر جو کشادہ پھاٹکوں سے پرے تھا خوب تیزی سے پڑ رہی تھی۔ اور اس ہو کے عالم میں اس غریب عورت کی نامراد روح درمیانی محراب میں کھڑی بیفائدہ رحم و کرم کی درخواست کر رہی تھی جسکو پورا کرنیوالا وہاں کوئی موجود نہ تھا۔

ارمن موچی کا بیان ہے کہ جب محمود مصالح زنجیر یکی فوج کو نیست و نابود کیا تو کشی ینگچریوں کے سر اس کنوئیں میں پھینکے گئے تھے۔ وہ تاریک اور بہت گہرا ہے۔ پانی اسمیں اب تک موجود ہے۔ مگر مقتولین کے سروں کی کوئی کھوپڑی اب غالباً باقی نہیں رہ گئی ہوگی۔

قلعہ کی وسعت کا اندازہ کسی ایک برج پر چڑھنے سے بخوبی ہو سکتا ہے فصیل پر کھڑے ہونے سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ یہ برج بھی بجائے خود نہایت وسیع اور تاریک ہیں۔ اور انکے گرد اگرد چوبی حلقے بنے ہوئے ہیں جنپر صرف دستی چوبی زینوں کے راستہ پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ خانے کسی وقت سپاہیوں کی خوابگاہ کا کام دیتے تھے۔ برجوں کے اندر پیچ در پیچ زینے ایسے تاریک ہیں کہ ارمنی موچی کو راستہ دکھانے کیلئے روز روشن میں لالٹین جلا کر ساتھ لانی پڑتی ہے۔ ان برجوں کے نیچے اوپر قید خانے بنے ہوئے تھے۔ نچلے قید خانے کھڑکی دار اور بالائی بلا دریچہ تھے۔ آخری یوروپین سفیر جو یہاں قید ہوا فرنچ سفیر مسمی رفن تھا جو ۱۷۹۸ء میں ٹرکی اور فرانس میں جنگ کا اعلان ہونے پر نظر بند کیا گیا۔ جس کمرہ میں اُسے قید رکھا جاتا بیان کیا جاتا ہے اسمیں روشنی کیلئے صرف ایک سلاخدار دریچہ ہے جو دو فیٹ مربع سے بھی کم ہے اور فرش سے اسقدر بلند ہے کہ بہت ہی دراز قد آدمی اسمیں سے باہر کو دیکھ سکتا ہے۔ اس امر کا سب کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ ترک قانون بین الاقوام کو جس سادگی اور دلیری سے بالائے طاق رکھکر ممالک اجنبیہ کے سفراء کو قید کر دیا کرتے تھے وہ خالی از ہیبت و جلال اور دلچسپی نہ تھی۔ برجوں کی کھپریلی چھتوں پر پچاس یا زیادہ برسوں کے عرصہ میں آندھیوں سے مٹی کے انبار جمع ہو گئے ہوئے ہیں اور انپر جھاڑیاں اور بوٹیاں بکثرت اُگی ہوئی ہیں۔ موچی کا بیان ہے کہ مقتول سفراء کی روحیں جنکے سر اسیطرح فصیلوں کے کنگرہ پر چن دیئے جاتے ہیں جس طرح لنڈن کے محل ٹمپل بار کے کنگرہ پر رات کو اس باغ آویزاں میں گشت کرتی رہتی ہیں۔

ترکوں کی معاشرت

اکثر دیگر ایشیائی شہروں کی طرح قسطنطنیہ کے باشندے بھی دو مختلف طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں

یعنی اندرون خانہ و بیرون خانہ۔ اکثر ترک علی الصباح گھروں سے نکلجاتے ہیں اور کام سے فارغ ہو کر سہ پہر کو شام
سے کچھ ہی پہلے واپس آتے ہیں۔ دن کو گھروں سے باہر بازاروں وغیرہ میں رہتے ہیں۔ مگر جونہی کہ اُنکا کام
ختم ہو جاتا ہے وہ فوراً گھروں کو چلدیتے ہیں۔ اور اگر اسوقت تم کسی ترک کو گھر پر ملنے جاؤ تو جواب ملیگا کہ وہ حرم میں ہے
اور وہاں سے اُسکو بلایا نہیں جا سکتا۔ حتی کہ نوکر اُسے تمہارے آنیکی اطلاع کرنے سے انکار کر دینگے۔ لیکن اگر تمہیں
اُس سے سخت ضروری کام ہو اور ملاقات کئے بغیر چارہ نہ ہو تو تم کو سلاملق میں بیٹھکر اُسکے خود بخود اپنی مرضی
سے باہر نکلنے کیوقت تک انتظار کرنا پڑیگا۔ سلاملق مردانہ نشستگاہ کو کہتے ہیں۔ جو ہر ترک کے مکان میں ضرور
ہوتی ہے اور اُس سے پرے حرم کا پُر اسرار علاقہ ہوتا ہے۔ حرم مروجہ اصطلاح کے مطابق خاص پرائیویٹ (جہاں غیر نہ
جا سکیں) کمروں کو کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ لفظ مجرد آدمی کے مکان کے پرائیویٹ کمروں پر بھی جنہیں
صرف مرد رہتے ہوں صادق آتا ہے۔ مگر بالعموم یہ ہر ایسی جگہ کے لئے بولا جاتا ہے جو عورتوں کیلئے مخصوص ہو
چنانچہ ترکی ریلوے گاڑیوں کے آخری کمرہ کو بھی جس کے اور گاڑی کے باقیماندہ
حصہ کے درمیان پردہ ہوتا ہے حرم کہتے ہیں۔ اسیطرح جہاز میں عورتوں کے کمرہ کو اور مسجد کی جالیدار گیلری
کو بھی حرم پکارا جاتا ہے۔ رہائشی مکان میں حرم ہی وہ حصہ ہے جہاں صاحب خانہ کی بیوی بچے اور
کنبہ کی دوسری خواتین رہتی ہیں ضمناً اسموقعہ پر یہ تحریر کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ گو قرآن کریم ایک ہی
وقت چار تک کی اجازت دیتا ہے۔ اور طلاق کا مختار ہونے کی وجہ سے مرد اگر چاہے تو ہمیشہ بیوی کو بدلتا
رہ سکتا ہے۔ تاہم آجکل بہت کم ترک ایسے ہیں۔ جنکی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں۔ اب وہ پرانے زمانہ
کے ترک جنکی بیشمار بیویاں اور کنیزکیں ہوتی تھیں سوائے شاذ و نادر مستثنیات کے بالکل نہیں رہگئے۔ البتہ مسلمانوں نے
پردہ کو جو مذہباً اور رواجاً اُنہیں چلا آتا ہے اور کئی فائدے رکھتا ہے نہیں چھوڑا۔ اُس دروازہ سے پیچھے جو
سلاملق سے اندر جاتا ہے جو کچھ موجود ہے یا جو کچھ گذرے اُسمیں غیر کو مداخلت کرنے کی مجال نہیں حتی کہ وہ لوگ
جنہیں مشرقی رسم و رواج کا کچھ بھی علم ہے مکان میں عورتوں کی موجودگی کی نسبت اشارہ کرنے کا خیال تک
نہیں کرتے۔ ترکوں کی زندگی مکان سے باہر دن کیوقت صرف مردوں کی صحبت میں بسر ہوتی ہے دن کیوقت
وہ اپنے کنبہ کی کسی عورت کی صحبت یا رفاقت میں دیکھا جانا پسند نہیں کرتے میں نے ایکدو دفعہ ایکدو ترکوں کو
ایشیائی ساحل پر علاقہ کو در اندر نقاب پوش خاتونوں کے ہمراہ گاڑی پر سفر کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مگر استنبول
میں ایسے مشاہدہ کا کبھی موقعہ نہیں ہوا۔ دن کو ترک گھر سے باہر اپنے کار منصبی و زراعت کے لحاظ سے بازاروں

بازاروں میں یا کھلے میدانوں میں درختوں کے نیچے یا بازار کی دوکانوں میں کھانے پینے اور قہوہ و سگرٹ نوش کرنے میں اپنا وقت صرف کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہر کے مصروف اور کاروباری حصے میں باورچیخانوں اور قہوہ خانوں کی بہت کثرت ہے، اور پھیری والوں کا تانتا جو کھانے پینے کی چیزیں سبد کے خوانچوں میں رکھے ہوئے ہجوم میں ادھر اُدھر چکر لگاتے رہتے ہیں ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ جدھر نگاہ کرو کوئی نہ کوئی خوانچہ والا کھڑا ہوگا۔ یہاں ایک شخص ڈبل روٹی "پیدہ" (فطیری روٹی) اور "پکسمیت" (بسکٹیں) بیچ رہا ہے اس سے چند قدم پر پنیر فروش موجود ہے۔ جو مدور بانسی ٹوکرے میں دو تین قسم کا پنیر اور "یودر" (دہی) رکھے ہوئے ہے۔ وہاں ایک باورچی کباب گرم گرم پلاؤ۔ ساگ اور دوسری ترکاریوں کا سالن بیچ رہا ہے۔ حلوائیوں مٹھائی فروشوں۔ اور شربت بیچنے والوں کا تو کوئی حد حساب ہی نہیں۔ سب سے زیادہ کثرت سقوں کی ہے وہ بالعموم ایک ڈھول کی شکل کا آبدان کندھوں پر اٹھائے ہوتے ہیں جس پر دھوپ سے بچاؤ کرنے کیلئے ہری ٹہنیاں اور شاخیں رکھی ہوتی ہوتی ہیں۔ ایک ہاتھ میں چرمی نلکی کا پتلی موہانہ اور دوسرے میں دو یا تین ذرنی سی کٹورے ہیں۔ جنکو انگلیوں کی عجب استادانہ حرکت سے وہ ہر وقت بجاتے رہتے ہیں۔ اور اس آواز سے راہگذروں تشنہ دہانوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بہشتی اسوقت کہاں بیچ رہے ہیں اگر سیاح اٹلی کے راستہ یہاں آیا ہو تو وہ ہر قسم کے ماکولات و مشروبات کے بیچنے والوں کی ذاتی صفائی اور ستھراپن دیکھکر دنگ رہ جائیگا۔ اور انکی چیزیں بھی ایسی نفیس ہوتی ہیں کہ خواہ شکم سیر ہو اُسے خود بخود بھوک پیدا ہو جائیگی۔ خوانچہ والوں کے علاوہ بازار میں کئی باورچیخانے اور ہوٹل بھی ہیں۔ اسی بازار میں ایک فربہ اندام خوشرنگ ترک ایسے عمدہ کباب بناتا ہے کہ کل دنیا میں ویسے کباب نہ بنتے ہونگے۔ اسکی مختصر سی دکان بازار کے متصل ایک چھوٹے سے چوک میں ہے۔ مرمر کی صاف سِل پر جو دریچہ کی دہلیز کا کام دیتی ہے چوبی سیخوں کی قطاریں لگی ہیں کہ حسب ضرورت فی الفور اٹھا کر آگ پر رکھدی جائیں۔ پلاؤ بڑی بڑی سینیوں میں پڑا ہے۔ جسکو ہر وقت گرم رکھنے کیلئے سینیوں کے نیچے کوئلے جل رہے ہیں۔ اور پاکیزہ بدن چابکدست لڑکے گاہکوں کی خدمت کے لئے دست بستہ کھڑے ہیں۔ گاہک یا تو اس میز پر بیٹھکر کھانا کھاتے ہیں جو باورچیخانہ کے عقب میں بچھی ہوتی ہے۔ یا دروازہ سے باہر خاموش چپ چاپ چوک میں جو باورچیخانہ کے سامنے ہے۔ سب سے مرغوب کھانے کی ترکیب یورپینوں کو لاکلام نہایت عجیب معلوم ہوگی جو حسب ذیل ہے "پیدہ" (فطیری روٹی) کی مربع ٹکڑے کاٹ کر شوربے کی رکابی میں اوپر تلے رکھدیئے جاتے ہیں۔ اُسپر بلوٹی ہوئی

ملائی کی دو انگشت موٹی تہ بچھادیجاتی ہے۔ پھر اسپر آگ سے اسپونت اترتے ہوئے گرما گرم گوشت کی ٹکیوں کا انبار لگادیا جاتا ہے۔ بعدہ ان سب چیزوں پر نمک مرچ الائچی۔ اور گرم مصالحہ ڈالکر انکو ملالیا جاتا ہے۔ کہانا نہایت لذیذ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ زود ہضم ہوتا ہے۔

اس امر کی تصدیق اُن سیاحوں سے ہوسکتی ہے جو ہمیں ہر چیز کو ترش ملائی کیساتھ کہانے کی عادی رہے ہیں۔ پلاؤ بھی کوئی بری چیز نہیں ہیں اُسکے تیار کرنے کی درست ترکیب بتانے سے محترز رہتا ہوں۔ اسکے لئے بہت جگہ چاہئے۔ دنیا میں ترکی۔ یونانی۔ ایرانی اور ہندوستانی یہ چار قسمیں پلاؤ کی بہت مشہور ہیں بوجہ صدر انکے فرق بتانے سے بھی اغماض کرتا ہوں۔ البتہ یہ لکھے دیتا ہوں کہ میری سمجھ میں ایرانی پلاؤ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ باورچی فقط کہانے کی چیزیں دیتا ہے۔ پانی بہم پہنچانا اُسکا کام نہیں اگر تمہیں ضرورت ہو تو اُس سقہ کو جو بازار میں چکر لگاتا رہتا ہے بلاکر پانی یا شربت کا کٹورہ خرید لو قسطنطنیہ میں بھی اب تہذیب گھر کر گئی ہے ہر گاہک دوکاندار سے اسبات کا متوقع ہوتا ہے کہ کہانے کے ساتھ چھری کانٹا لائے۔ ان دونوں چیزوں کو اب ترک نہایت سلیقہ کیساتھ استعمال کرسکتے ہیں ایران میں شوربہ کیساتھ نظیری روٹی علیحدہ دیجاتی ہے جسے گاہک ہاتھ سے توڑ توڑ کر کہاتا ہے اور میری بھی ہمیشہ یہی رائے رہی کہ کانٹے کی نسبت انگلیوں کو ہی بدرجہا زیادہ مناسب آلۂ غذا کہانے کا سمجھنا چاہئے۔ کہانے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسکی اپنی انگلیاں ہیں۔ اور ان کو اُسنے کہانے سے پہلے دہولیا ہے۔ مگر ہوٹلوں اور عام ضیافتوں میں جو کانٹے دیئے جاتے ہیں انکی نسبت دہلے ہوئے ہونے کا کبھی پختہ یقین نہیں ہوسکتا اور خدا معلوم پہلے انکو کس شخص نے اور کس طرح پر استعمال کیا تہا۔ ہم مسواک کرنے کے بغیر رہنے کی تکلیف گوارا کرلیتے ہیں۔ مگر دوسرے آدمی کی مسواک یا دانتوں کا برش استعمال نہیں کرتے لیکن کانٹے خواہ کل دنیا کے مستعمل ہوں۔ انکی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ اس ایک ہی امر سے اکثر بیرونی اور ظاہر دارانہ صفائیوں اور نفاستوں کی قلعی بخوبی کہل رہی ہے۔

ترک جو کچھ بازاروں میں کہاتے ہیں وہ سب ایک طرح سے تیسرے پہر کا ناشتہ ہوتا ہے۔ اصل کہانا وہ شام کو بعدہ اپنے گھروں میں کہاتے ہیں بازستان کے تاریک کونہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسکے چھوٹے سے مینار کی چوٹی بازار کی ڈاٹ دار چھت کے نیچے بعینہ بچوں کے کہلونہ مکان کے مشابہ معلوم ہوتی ہے دوپہر کے وقت موذن اس مینار پر چڑہکر اُسکے دریچہ میں سے اسی زمینۂ شور کے سلطنۂ مسلمانوں کو نماز کے

کے لئے بلاتا ہے۔ جس طرح سلطان احمد کی عالیشان جامع کا موذن اُسکے سر فلک میناروں کی چوٹی سے بازار کے کھلا ہونے کے اثنا میں خفیف نمازوں کا وقت ہے اتنی دفعہ یہ موذن برابر اذان دیتا رہتا ہے دوپہر (ظہر) کی اذان سے گو چھوٹے بڑے سب کو خبر ہو جاتی ہے کہ دوپہر ہو گئی ہے۔ اسوقت کا کھانا کھانا چاہئے۔ مگر جس طرح کہ یورپ کے جنوبی عیسوی ممالک میں دوپہر کے کھانے کے وقت لوگوں میں عام چہل پڑ جاتی ہے یہاں خلقت کے اژدہام میں ویسی کوئی عام دوڑ دھوپ نہیں دیکھی جاتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ترک جب گھر سے باہر ہو تو اُسکے کھانے کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔ اور اُسے اسبات کی پروا نہیں ہوتی کہ ٹھیک مقررہ وقت پر کھانا کھائے۔ بلکہ جب فرصت ہوئی کھالیا۔ صرف شام کا کھانا ایسا ہوتا ہے جسے وہ پابندی کیساتھ پرانے دستور کے مطابق گھر میں بیٹھکر کھاتا ہے۔ ابھی تک کئی ایسے ترکی خاندان ہیں جنکے ہاں کھانے کا دسترخوان ہر روز سلاملق میں بچھایا جاتا ہے۔ اور غریب و امیر جو آجائے اُسکے لئے کھلا ہوتا ہے۔ اسوقت جو آجائے اُسے کھانے میں شریک کر لیا جائیگا۔ فرق اتنا ہوگا کہ اگر نووارد صاحبخانہ کی حیثیت کا ہوا تو اُسکے ساتھ بیٹھ جائیگا۔ اور اگر کم درجہ کا ہوا تو دوسرے دسترخوان پر جو اُسی کمرہ میں ذرا علیحدہ کم درجہ والوں کے لئے بچھا ہوا ہوتا ہے۔ ترکی میں کھانا کھانے کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ مہمان رات بھی وہیں بسر کرے۔ میزبان اپنے مہمان کو پلنگ و بستر کے علاوہ شب خوابی کے کپڑے اور سلیپر بھی بہم پہنچاتا ہے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ خاتونان حرم اُس دسترخوان پر نہیں ہوتیں۔ وہ حرم کے اندر علیحدہ دسترخوان پر کھاتی ہیں۔ میرے ایک دوست کے خانساماں نے تھوڑا عرصہ ہوا مجھ سے سخت شکایت کی۔ کہ عموماً مہمان صبح بہت سویرے اُٹھکر وہ سلیپر اور کپڑے اُڑا لے جاتے ہیں۔ جو رات کو انہیں دیئے جاتے ہیں۔ اور میرے آقا کی کشادہ دلانہ میزبانی اور مہمان پروری کا یہ کمینہ بدلا دیتے ہیں۔ یہ بتا دینا ضروری ہے۔ کہ ترک میز پر زیادہ دیر نہیں بیٹھتے۔ کھانا ہوتا تو بیشک بہت قسموں کا ہے مگر ہر ایک قسم ہر ایک مہمان کے سامنے صرف ایکدفعہ رکھی جاتی ہے۔ اور جونہی اُسکی رکابیاں خالی ہوئیں۔ ملازم جھٹ پٹ انہیں اُٹھا کر دوسری قسم رکھدیتے ہیں ٭

جو سڑک ڈلک خانہ سے نورعثمانیہ کو جاتی ہے۔ وہ قسطنطنیہ کی قابل ذکر سڑکوں میں سے ہے۔ غلطہ پل اور بازار کے درمیان زیادہ تر اسی پر آمد و رفت ہوتی ہے۔ اسمیں بہانت بہانت کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اور ہر ایک قسم کی تجارت اور ہر قوم کے لوگوں کی اسمیں دوکانیں اور کوٹھیاں موجود ہیں۔

اسکی کیفیت ناقابل بیان ہے۔ یونانی اور ارمنی معالج دندان اس نواح میں بکثرت رہتے ہیں۔ انکی دکانوں کے دروازوں پر بڑے بڑے تختے آویزاں اور بورڈ لگے ہوئے ہیں۔ جو اگر ان کی قابلیت کی مقدار کے لحاظ سے ہیں تو وہ بیشک بڑے ماہر دندان ساز ہونگے۔ اسی جگہ ڈاک خانہ کے قریب و جوار میں منشی اور خطوط نویس ناخواندوں کے نامہ و پیام لکھنے کیلئے سارا دن سایہ میں چپ چاپ بیٹھے رہتے ہیں۔ زیادہ تر ترکی مستورات انکی گاہک ہیں جو دبے اور رازدارانہ لب و لہجہ میں انکو اپنے خط لکھواتے وقت چہروں کو بالعموم نقابوں سے زیادہ احتیاط کیساتھ ڈھانپ لیتی ہیں۔ اٹلی اور یونان نیز اکثر کئی مشرقی ممالک میں یہ طریق عام مروج ہے۔ مگر پھر بھی ان عورتوں میں سے چند کے چہروں کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے جو منشی کی میز پر بڑے شوق سے جھکی ہوئی ہیں اُسکی تیزی کیساتھ چلتی ہوئی قلم کو دیکھتی رہتی ہیں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر جانا تضیع اوقات نہیں ہے۔ ترکی کاتی کی قلم سے لکھی جاتی ہے۔ اور دوات میں سوف دار سیاہی ہوتی ہے۔ اسی مقام کے قریب ینی جامع ہے۔ جو قسطنطنیہ کی خوبصورت ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے اور ہر وقت مختلف الاقوام و العمر نمازیوں کا اُسمیں جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ بازار کے شور و غل۔ آپا دھاپی اور چمک دمک کو پیچھے چھوڑ کر مسجد کے دروازہ پر سے بوٹ پر سلیپر پہننے کے بعد کسی نماز کیوقت عمارت کے اندر داخل ہو جاؤ۔ وہاں تمہیں بالکل دوسرا نقشہ دکھائی دیگا۔ جو عجیب با متانت اور شاندار ہوگا اور ساتھ ہی تم پر اہالی مشرق کی طرز زندگی کا پر اسرار خاصہ اور راز سر بسر واضح و آشکارا ہو جائیگا۔ تم دیکھو گے کہ خنک سایہ میں ہر عمر کے مسلمان محراب یا دیواروں کی مقدس تحریروں اور کتبوں کی طرف منہ کئے رکوع سجود میں مصروف ہیں۔ اُنکی حرکات و سکنات مختلف اوضاع اور لب و لہجہ سے ایسی صداقت اور خلوص اعتقاد مترشح ہو رہا ہے کہ جس طرح بلحاظ نوعیت مشرق اللاقصے کے مشرکانہ توہم سے مدرجہا افضل و اعلیٰ ہے اسیطرح اُسکی سادہ صداقت اور اخلاص معمولی لیاقت کے عیسائی کی سمجھ سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ مسلمانوں میں کچھ عرصہ بود و باش رکھنے کے بعد اس امر کا یقین کامل نہ ہو جانا ناممکن ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں کامل مخلص ہیں۔ اُنکی مذہبی پرجوشی اور مذہبی رسوم کی پابندی میں ریاکاری کو مطلق دخل نہیں اور کہ جب سرور کائنات (علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کا جھنڈا کھولا گیا جس امر کے وقوع میں آنے کے امکان کو کبھی کبھی ہمارے عیسائی بھائی اشارتاً کنایتاً مبہم و مشکوک سا بتاتے ہیں تو اُس سے ایسے نتائج پیدا ہونگے جو یورپ کے فلسفہ کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آئے۔

"قسطنطنیہ کو دنیا کے دوسرے شہروں پر ایک بڑا فخر یہ حاصل ہے کہ اُسمیں قدم قدم پر اجتماع ضدین
پایا جاتا ہے۔ یہاں کچھ اور نقشہ ہے۔ دو قدم آگے جاؤ تو اُس سے بالکل برعکس کیفیت دیکھی جاتی ہے۔ ان
اچانک تغیرات میں سب سے زیادہ موثر تغیر وہ ہے جو بازاروں سے مساجد و مقابر میں داخل ہونے پر پایا
جاتا ہے۔ اول الذکر میں وہ چہل پہل اور دھکم دھکا کہ الامان۔ چند قدم پر آخر الذکر میں بالکل خاموشی، اور موت کا
سکوت کا عالم۔ اکثر جوامع کے اندرونی حصوں کی حیرت افزا زیب و زینت دیکھکر مشرقی خاصہ کا سماں پیدا
ہوجاتا ہے۔ اکثر مشرقی ممالک کی طرح یہاں بھی صنعت و دستکاری کے بعض اعلیٰ ترین نمونوں کے دوش بدوش
کمال بھدی چیزیں اور مکروہ سجاوٹیں پائی جاتی ہیں۔ اکثر چیزوں کی شان و شوکت جس کی وجہ ہی سے مشرق کو
عموماً شاندار مشرق پکارا جاتا ہے بعض بے اندازہ بھدی اور بدسلیقہ چیزوں کے قرب سے جو یورپین کی نگاہ
میں کمال مکروہ معلوم ہوتی ہیں اور بھی زیادہ نمایاں اور واضح ہورہی ہے۔ مگر یورپ کی طرح یہاں بھی صنعت
و دستکاری اور فنون زیادہ تر مذہب اور مذہبی خیالات سے وابستہ ہیں۔ سنت والجماعت عقیدہ کے
مسلمانوں نے جو کسی جاندار چیز کی تصویر بنانا جائز نہیں سمجھتے تھے فن تحریر پر اسقدر توجہ صرف کی
ہے جسقدر کہ مغرب میں مصوری اور نقاشی کی گئی ہے۔ تعلیم یافتہ ترک کو خوشخط قطعہ دیکھکر ویسی ہی خوشی ہوتی ہے
جتنی کہ ہمیں اُستادِ زمانہ مصوروں کی بنائی ہوئی تصویریں دیکھکر۔ یورپین کیلئے عربی رسم الخط سے جو ایک
طرح کی "شارٹ ہینڈ" مختصر نویسی ہے کچھ عرصہ میں مانوس ہوجانا مشکل امر نہیں تھوڑی مدت کی مشق سے
وہ اُسکو اُسی تیزی اور روانی کیساتھ پڑھنے کے قابل ہوجاتا ہے جس طرح کہ وہ لاطینی اور گوتھک خط کو پڑھ
سکتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ فن تحریر کے اُن نکات، صنعتوں اور خوبیوں کو کبھی تمیز کرنے کے قابل نہیں
ہوسکتا۔ جو ایشیائیوں کے نزدیک ویسی ہی منزلت رکھتی ہیں جیسی کہ ہمارے مذاق میں رنگوں کی شوخی کے
ہلکاپن اور سایہ و روشنی کے متعلق مصوری اور نقاشی کی باریکیاں۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے ایک ترک نے ایک
قطعہ کی طرف جو دیوار پر آویزاں تھا اور جسکی سفید زمین پر صرف سیاہی سے ایک آیت لکھی ہوئی تھی۔ اور کوئی
رنگ آمیزی یا گلکاری کسی طرح کی نہیں تھی۔ اشارہ کر کے کہا۔ یہ تحریر مجھے ویسی ہی خوبصورت اور پیاری معلوم
ہوتی ہے جیسی کہ تمہیں ماہر مصور طیطیان کی کوئی تصویر۔" فن خوشنویسی کے ایسے اعلیٰ نمونوں کو نہایت قیمتی
سمجھکر ٹکڑوں میں جڑ کر اور شیشوں کے پیچھے رکھا جاتا ہے۔ مگر بعض نہایت ہی اعلیٰ اور سب سے خوبصورت نمونے ان دو خفی کپڑوں پر پائے جاتے ہیں جو آرائش
زینت کیلئے مسجد اور مقبروں میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے بعض کتبوں کی ترکوں کی نگاہ میں ایسی وقعت ہے، کہ

اُنکے خیال کے مطابق کے اُنکی کوئی قیمت ہی نہیں ہوسکتی۔ یورپین شائقین صنعت قدیمہ کی نظروں میں بھی باسبرعت تمام اُن کی بہی وقعت ہوتی چلی جارہی ہے۔ مگر اُن کتبوں کا چھوٹا سا ٹکڑا ابھی دستیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ عموماً مذہبی ہیں اور مذہبی مقدس مقامات میں ہی بالعموم اعلےٰ ترین نمونے پائے جاتے ہیں۔ افسوس مشرق میں صنعت و دستکاری کا دن بدن تنزل ہورہا ہے۔ اور ان عجیب و غریب کہپریلوں کے جنکے ابتک ہزاروں موجود ہیں بنانے کا راز ہمیشہ کے لئے دنیا سے ناپید ہوگیا ہے۔ قسطنطنیہ میں اب بھی روغنی کہپریلیں یعنی اُنکی نقلیں بنتی ہیں۔ مگر بہت ادنے درجہ کی اور بالکل بے حقیقت۔ مزید برآں یہ کام ازسرتاپا یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔

مشرق کی کونسی داستان یا افسانہ ہے جسمیں عربی گھوڑے کا لمبا چوڑا ذکر نہ ہو اور اُسنے اُس میں بہت بڑا حصہ نہ لیا ہو۔ جب میں اول اول استنبول کے نخاس اسپان کو گیا تو مجہے خیال تہا میں وہاں ایسے ایسے خالص النسل بدیع الزمان عجیب الطرفین گھوڑے دیکھونگا کہ لیڈی این بلنٹ[1] اور اُسکو خاوند کے دل بھی اُنہیں دیکھکر باغ باغ ہوجاتے۔ مگر مجہے ایسی مایوسی ہوئی کہ عمر بھر ویسی نہیں ہوئی تھی۔ آت بازار (نخاس) محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کی جامع مسجد سے بجانب شرق ہے۔ اول تو وہاں کوئی گھوڑا ہی نہ تہا۔ لیکن اگر ہوں بھی تو اس شلث کشادہ میدان سے جسپر فرش کی بجائے چھوٹے بڑے سنگریزے اور پتھر کوٹے ہوئے تھے۔ بڑھکر بری جگہ خریداروں کو گھوڑے دکہانے کے لئے کوئی نہیں ہوسکتی۔ یہ میدان ایک چھوٹی سی پہاڑی کے عمودی ڈھلاؤ پر واقع ہے۔ اور اُسکے چاروں طرف متعدد شکستہ حال چوبی مکان ہیں جنہیں اکثر تاریک دبلا ہوا کوٹھریاں اصطبل کا کام دیتی ہیں اور اُنمیں متعدد مالکوں کے محدود چند گھوڑے معمولی تہانوں پر بُری طرح سے بند ہے رہتے ہیں۔ عموماً دو تین بدنو قامت سنگرین جانور اور بارہ چودہ پست قامت مضبوط جسم سالونیکی یابو وہاں موجود رہتے ہیں۔ ایکدفعہ میںنے وہاں ایک عجیب الخلقت گھوڑا دیکھا۔ کہ شاید ساری عمر اُس کے سا تہ نگا دکہائی نہ دے۔ اُسکی ٹانگوں کی لمبائی ہی سے قیاس کرلو کہ وہ پوری اٹھارہ مٹھی بہر بلند تہا۔ مگر طول میں متذکرہ صدر سالونیکی یابوؤں میں کسی ایک سے

---

[1] مسٹر ولفرڈ بلنٹ مصنف کتاب فیوچر آف اسلام۔ اس جنٹلمین کو گھوڑوں کو بہت شوق ہے۔ عباس اول خدیو مصر نے عربی گھوڑوں کا جو اصطبل قائم کیا تہا وہ اسی شخص نے کئی لاکھ روپیہ کو خدیویہ خاندان سے خرید لیا تہا۔ مسٹر موصوف کے اصطبل کل انگلستان بہر میں مشہور ہیں۔ (مترجم)

زیادہ نہ تھا۔ ہمارے گھر میں ٹوپیاں رکھنے کا ایک پرانا چرمی بکس چلا آتا ہے۔ سال کا کوئی موسم نہیں جس کا اُسے ذاتی تجربہ نہ ہو کوئی ڈاک گاڑی ایسی نہ ہوگی جس کی اُسنے سیر نہ کی ہو اور جہان میں شاید کوئی ہی ایسا شہر ہوگا جسکے نام کے پرچے سبز سرخ سفید زرد نیلگوں وغیرہ رنگ کی اسپر چسپاں نہ ہوں۔ الغرض اس دیو کا سر بعینہ اس ٹوٹے پھوٹے چرمی بکس کے مشابہ تھا یہ جانور فی الواقع ایسا عجیب الخلقت تھا کہ کئی منٹوں تک میری نظر اُسپر جمی رہی اس سے میرے راہنما کو جو نخاس کا مہتمم اور اعلےٰ دلال تھا شبہ سا ہو گیا کہ شاید میں اُسے خریدنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور وہ میری طرف کمال تعجب و حیرت سے دیکھنے لگ گیا۔ سب سے آخر جو گھوڑا مجھے دکھایا گیا وہ فی الواقع دیکھنے اور خریدنے کے قابل تھا۔ اُسے ایک ایسی نایاب کوٹھری کے قعر عمیق سے نکالا گیا کہ اگر یورپ کے کسی گھوڑے کو چند لمحے بھی اُسمیں بند رکھا جائے تو اُسے سکتہ ہو جائے سائیس نے صاف کرنے کے لئے خرخرے کے دو چار یونہی سے رگڑے لگا کر اُسے میرے سامنے کیا اُس سے بہتر عربی گھوڑا عرب سے بھی دستیاب ہونا مشکل تھا۔ گھوڑے کی جو خوبیاں اور وصف آج بازار جانے سے پہلے میرے دماغ میں ذہن نشین تھے وہ سب اُس میں موجود تھے۔ سم بھی گاؤ دم ٹانگیں چھوٹے چھوٹے پاؤں۔ سر کسیقدر بڑا اور خوش انداز۔ کان چھوٹے اور سیدھے۔ جلد ریشم ایسی نرم اور رنگ شوخ کمیت۔ تازہ ہوا میں پہنچکر اُسنے جسم کو جھنجوڑا۔ اور پھر زور سے ہنہنایا گویا اپنے اصطبل پر کمال نفرت ظاہر کی۔ وہ گداگروں میں پادشاہ۔ اور کمینوں میں مرد میدان تھا۔ اور اُسے دیکھکر میری توقع و امید کا کچھ حصہ پھر بحال ہو گیا۔

مگر قسطنطنیہ میں ایسے شاذ و نادر جانور کم دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ سلطنت عثمانیہ سے گھوڑے باہر لیجانے کی ایسی سخت ممانعت ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر بھی اسکی خلاف ورزی کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے اسوجہ سے سلطنت کے اندر عربی گھوڑوں کی عام کثرت ہونی چاہیئے اس امتناعی حکم کی تعمیل کرانا بھی ویسا مشکل نہیں۔ جیسا کہ اُس حکم کی تعمیل کرانا جو تمام ایسی چیزوں کے باہر لیجانے کی ممانعت کرتا ہے جنپر کوئی مذہبی عبارت تحریر یا چھپی ہوئی ہو۔

نخاس کا ذکر آجانے پر سراجوں کا بازار بھی یاد آگیا ہے۔ یہ ایک بجائے خود چھوٹا سا محلہ ہے جو استنبول کے مشہور بازار دیوان یول کے متصل واقع ہے زینوں اور سازوں کے بنانے اور چمڑہ کی تیاری کا کام کسی زمانہ میں اس ملک میں بہت زور پر تھا۔ اور ایسے ملک میں جہاں صرف گھوڑوں ہی پر

یا دیگر بارکش جانوروں کے ذریعہ ہی آمد و رفت ہوتی تھی ایسا ہونا تھا بھی لازمی۔ امرا اپنے جانوروں کے ساز و یراق کو بڑی بڑی لاگت اور صرف سے بنواتے تھے۔ اور اس کام کی ایسی عزت تھی کہ سراجوں او زین سازوں کی ایک مستقل جماعت بن گئی تھی۔ دیگر صنعتوں کی طرح یہ صنعت بھی چند برسوں سے ٹرکی میں بہت تنزل ہو گئی ہے۔ لیکن پھر بھی اب تک بعض بعض چیزیں وہاں دیگر ممالک سے بہتر تیار ہوتی ہیں بازار سراجاں میں سیر خیالیں ڈیڑھ سو دوکانیں ہونگی۔ یہ پست قامت تنگ نما عمارتیں ہیں۔ انکے آگے ازار کی سطح سے تھوڑی سی بلندی پر چوبی تختے لگے ہوئے ہیں جن پر سنگ کے برآمدے اور اندر سے باہر آمدے بنے ہوئے ہیں۔ دوکاندار ان برآمدوں میں تیار اسباب فروخت کے لئے لٹکا کر سارا دن چوبی تختوں پر بیٹھے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اکثر چیزوں کا چمڑا روسی بنایا جاتا ہے۔ مگر در اصل وہ مشرقی (یعنی ملکی) ہی ہوتا ہے جس میں ایک خاص طرح کی بو اس طرح سے پیدا ہو جاتی ہے کہ چمڑے کو معمولی طریق سے کمانے کی بجائے پتوں کے دھوئیں سے کمایا جاتا ہے۔ ان دوکانوں میں چرمی مخملی یا بانانی بڑے بڑے چار جامے اور انہی کے ہم اندازہ و زندار گدیاں جنکی باگوں پر دستی سلائی سے بیل بوٹے کاڑھے ہوتے ہیں۔ جسقدر چاہو دستیاب ہو سکتی ہیں۔ خاص دار الخلافہ میں ان کا عرصہ سے رواج نہیں رہا۔ قبول اور خرجیاں بھی ہر قطع وضع اور حجم کی یہاں تیار ہوتی ہیں۔ ان کی ساخت میں سادگی اور استادی دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ اور لمبے سفروں میں جو پشت تو سن پر کئے جاتے ہیں بہت مفید ثابت ہوتی ہیں قسطنطنیہ سے اکثر لوگ ایشیائی علاقہ کی طرف ایسے سفر پر جاتے ہیں کل بازار میں سب سے عمدہ چیز خچری صندوق ہیں۔ یہ مضبوط روسی چمڑے کے ہوتے ہیں اور ایسی استادی مضبوطی اور صفائی سے بنے ہوتے ہیں۔ کہ یورپ بھر میں انکی نظیر نہیں مل سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ٹرکی میں شہر کی چار دیواری کے اندر مُردوں کے دفن کرنیکی ممانعت نہیں۔ مگر قبر پر قبر بنانے کو رواج ایسا ناپسند کرتا ہے کہ قبرستانوں کیلئے بہت وسیع رقبہ ضروری ہے۔ استنبول اور پیرا کی مساجد کے قرب و جوار کے بیشمار چھوٹے چھوٹے قبرستانوں اور ان گنت مقبروں کے علاوہ استنبول کے اسکودر کے گرداگرد خشکی کی طرف قبرستانوں کا تقریباً نا ختم ہونے والا سلسلہ چلا گیا ہے۔

بطور قاعدہ ہر مسجد کے متصل اسکے بانی اور بانی کے زن و اطفال کی قبریں ایک چھوٹے سے قبرستان یا مقبرہ میں بنی ہوئی ہیں۔ ان مقبروں میں سے بعض کی عمارتیں کثیر الزاویہ اور اکثر کی

ہشت پہلو ہیں۔ یہ آٹھ ضلعے اللہ محمد اور چھ اماموں کے ناموں کی تعداد کی مناسبت سے ہیں
شہر کی سب سے شاندار اور پرتکلف عمارتیں یہی مقبرے ہیں۔ اور انہیں میں وہ کتبے لگی ہوئی ہیں جنہیں
فن تحریر کے بہترین نمونے موجود ہیں متوفی کی لاش اسلامی رواج کے مطابق درمیانہ قد کے آدمی کی برابر گڑہا
کھود کر دفن کیجاتی ہے۔ سلطان یا بانی مسجد کی قبر ہمیشہ صحن دروازہ کے سامنے اور اسکی بیویوں بچوں کی
قبریں اُسکے گرداگرد سلیقہ سے بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہر قبر پر چوبی صندوق یا تعویز بنا ہوتا ہے۔ یہ صندوق
مدفون کی قدر و منزلت کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ کل استنبول میں سب سے بڑا تعویز محمد ثانی
کی قبر کا ہے۔ یہ صندوق سیاہ مخمل کی چادروں سے جنکے حاشیوں پر زردوزی کا بیش بہا کام ہوا ہوتا ہے ڈھپے
ہوئے ہیں بعض بعض مقبروں میں ان چادروں پر بیش بہا دوشالے بھی ڈالے ہوئے ہیں۔ یہ سب چادریں اور دوشالے
کچھ عرصہ حضرت سرور کائنات (علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کی مرقد منورہ پر رہنے کے بعد ان قبروں پر ڈالے گئے تھے
ان کل مقبروں میں سب سے عجیب مقبرہ سلطان سلیم کا ہے جسکی قبر کے گرداگرد اُسکی چاروں بیویوں اور
تقریباً چالیس لڑکے لڑکیوں کی جو سب کے سب صغر سنی میں فوت ہوگئے تھے قبریں موجود ہیں۔ لڑکیوں کی
قبروں سے لڑکوں کی قبروں کی تمیز چھوٹے چھوٹے سفید عماموں سے ہورہی ہے۔ ہر ایک مقبرہ میں
چاندی کا ایک ایک صندوق رکھا ہے جنہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ریش مبارک کا ایک ایک بال
تبرکاً و تیمناً بند ہے۔ قبروں کے گرد بنگلے بنے ہوئے ہیں جنمیں سے بعض ٹھوس چاندی کے ہیں۔ ان عمارتوں
کا مسجدوں کے برابر ادب کیا جاتا ہے۔ فرشوں پر قالین بچھے ہوئے ہیں جنپر غلیظ پاؤں لیکر کوئی نہیں
جا سکتا۔ سلاطین کے مقبروں میں بادشاہوں کی قبروں کے سرہانے بالعموم تین تین چار چار رحلیں جنپر
نہایت اعلیٰ درجہ کی صنعت کا کام کیا ہوا ہے رکھی ہوئی ہیں اور اُنپر کمال خوش خط زرفشاں قلمی قرآن مجید
ہیں جن میں سے مقبرہ کے منتظم ہر روز چند سورتیں پڑھ چھوڑتے ہیں۔ بعض بعض قرآن شریفوں کی طلاکاری
ایسی بدیع اور شوخ رنگ ہے کہ یورپ میں اُن کی نظیر موجود نہیں۔ اور زمانہ وسطیٰ کی نہایت خوش قلم اور طلا کار
کتابوں کے بہترین صفحات بھی اُنکے سامنے گرد ہیں۔

مقبروں کے علاوہ اکثر مسجدوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قبرستان بھی ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی جگہیں بالعموم
خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔ یادگاری ستون مختلف اوضاع میں کھڑے ہیں اور گلاب
کے درخت اور دوسری جھاڑیاں انمیں بکثرت اُگی ہوتی ہیں۔ سڑکی ہیں قبروں کی مرمت کرنے ہی کا رواج نہیں۔ سنگ یادگاری

ستون جو عموماً النبی، نازک اور عمودی ہوتے ہیں جلد ٹیڑھے ہو کر ادھر ادھر جھک جاتے ہیں جس سے قبرستانوں
کی شکل عجیب غریب اور ڈراؤنی سی ہو جاتی ہے۔ سلطان محمود نے گچ کو رواج دینے کے زمانہ تک مردانہ
قبروں کے سرہانہ کے پتھروں پر عمامے کندہ کیے جاتے تھے۔ بعد ازاں فیس کا عام دستور ہو گیا جس کو شروع
میں سرخ رنگ دیا جاتا تھا اور نیلا پھندنا بھی بنا دیا جاتا ہے۔ مگر یہ رنگ جلد ہی مٹ جاتا ہے۔ ستونوں کے دونوں
حصوں میں عموماً طویل کتبے لکھے ہوتے ہیں۔ پہلے بسم اللہ اور قرآن شریف کی کوئی آیت اور پھر متوفی کے مختصر
حالات درج ہوتے ہیں۔ عورتوں کی قبروں پر یا تو قطعاً کوئی نشان نہیں ہوتا۔ یا زیادہ تر سورج مکھی کا پھول اور
بعض بعض پر کوئی بیل بوٹا یا شاخ بنا دی جاتی ہے۔ ان کے ستونوں پر بالعموم منظوم کتبے ہوتے ہیں۔ بعض
بعض قبروں پر ستونوں نے بڑی قیمت اور لاگت سے شاندار یادگاریں بنوائی ہوئی ہیں۔ مگر بلا مرمت رہنے
سے ان کی اصل کیفیت باقی نہیں رہ گئی۔ ان چھوٹے چھوٹے قبرستانوں میں سے اکثر میں خود قبروں کی سطح
نشیب میں خوب صفا روشیں موجود ہیں۔ جو دونوں طرف کی سبز ترتیب جھاڑیوں اور درختوں کے مقابلہ
میں عجیب حیرت بخش معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ زہد و تقدس میں مشہور ہوں ان کو بالعموم خاص کر مضافات میں علیحدہ
احاطہ میں دفن کر کے ان کی قبروں کے گرد جنگلا لگا دیا جاتا ہے اور اوپر چھت یا گنبد بنا دیا جاتا ہے۔ ان بزرگوں کے
مزاروں پر جس طرح رومن کیتھولک ملکوں میں عیسائی اولیا کے مزاروں پر ہوتا ہے۔ رات کو عموماً متعدد
چراغ روشن دکھائی دیتے ہیں جنکو منتیں ماننے والے جلا جاتے ہیں۔ مسلمان متوفی کو نہ فقط ادب سے
یاد رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کا اعتقاد ہے کہ متوفی بزرگوں کی شفاعت اور دعا بھی مستجاب ہوتی ہے۔ بزرگوں کی
قبروں کی ارد گرد کی جھاڑیوں پر اکثر سینکڑوں ہزاروں چیتھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کو زائرین اپنے کپڑوں سے
پھاڑ کر جھاڑیوں سے اٹکا جاتے ہیں۔ اور ان کا اعتقاد ہے کہ ایسا کرنے والا بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔ مگر
کل ضلع میں سب سے زیادہ دلکش اور خوشنما بڑے بڑے قبرستان ہیں جو فصیلوں کے باہر ہیں۔ وہاں جو متوفیوں کی
قبروں پر بڑے بڑے شاندار شجر جن کی عمریں کئی صدیوں سے کم نہیں سایہ فگن ہیں۔ اور وہ سایہ ایسا گھنا ہے کہ موسم
گرما کی دوپہر کو بھی ایک گونہ تاریکی سی رہتی ہے۔ شجر کے سایہ میں کوئی اور پودا زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے
زمین پر تقریباً کوئی جھاڑی بوٹی نہیں۔ ہر طرف جہاں تک نظر جا سکتی ہے۔ خاکی مائل یادگاری ستونوں کی نامتناہی
قطار در قطار دکھائی دیتی ہے۔ کوئی سیدھا کھڑا ہے۔ کوئی جھکا ہوا ہے۔ کوئی دائیں بائیں یا آگے پیچھے زمین پر
پڑا ہے۔ کہیں کہیں لمبے لمبے فاصلوں پر بعض بعض ستونوں پر شوخ رنگ کا نشان چمکتا نظر آتا ہے۔ یہ رنگ

مردانہ قبروں کے ستونوں پر فیسوں کا جو جیسا ہم کے انقلابات نے ابھی تک دور نہیں کیا۔ یہہ قبرستان دوپہر اور صندلی یا نیم۔ ۔ ۔ تاریک شفق کے وقت کسی قدر اور رات کو بالکل ڈراؤنے اور ہیبت انگیز ہوتے ہیں۔ ان قبرستانوں کو دیکھہ کر کوئی تعجب نہیں ہوتا کہ ترک بہوت پریت۔ غول جنات اور عالم ارواح کے متعلق تمام دیگر اقسام کی "وہمی" وحشت انگیز چیزوں پر کیوں اور کس طرح اعتقاد کرتے ہیں۔ عوام الناس ترکوں کو ان باتوں پر ایسا یقین ہے کہ جانباز اور تقدیر کا قایل مسلمان گو ہر طرح سے موت کا مقابلہ کرنیکے لئے فی الفور تیار ہو جائیگا لیکن اگر اُسے قبرستان میں رات کیوقت گذرنا پڑے تو بید کی طرح تھرتھرائیگا۔ بہرحال یہہ امر واقع ہے کہ قبرستان بالخصوص شام کے بعد ہرگز محفوظ مقام نہیں رہتے کیونکہ اسی وہم کی بدولت فراری مجرموں اور بدمعاشوں کو ان میں خوب محفوظ امن اور جائے پناہ ملجاتی ہے۔ اور وہ اُن میں پناہ جالیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی طرف سے اکیلے دوکیلے مسافر یا راہرو کے ساتھہ جو کچھہ سلوک ہوسکتا ہے اوسکو بتانے کی کوئی احتیاج نہیں۔

لیکن اس تاریکی وحشت اور ویرانی کے باوجود یا شاید انہی باتوں کی طفیل ترکی قبرستان عیسائی قبرستانوں سے بدرجہا زیادہ دلچسپ اور خوشنما ہوتے ہیں۔ عیسائی قبرستانوں میں یادگاریں بالکل بے مذاق اور بھدی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ پھولوں کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں قطعاً بے محل معلوم ہوتی ہیں۔ اور کتبے بھی روکھے پھیکے اور بے لطف سے ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر ترکی قبرستان ایک صاحب ہوش و ذکا کی نظر میں عیسائی قبرستانوں پر وہی فوقیت اور فضیلت رکھتے ہیں جو ہزاروں برسوں کے پرانے جنگل کو جس کے درخت آسمان سے باتیں کرتے ہوں۔ ایک چھوٹے سے باغ کے مالی کے لگائے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودوں اور کیاریوں پر ہے۔ موجودہ زمانہ کی وہ صنعت جو مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ مجھے بھلی نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ وہ بھی زمانہ کے فیشن کے ساتھہ ساتھہ بدلتی جاتی ہے۔ مسلمان اس غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ مردوں کی قبروں کو سجا سجا کر رکھنا اور قرینہ دار بنانا جس طرح کتب خانہ میں کتابیں فہرست کے مطابق عین سلسلہ وار جہاڑ پونچھہ کر رکھی جاتی ہیں۔ مجھے تو یہہ بات پسند نہیں موجودہ مسیحی قبرستان کیا ہیں۔ اچھے خاصے تجارتی اور کاروباری دفتر ہیں کہ کوئی چیز قرینہ و سلیقہ کے بغیر نہیں۔ کیا ان لوگوں کی روحوں کو جو پرانے مذاق اور خیالات کے آدمی تھے ایسی جگہ کوئی آرام مل سکتا ہے ہم چینیوں کی طرح قبر اور بزرگ پرست نہیں۔ اور ہم میں سے جنکو آخرت اور عالم ثانی پر اعتقاد ہے وہ بخوبی

جاتے ہیں کہ راحت و آرام و جزا یا عذاب و سزا روح کیلئے ہے نہ کہ جسم کیواسطے۔ تو کیا پھر اوس چیز کے محفوظ رکھنے کے لئے جو بموجب اس اصول کے بالکل فضول اور بے کار شئے ہے۔ بڑی بڑی رقمیں صرف کرنا حماقت اور سفاہت نہیں ہے؟ کسی یورپین شہر میں مرکر زمانہ حال کی نئی بدعتوں صندوق ساز۔ مجاور قبرستان ہر مرمری تعویذ بنانے والے۔ اور میونسپلٹی کی دستبرد اور لوٹ مار کا شکار بننے کی بجائے میں تو اسے ہزار درجہ بہتر سمجھتا ہوں کہ دبتری سیاحت کرتے کرتے اگر موت آجائے تو زیر فلک کسی اس کوہ پہ لیٹ گئے۔ یا بحری سفر میں موت آپہونچے تو پاؤں میں وزن باندھ کر لاش کو سمندر میں پھینک دیا جائے۔ یا نہایت درجہ خیر کسی قبرستان میں ہی زمین کہود کر دفنا دیا جائے۔ اور اوپر سے مٹی ڈال کر قبر کو بے نام نشان چھوڑ دیا جائے۔ موت کیا اور بہت تکلف کیا۔ لیکن میری نصیحت کون سنتا ہے۔ موت تو اول ہو سب کو آئیگی۔ باقی رہی تدفین۔ وہ ہمیشہ قوموں کو اپنے اپنے مذاق پر منحصر رہیگی۔

پیرا و غلطہ

اب تک میں نے پیرا و غلطہ اور ان گنجان آباد مضافات کا جو خلیج گولڈن ہارن کی شمالی جانب میں ہیں بہت کم ذکر کیا ہے۔ اہالی جنوا کا یہہ پرانا شہر (غلطہ و پیرا) قسطنطنیہ میں نہ پہلے کبھی شامل ہوا۔ نہ آئندہ کبھی ترکی دار الخلافہ میں فی الحقیقت داخل سمجھا جائیگا۔ وہ ایک طرح سے شروع سے ہی علیحدہ آبادی چلی آتی ہے۔ یہہ درست ہے کہ موجودہ سلطان المعظم (بشکطاش) کے انتہائی رستے اور یلدیز کوشک جو باسفورس پر واقع ہے رہتے ہیں۔ اور جیسا کہ دنیا میں ہوتا آیا ہے بادشاہ کی موجودگی کیوجہ سے اکثر بڑے بڑے امرا اور جلیل القدر اہلکار بھی اوسی نواح میں جا بسے ہیں۔ مگر یہہ جگہ پیرا اور غلطہ سے پرے ہے۔ ان دونوں جگہ زیادہ تر عیسائی اور یہودی ہی جنمیں بہت سے یورپین ہیں آباد ہیں۔ اور اسی لئے وہاں کے بازاروں میں بہت کم شرقیت اور مشابہت و دلچسپی پائی جاتی ہے۔ یہہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ پیرا امرا اور متمولین کا محلہ ہے۔ یورپین سفرا موسم سرما میں اسی جگہ رہتے ہیں۔ اور یہیں وہ یورپین صراف اور تاجر جن کا کام بن جانے اپنی رہایش کے لئے بدمعاشوں کے خرابات کدوں کے درمیان اپنے عالیشان اور پر تکلف محل بناتے رہتے ہیں۔ باقی رہا غلطہ۔ اوسکو دنیا کی بدمعاشیوں اور خرابیوں سے خمیر کا متعفن اور کہولتا ہوا چہ بچہ سمجھنا چاہئے۔ میرا قیاس ہے کہ دنیا کے کسی اور شہر میں ایسی سیاہ کار اور بد باطن آبادی نہیں پائی جائیگی جیسی کہ کنارہ آب یعنی قاسم پاشا سے لیکر توپخانہ عامرہ (توپ ہانہ) تک کچھا کھچ بھری ہوئی ہے۔ جس شخص کو مجہہ جیسے علم قیافہ کا شوق ہے۔ وہ اس

علاقہ کو اپنے مطالعے اور علمی تحقیقات کیلئے نہایت مفید پائیگا۔ کیونکہ یہاں کے غلیظ بازار۔ زہر آلود گلیاں۔ اور مسموم شراب خانے اوس قسم کے بدمعاشوں کے بدترین نمونوں سے جن کو مجبوراً مہذب بدمعاش کہنا پڑتا ہے۔ ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔ یہہ ایسی حیثیت کے لوگ ہیں کہ بالائی محلہ پیرا کے یورپین ہمیشہ اون سے خائف رہتے ہیں اور دوسری طرف (یعنی استنبول) کے ترک بالکل بجا طور پر اون کو کمال نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں کے ارمنی اور یونانی باشندے جو ایک طرح سے زیر زمین زندگی بسر کرتے ہیں طرح طرح کی بدمعاشیوں سے خوب روپیہ کماتے رہتے ہیں۔ مگر چونکہ یہہ سب لوگ عیسائی ہیں۔ اور کسی نہ کسی یورپین سلطنت کی رعیت بن کر اوس کے سفیر کی پناہ میں رہتے ہیں۔ ترکی حکام اپنے ملک کی پولیٹیکل حالت کے لحاظ سے کسی بدمعاش کو گرفتار یا سزا دینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ان لوگوں کی آزادی میں ذرا سی بھی مداخلت کریں تو ممکن ہے کہ وہ حکومت جس کی پناہ میں ہونیکے یہہ لوگ مدعی ہوں فی الفور اس امر کو وجہ مخاصمت اور جنگ کا بہانہ بنا لے۔ غالباً یہیں کوئی ایسا شراب خانہ نہیں جس کے ساتھ مکان کے پچھواڑے کسی خفیہ کمرہ میں قمار خانہ نہو۔ پیرا کے بھی چند نسبتاً معتبر اور معزز قہوہ خانے اس بدعت سے خالی نہیں۔ ان میں گول میز کے ذریعہ سے جوا کھیلا جاتا ہے جن پر گھڑی کے ڈایل کی طرح نمبر اور بیچ میں سوئی لگی ہوتی ہے۔ چکر میں دو جگہ صفر اور نو یا دس جگہ اعداد لکھے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نو وارد بفرض محال خوش نصیبی سے کچھ جیت بھی لے تو کیا یہہ ممکن ہے کہ وہ جیتی ہوئی رقم کو اپنے ساتھ لیجا سکے۔ ہر ایک قمار خانہ میں مصنوعی پولیس موجود ہوتی ہے۔ جو اشارہ پاتے ہی فوراً اوس شخص کو کمرہ سے باہر نکلتے ہی لوٹ لیتی ہے۔ اور اگر ضرورت آپڑے تو اوس کو قتل کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

باقی رہا اسکودرہ جو باسفرس کے ایشیائی ساحل پر واقع ہے۔ اوس کا رنگ ڈھنگ بالکل ہی نرالا ہے اسمیں زیادہ تر ترک آباد ہیں عیسائی بہت کم ہیں۔ ناظرین سے ترکوں کا ایشیائی ہونا مخفی نہیں۔ مگر دونوں براعظموں کے محل اتصال پر اپنی اوصاف حمیدہ سے انہوں نے خاص امتیاز حاصل کر لیا ہے۔ اسکودرہ کے کوچہ و بازار میں طمانیت اور سکون سا برستا ہے۔ دو طرفہ مکانات کی کھڑکیاں اور دریچے جالی دار ہیں جن سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ اون میں مسلمان آباد ہیں۔ مکانات کی قطع وضع اور حیثیت سے گو واضح ہوتا ہے کہ اون کے مالک چنداں خوشحال اور فارغ البال نہیں۔ تاہم وہاں کچھہ ایسی خوشگوار

خاموشی اور سناٹا پائی جاتی ہے کہ استنبول کے پاہ دلق اور شور و غل ہجوم بازاروں اور غلطہ کے دماغ کو منتشر کردینے والے خرابا کدوں سے نکل کر طبیعت کو ہر جگہ بہت فرحت اور راحت ملتی ہے۔ بازاروں میں خلقت کا بہت کم ازدحام رہتا ہے۔ اور ایسی گاڑیاں پرانی قسم کی اور بھدی ہیں۔ بیلوں کے چھکڑے بھی بافراط ہیں۔ یہہ چھکڑے نیچے اور لمبے سے پہیے بہت بھدے اور موٹے۔ اور اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ کنبہ کا کنبہ معہ کل اثاثہ کھٹکران میں سما سکتا ہے۔ اور ایسا اکثر مشاہدہ میں آتا ہے کہ عورتیں اور بچے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوب بھنس کر اور کنبہ کا مالک عموماً گاڑی کے پیچھے آلتی پالتی مار کر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ اوس کے چہرہ کا بشرہ اوس وقت بعینہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایسے حالات میں یورپین خاندان کے بزرگ کا ہوتا ہے۔ یعنی تردد و تھکان۔ آزردگی اور حجاب یہہ سب باتیں اوس بشرہ میں پائی جاتی ہیں۔ جو اہل مشرق کے متین و تقشہرن پہ ہرگز نہیں دیتیں۔ مگر عورتیں جنکو نقاب استنبول کی عورتوں سے زیادہ دبیز اور نیچے ہوتے ہیں سفر گاڑی دلچسپی لطف اوٹھاتے ہیں۔ اور راستہ میں ہر ایک چیز کو بڑے شوق سے دیکھتی جاتی ہیں۔ اور جس وقت کبھی یورپین کی ہلکی پھلکی گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی اون کے پاس سے گذرتی ہے۔ تو وہ اچنبھے کی نگاہ سے اوسے تکتی رہتی ہیں۔ جوں جوں مضافات میں بڑہتے جاؤ۔ بیلوں کے چھکڑوں کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسکودرہ میں قابل دید چیزیں کوئی زیادہ نہیں۔ ہاں اگر تم وہاں کی عمومی پہاڑی پر چڑہنے کی تکلیف گوارا کرو تو اوس کی چوٹی سے تم چاروں طرف فی الواقع نہایت شاندار نظارہ کر سکوگے۔

قاضی کوئی

قصبہ قاضی کوئی جو قدیم قصبہ کالسیڈون کے موقع پر آباد ہے اسکودرہ سے بہت زیادہ دلچسپ ہے۔ اوس کا محل وقوع بھی نہایت خوشگوار اور خوشنما ہے۔

اور مزید بر آں اوس میں ایک ترکی تھیٹر بھی ہے۔ کل قسطنطنیہ اور اوس کے قرب و جوار میں یہی ایک تھیٹر ہے۔ ناٹک گھر شہر کے پچھواڑے ایک عریض مرغزار کے سرے پر چوبی تختوں کی بھدی سی عمارت ہے پردے معمولی۔ موسیقی قابل نفرت اور تماشبین صرف مرد ہی مرد ہوتے ہیں۔ عورتوں کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ مگر اوس کا مالک اور مینیجر ایک اعلیٰ پایہ کا ایکٹر (سعد اللہ بک مرحوم الانتقال) ہے وہ ٹھیٹھ ترکی ہے اور اگر اوس کی پوری پوری سرپرستی اور معاونت کیجائے۔ تو اوس کا تھیٹر دنیا کے کسی اور تھیٹر سے کم نہ رہے ہفتہ میں دو یا تین دفعہ تماشا ہوتا ہے۔ جو فقط دن کو کیا جاتا ہے۔ اور یہ نہیں کہ وقت مقررہ پر

اٹھا کر کھیل کو شروع کر دیا جائے۔ بلکہ سامعین و ناظرین کی آسائش و فراغت کو وقت کی پابندی پر مقدم کیا جاتا ہے۔ عمارت کو چوبی ہے مگر تمباکو نوشی کی کوئی ممانعت نہیں۔ سب سگرٹ پیتے رہتے ہیں۔ اور یہ بتانیکی تو کوئی ضرورت نہیں کہ جہاں ترکوں کا کچھ بھی مجمع ہو۔ وہاں قلفی بیچنے والے اور قہوہ فروش ضرور موجود ہونگے ناٹکوں کے محل وقوع عموماً وہ فرضی ایشیائی ممالک ہوتے ہیں جو قصہ کہانیوں میں مذکور ہیں۔ کھیل کی روح رواں صرف ایک مسخرہ ہے۔ جو ایسی عمدگی سے ایکٹ (کھیل) کرتا ہے کہ جو لوگ ترکی زبان نہیں سمجھتے وہ بھی عش عش کر اٹھتے ہیں۔

قاضی کوئی سے پرے بحیرہ مارمورہ کے ساحل پر یہی جزائر شاہزادگان کے مقابل ایسا مقام ہے جو خوبصورتی اور خوشنمائی میں قرب و جوار کے کل مقامات پر فضیلت رکھتا ہے۔ اس کا نام "منتا باغچہ" (روشنی کے مینار کا باغ) ہے۔ یہ خوبصورت جزیرہ ایک چھوٹی سی راس کے سمندر کی طرف کے انتہائی سرے پر واقع ہے۔ اسکے شمشاد سینکڑوں زمانے اور انقلاب دیکھے ہوئے ہیں کبھی وہ دیوی ہیرا کے مندر پر سایہ فگن تھے۔ بعد ازاں قیصر جسٹینین کے تابستانی محل پر پرتو فگن رہے۔ اور اب اون خودرو اور جنگلی پھولوں پر سایہ ڈال رہے ہیں جو ان دونوں عمارتوں کے در و دیوار اور منہدم بنیادوں پر اُگے ہوئے ہیں۔ گرمی کی موسم میں یہاں ہر وقت سطح سمندر سے ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے۔ یونانی ماہیگیر اپنے جالوں کو خشک کرنے کے لئے دھوپ میں پھیلا کر خود سایہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور امرا ان کے مرغوب خاطر مقام مودا بورنو (راس مودا) اور اس مقام کے درمیان کی خلیج میں جو سر گنداول کی خلیج کہلاتی ہے چند چھوٹی بڑی تفریحی کشتیاں کھائی دیتی ہیں۔

اس نواح کی قدر و منزلت دن بدن لوگوں کے دلوں میں بڑھ رہی ہے تابستانی رہائش کیلئے اب اسے زیادہ پسند کیا جانے لگ گیا ہے جس سے باسفرس کی قدر گھٹتی جاتی ہے اور اس طرف زمین کی قیمت روز بروز ترقی پر ہے۔ یہاں کی ہوا نسبتاً خشک ہے اور شام کو وہ سخت خنک ہوا نہیں ہوتی جو باسفرس کی طرف بحیرہ اسود سے آتی ہے۔ اس نواح کے ساحل پر صرف یہ ایک نقص ہے کہ مودا بورنو اور فنار باغچہ ایسے منتخب موقعوں کے سوا درخت تقریباً ناپید ہیں۔

باسفرس

باسفرس کی مفصل کیفیت بیان کرنیکی اس مختصر سے رسالہ میں گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اوسکی خوبصورتی اور دلفریبی کے متعلق سیاحوں کی رایوں میں بہت اختلاف ہے۔ میرے نزدیک تو وہ خلیج نیپلز (اٹلی) یا کریمیا کے جنوبی ساحل سے لگا نہیں کھاتی۔ ایک ناقدشناس امریکن سیاح

مجھ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ہوزالفیدکی خلیج کو مواور باسفرس میں صرف یہہ فرق ہے کہ پہلی
چوڑی زیادہ ہے۔ اور آخر الذکر تار کی طرح لمبی کھنچی ہوئی ہے۔ اس میں اوس نے گو بہت مبالغہ سے کام
لیا ہے۔ مگر یہہ بیان صداقت سے بالکل معرا نہیں۔ یورپین اور اناطولی حصاروں (یعنی یورپین و ایشیائی
قلعوں) کے گرانڈیل بیچ جن قلعوں کو محمد ثانی نے تعمیر کرایا تھا بیشک نہایت پرجلال عظیم الشوکت
اور خوشنما ہیں۔ اور اون کے درمیان باسفرس کی دہار ایسی تیزی سے بہتی ہے کہ اوس کا نام ہی
شیطان کی دہار پڑ گیا ہے۔ مگر باسوا ان کے اسکودرہ سے لیکر بحیرہ اسود کے دہانہ تک اس آبنا پر کوئی
چیز ایسی نہیں پائی جاتی جسے شاندار و عظیم الشوکت کہا جا سکے۔ اس کے دونوں ساحل دیہات بنگلوں اور
دولمہ باغچہ و ییلدز کے ایسے عالیشان سلطانی محلات سے لیکر غریب نادار ماہیگیروں کی بے حقیقت جھونپڑیوں
تک جو اناطولی قواق کے پاس ہیں ہر حیثیت اور قسم کی عمارتوں سے معمور ہیں۔ کچھہ عرصہ گذرا ہے کہ تب
تک باسفرس وزراء سلطنت سفراء دول اور متمول یونانیوں کی مرغوب و دلپسند تابستانی رہائشگاہ تھی۔
موسم گرما میں یہہ سب وہیں رہتے تھے۔ مگر جیسا کہ اوپر لکھہ چکا ہوں اب اوسکی قدر گھٹتی جاتی ہے۔ اور امراء اور
متمولین ہوا اور اور جزائر شاہزادگان کو زیادہ پسند کرنے لگ گئے ہیں۔ تاہم یہہ آبنائے بجائے خود خوبیوں
سے خالی نہیں اور یہہ خوبیاں اور دلفریبی صرف اوسی کا حق ہیں۔ دونوں طرف کی پست قامت پہاڑیوں کے
نشیب و فراز باغات سے ڈھنپے ہوئے ہیں۔ اکثر عمارات عین برلب آب واقع ہیں۔ اور خود سطح آب ہر وقت
گوناگوں کشتیوں اور جہازوں سے پٹی رہتی ہے۔ دیہات عموماً یکساں وضع کے ہیں۔ مگر بعض بعض
مقام مثلاً درہ آب نیلی۔ تہراپیا۔ بیوک درہ۔ اور وادی گلاب۔ خاص حسن و ملاحت رکھتے ہیں۔ درہ آب نیلی
میں جسے یورپین "ایشیا کا آب شیریں" کہتے ہیں۔ یورپ کے "آب شیریں" یعنی کاغذ خانہ (ملفظ کیات ہاں)
کی طرح اکثر ترک جمعہ کے سہ پہر کے وقت زن و فرزند کل کنبہ سمیت تفریح کے لئے جاتے ہیں اور
اوس کے خوشگوار سایہ میں برلب دریا سگریٹ و قہوہ کا مزہ اڑاتے ہیں۔ بلغراد کا مشہور پرفضا جنگل بیوک
درہ (وادی کلاں) سے ہی شروع ہو کر میلوں چلا جاتا ہے اور آخر بحیرہ اسود کے سواحل پر ختم ہوتا ہے۔
اس جنگل میں کئی نہایت عمدہ سڑکیں مختلف الطراف کو جاتی ہیں۔ اور کئی ڈنڈیاں تو بیشمار ہیں۔ ان میں سے
سوا کسی پر موسم گرما کی سہ پہر کو خواہ کتنی میل چلا جائے۔ درختوں کا سایہ کسی جگہ بھی اوس کے سر سے
دور نہ ہوگا۔ جو انسان اجتماع ضدین۔ دہوپ و سایہ۔ پست و بلند۔ نور و ظلمت۔ ویرانی و رونق وغیرہ وغیرہ

دیکھنے کا مشتاق ہے اس میں سے اس کا یہ اشتیاق بھی پورا ہو جائیگا۔

فرض کرو کہ اس سیر کیلئے تم اپنے ہوٹل (واقع بیرا) سے چار بجے گھوڑے پر سوار ہوتے ہو سوار ہوتے ہی تمہیں قریباً قریباً اپنے گرد و پیش یہ سماں دکھائی دیگا کہ ہر ایک درہ کی گھاٹ پر لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ کچھ سیر بیلربے کو آ رہے اور کچھ وہاں سے واپس جا رہے ہیں۔ سفید پوش قایقچی مسافروں کو قابو کرنیکے لئے اپنی اپنی کشتیوں پر مستعد بیٹھے ہیں۔ ایرانی تاجر سود و سلف لگانے کیلئے درختوں کے نیچے اپنے اپنے قالین بچھا رہے ہیں۔ بارہ چودہ برس کی سائیس اپنے اپنے مالکوں کے تیز و طرار گھوڑوں کو جن پر زینیں کسی ہوئی ہیں لئے ہوئے ادھر ادھر ٹہل رہے ہیں۔ بازاری حجام سایہ دار گوشہ میں ایک ملاح کی حجامت کر رہا ہے۔ اور قلفی فروش "دوندرمہ قیماق" کی آواز لگا رہا ہے۔ ادھر ساحل سے پرے تین یا چار بادبانی کشتیاں لہر اور ہوا کا مقابلہ کرتی ہوئیں آہستہ آہستہ سطح آب پر تیرتی جا رہی ہیں۔ ان پر کوئی سفیر سوار ہونگے جنکو بیکار بیٹھے ہوئے فتنہ و شرارت کی کھچڑی پکاتے رہنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ ادھر گلاب کی بھینی بھینی خوشبو روسی سفارت خانہ کے باغ کی پہاڑیوں سے نکلکر دماغ کو معطر کئے دیتی ہے۔ چند لمحوں میں تم ان سب چیزوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہو اور پھر ساحل کے کنارے کنارے بازار میں سے جس کے دونوں طرف قصابوں، نانبائیوں اور غلہ فروشوں کی دکانیں ہیں گذر کر وسیع میدان میں پہنچ جاتے ہو۔ یہاں سے تم کچھ دیر پہاڑی راستہ کو طے کرتے ہو اور پھر کوٹ چھوڑ جانیکے بعد اس سرسبز جنگل میں داخل ہو جاتے ہو۔ اور استنبول۔ باسفورس یونانی۔ ترک۔ ارمنی اور سفارتیں سب پیچھے چھوٹ جاتے ہیں۔ وہ سب حرف غلط کی طرح تمہارے دماغ سے محو ہو جاتی ہیں۔ اور تم خدا کی کائنات کی قدرتی صنائع و بدائع کے تماشے میں مستغرق ہو جاتے ہو۔ اب اگر تم برابر بڑھتے جاؤ تو شام کے قریب آخر تک سنسان دلدل کے کنارے پہنچ جاؤ گے جو کہ بلیک سی کی پہاڑیوں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر ان پہاڑیوں سے سمندر کی لہریں ٹکرا رہی ہیں۔ تم چاہو تو یہاں گھوڑے سے اتر پڑو۔ اور ان کھنڈرات کے قریب جو کسی وقت جلاوطن "اووڈ" کا مسکن تھے کھڑے ہو کر بے پایاں ریتلی بحر اسود کی موجوں کو جنکو ڈوبتے ہوئے سورج کی ترچھی کرنوں نے نیلگوں بنا رکھا ہے نظارہ کرو۔ اور اس وقت غالباً تمہارا تصور اس تمام سرزمین یعنی علاقہ کوہ ارارات جو کہ عراق آرمینیا (قاف) کی طرف بھی جا دوڑے جو اس موقع سے جہاں تم کھڑے ہو گے کوئی بہت دور نہیں۔ اور جو اس پہلی اور بڑی قوموں کا گہوارہ رہ چکی ہے جو دنیا کی سب سے بڑی استخوان متنازعہ قسطنطنیہ پر لڑتی۔ اور لڑ رہی ہیں اور آئندہ بھی اور صدیوں تک لڑتی رہینگی۔

تمام شد

ہرنری گوئنا یسامووس اور قبرس کے تمدن تجارت۔ بری بحری طاقت تعلیم۔ ریلوی۔ تر صنجات۔ قومی صنعت وحرفت زراعت۔ مردم شماری و رقبہ۔ طرز و آئین حکومت اور موجودہ پولیٹیکل حالت پر بحث کی گئی ہے۔ نہایت جامع کتاب ہے ڈمی کاغذ پر بہت خوشخط چھاپی گئی ہے قیمت عہ۔

تاریخ خاندان عثمانیہ مصنفہ مولوی محمد انشاء اللہ صاحب جس میں ابتدائی خاندان سے لیکر حضرت سلطان المعظم کی تخت نشینی تک کے حالات درج کر کے سلطنت عثمانیہ کی عروج اور تنزل کی اسباب اور یورپ کی باہمی تعلقات شرح و بسط کے ساتھ بیان کئی گئے ہیں اسکی دو جلدیں ہیں قیمت فی جلد (عکا)

محاربات پلیونا۔ یہہ کتاب ایک انگریز نوجوان نے جو ۱۸۷۷ء میں ستر برس کی عمر میں بطور والینٹیر عساکر عثمانیہ میں داخل ہوکر غازی عثمان پاشا شیر پلیونا کی ماتحت پلیونا کی قیامت تک یادرہنے والے معرکوں میں شریک رہا تہا ۱۸۹۵ء میں بزبان انگریزی تحریر کی تہی۔ اس کتاب کا ترجمہ مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار انعام آباد نے ابنا ملک کو ان معرکوں کے مفصل حالات سے آگاہ کرنیکے لئے اردو زبان میں کیا ہے اور حسب ضرورت جابجا مفید حواشی بہی شامل کر دئیے گئے ہیں اور پلیونا کی چاروں محاربوں کے رنگین نقشے بہی دئیے ہیں۔ تین حصوں میں قیمت فی حصہ عہر

فیوچر آف اسلام یعنی اسلام کی حالت مستقبلہ۔ یہہ کتاب مسٹر لفرڈ بلنٹ نے جو اکثر بلاد اسلامی اور ہندوستان کی سیاحت کر چکے ہیں بظاہر مسلمانوں کی بہتری کی خیالات سے تحریر کی تہی مگر دراصل اونکا مدعا عثمانیہ خلافت کو ضعف پہنچانیکا تہا لیکن ہمارے خلیفۃ المسلمین کے اوصاف حمیدہ ایسے ہیں کہ اس قسم کی بری نیت رکہنے والا شخص بہی اونکا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کتاب کا ترجمہ کر دینا جبتک کہ مصنف کے خیالات و آرائے فاسدہ کی ساتہ ساتہ تردید نہ کیجائے صرف نامناسب ہی نہیں بلکہ سخت مضر ہے اسلئے مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار انعام آباد نے اس کمی کو پورا کرنیکے لئے کتاب ہذا کا اردو ترجمہ کر کے مسٹر بلنٹ کی ظاہری ہمدردی کی بخوبی قلعی کہولدی ہے اور جہاں کہیں ضرورت تہی حواشی میں اوسکی تحریر کی تردید بہی کر دی ہے۔ زیر طبع ہے قیمت عار

رسم سلاملق۔ اعلیحضرت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین خادم الحرمین الشریفین سلطان عبد الحمید خان ثانی الغازی ایداللہ بہ الدین کے ہر جمعہ کو نماز دوگانہ ادا فرمانے کے لئے بجلوس شاہانہ محل ہمایون سے جامع مسجد حمیدیہ کو تشریف لیجانے کی تصویر ہوتے ڈمی کاغذ پر ۱۲ انچہ لمبی ۱۸ انچہ چوڑی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۴ر

درخواستیں بنام مینیجر اخبار وکیل بہیجی جائیں

مسٹر نیز آف دی کورٹ آف لنڈن یعنی دربار لنڈن کے اسرار - یہہ عجیب و غریب ناول انگلستان کے مشہور ناولسٹ مسٹر رینالڈس کی تصنیف ہے - اس کتاب میں مصنف نے چار علیحدہ علیحدہ سلسلوں میں جنکا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں کے لوگوں کی لائف کا فوٹو کھینچنے کے علاوہ عیاشی - بدکاری - شراب خوری - دغابازی اور بدکاری کے برے نتایج اور نیکی - راستبازی - دیانتداری اور غریبوں پر رحم کرنیکی نہایت خصایل کا بڑی وضاحت سے مفصل حال لکھا ہے - ہماری فاتح قوم کی طرز معاشرت طبعی اور جبلی عادات کا پورا پورا بالتشریح خاکہ کھینچ دیا ہے اس کتاب کے پہلے سلسلہ کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے لیکن اس ترجمہ میں اخلاقی مضامین اور انکے مفید نتایج کو چھوڑ کر صرف عشقیہ قصوں ہی کو لے لیا ہے چونکہ ناول کی اصلی غرض یہہ ہوتی ہے کہ عشقیہ قصص کی چاشنی دیکر اخلاقی اور علمی مضامین اور انکے نتایج حسنہ سے ناظرین کو مستفید کیا جاوے - لہذا ہم نے اس ضرورت کو پورا کرنیکے لئے تیسرے سلسلہ کا جسکو پہلے دو سلسلوں سے کچھہ بھی تعلق نہیں لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہے - با ایں ہمہ زبان کی خوبی اور طرز تحریر کی عمدگی کو بھی مد نظر رکھا ہے اور جا بجا موقع بموقع اردو اور فارسی کے بہتر کے موزوں شعر بھی چسپاں کر دیئے ہیں - کاغذ عمدہ اور چھپائی نفیس کل کتاب چار ضخیم جلدوں میں ختم ہوگی پہلی جلد تیار ہو چکی ہے اور باقی تینوں بھی زیر طبع ہیں قیمت فی جلد تین روپے (۳) عـ۵ روپیہ کے خریدار کو محصول ڈاک معاف تاجروں کے ساتھہ خاص رعایت کیجاویگی -

مارل سوشل اور پولیٹیکل مضامین پر شائستگی اور آزادی سے بحث کرنیوالا امرتسر کا مشہور و معروف

اخبار وکیل

یہہ اخبار ہفتہ وار مطبع وکیل امرتسر سے شایع ہوتا ہے - اسکے پرزور آرٹیکلوں نے ملک کے نامی گرامی قدر دانوں اور مشہور معاملہ فہم ناظرین کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے - دنیا بھر کی خبریں اور دلچسپ خبریں نہایت ہی جلد اور سب سے پہلے بہم پہنچاتا ہے اپنا نظیر نہیں رکھتا - اسلامی دنیا کے حالات معلوم کرنیکے لئے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں - اسکی طرز تحریر آزادی سچی ہمدردی - اعلیٰ درجہ کے لٹریچر نے ثابت کر دیا ہے کہ یہی ایک اخبار ہے جس کو اخباری دنیا میں لاثانی ہونے کا دعویٰ ہے -

اسکی اشاعت کے مقاصد یہہ ہیں - جو امور ملک اور قوم کی تمدن سوشل اور مارل حالت کی اصلاح کیواسطے مفید ہوں انکو اہل ملک کی خدمت میں پیش کرے - اور حاکم و محکوم کے ان تعلقات کو بیان کرے جو رعایا کی جان نثاری اور حکام کی رعایا پروری کے اصل الاصول ہیں - اور اسکے ضمن میں رعایا کے واجب مطالبات اور جائز حقوق گورنمنٹ کے حضور میں عرض کرے - اور گورنمنٹ کی حکمت عملی جو انتظام ملک کے متعلق ہو اس سے رعایا کو آگاہ کرے - اور جو غلط فہمیاں کسی فریق کی طرف سے عمل میں آویں انکو اظہار میں متانت شائستگی اور آزادی کے ساتھ ایسا طریق عمل اختیار کرے جو بد ظنیوں کے دفعیہ اور استحکام سلطنت کا باعث ہو - علاوہ بریں جیسا کہ توقع ہے مسلمانوں کی درماندہ قوم کی عملی حالت کی ترقی کیواسطے وقتاً فوقتاً اپنے کالموں کو نذر کرے - اور بالخصوص اسکا فرض اہم ہوگا کہ ہندو مسلمانوں میں برادرانہ اتفاق قایم کرنے اور آئے دن کی باہمی نزاع سے جو نقصان ایک دوسرے کو پہنچتے ہیں انکو دور کرنے میں کوشش کرے

قیمت پیشگی معہ محصول ڈاک — سالانہ — ششماہی

عام خریداروں سے — عـ۸

ہندوستان سے باہر

قیمت پیشگی معہ محصول ڈاک — سالانہ — ششماہی

طلبا اور کم استطاعت اصحاب سے

اسلامک ٹریکٹس ... قیمت پیشگی وصول ہونے بغیر کسی صاحب کو نام جاری نہیں ہو سکتا نمونہ کی درخواست پر ...

Date | No.